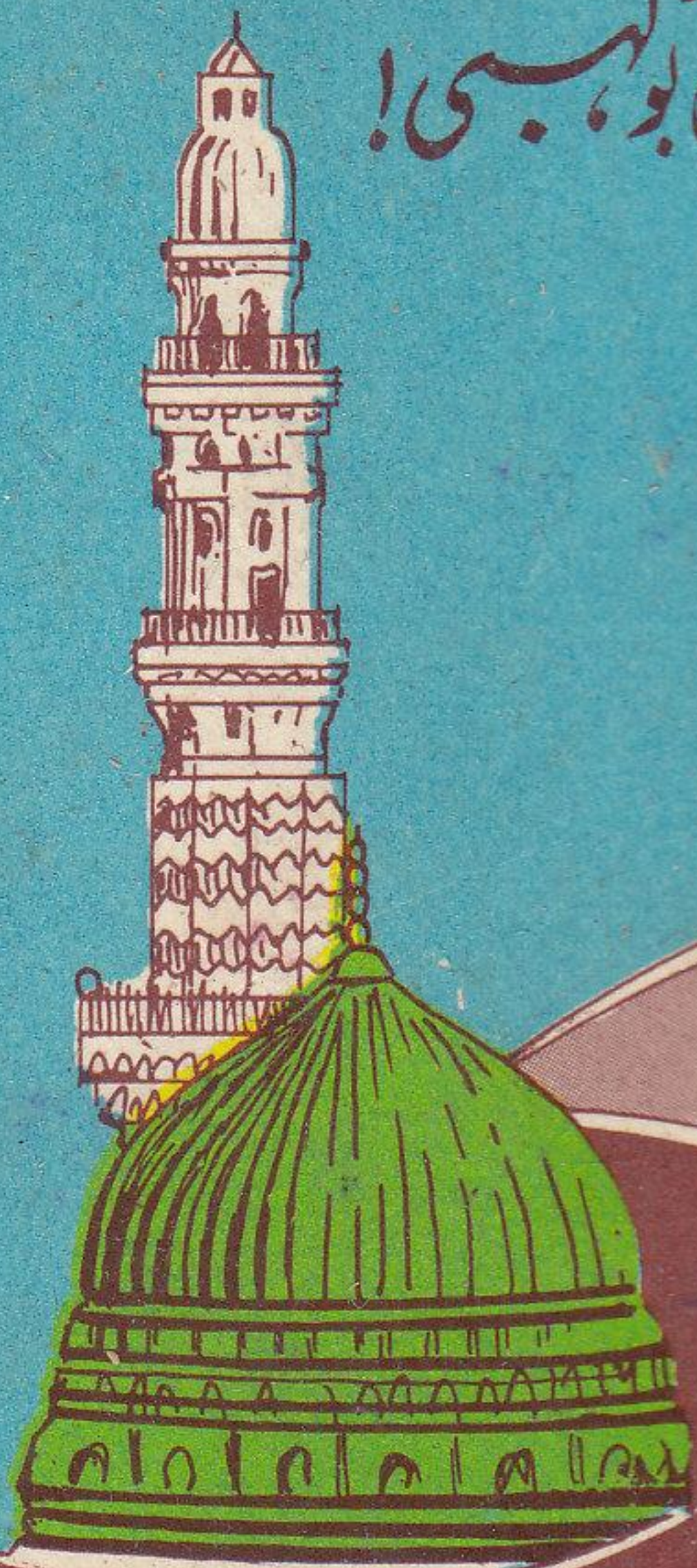


کسے خبر تھی کہ لے کر چہرہ غِ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبسی!



مقام نبوت کی عجیبی تعبیر

علامہ ابوالخیر اسدی

مقام نبوت کی

عجمی تعبیر

ملتِ اسلامیہ کی اکثریت ایک نظریے کے تحت نبوت کے عقیدے میں ایک غلط فہمی کا شکار ہے۔ اس غلط فہمی کے جو بنیادی اسباب ہیں اس کتاب میں ان کی اچھی طرح نشان دہی کی گئی ہے۔ ارباب تحقیق سے درخواست ہے کہ مطالعہ کے بعد اپنی علمی آراء سے ضرور آگاہ کریں۔

از

علامہ ابو النخیر اسدی

دَارُالتَذَكُّرِ

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور



إِدَارَةُ اِِسْلَامِيَّة

0301-7444110

مَخْدُوم رَشِيد-مُلْتَان

Azhar.asdi@gmail.com

Idarahislamia.com

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۳	بریلوی مسلک کی بنیاد حقیقت	۲	حرف اول
۹۳	محمدیہ پر ہے بین الاجمال و التفصیل	۴	نظریہ اصالت اور اس کے ثمرات
۹۵	حاضر و ناظر کا مفہوم	۱۳	حقیقت محمدیہ کے ماخذ
۹۸	حقیقۃ محمدیہ مصدر کائنات روح	۲۳	حقیقت محمدیہ کے قدیم مبادیات
	الاکوان کا مفہوم	۲۴	کی تشریح
۹۹	کائنات میں حقیقت محمدیہ کا تفصیلی تصرف	۲۴	زرتشتی نظریہ
۱۰۵	علم غیب اور حقیقت محمدیہ	۳۲	مجوسیت میں حلول اور منظر کا مفہوم
۱۰۸	رحمۃ للعالمین کا مفہوم	۳۷	مجوسیت میں نبوت کا مفہوم
۱۱۱	رحمۃ للعالمین کی آیت سے	۴۲	مجوسیت اور روحانی توسط کا مفہوم
	بریلویت کے بنیادی اصول	۴۷	مجوسی نظریات کے ساتھ حقیقۃ محمدیہ کی تطبیق
۱۱۵	ایک شبہ کا ازالہ	۵۵	بریلوی مسلک کے بنیادی اصول
۱۱۷	رحمۃ للعالمین کی آیت کو حاضر و ناظر کے فلسفہ کی تشریح	۷۳	بریلویت کے عقائد میں حقیقت محمدیہ کے ثمرات
۱۲۳	وحی سے قبل نبوت کی تشریح	۷۴	بریلوی مسلک کے بنیادی اصول
۱۲۴	ایک شبہ - اس شبہ کا ازالہ	۷۶	مجمع الجہتین کا مفہوم اور حقیقۃ محمدیہ
۱۲۵	ایک یہ کہ - دوسرے یہ کہ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۱۳	نبوۃ کا انقطاع اور اس کا اجراء	۱۲۶	تیسرے یہ کہ
۲۲۵	مجمع التبتین کی ایک نئی تعبیر اور حیات نبویہ	۱۲۷	چوتھے یہ کہ
۲۲۸	خاتم النبوة اور فاح النبوة	۱۲۸	اور کن کو نماز پڑھائی
۲۳۲	تخلیق کائنات کا باعث اور	۱۲۹	پانچویں یہ کہ
	قدیم نبوت	۱۳۰	مقام نبوت اور اکابر علماء دیوبند
۲۳۴	ذاتی ختم نبوت		اکابر علماء دیوبند کا اغلاط سے
۲۳۸	حقیقت محمدیہ کیا ہے۔	۱۳۲	رجوع کرنا
۲۴۲	عہد صحابہ میں ہر خیر موجود تھی		دیوبندی مسلک کا مفہوم
۲۴۵	تفصیل بین الانبیاء	۱۴۲	روح نبویہ کا مرئی خدا کا اسم علم
۲۴۶	خاتم النبیین کا مفہوم	۱۵۰	ہے اور نبوت بالذات کا فلسفہ
۲۵۸	قدم کائنات اور اکابر امت		نبوت بالذات کے دوسرے
۲۶۰	نبوۃ بالذات کا رد اور قرآن	۱۵۲	شواہد اور ختم نبوۃ کا مفہوم
۲۶۵	یونانی علوم اور مشرکین ہنوکے فلسفہ کا اہل	۱۵۵	مرتبہ ختم نبوۃ کا مفہوم
	کتاب کے فلسفہ سے زیادہ رد کیا جائے۔	۱۶۷	مرتبہ ختم نبوۃ کی مزید تشریح
۲۶۹	مقام رسالت کی اہانت کرنے والے	۱۸۱	حیات انبیاء علیہم السلام کا فلسفہ
	جلدی ختم ہو جائیں گے		علماء دیوبند کے عقائد پر حقیقت
۲۷۲	محمد کو خدا مان لیا	۱۸۹	محمدیہ کے اثرات
۲۹۵	نظر تخلیق پر علم بصیرت خدای کا بنیادی سبب ہے	۱۹۷	حقیقت محمدیہ کی تشریح اور عقیدہ
۳۰۰	توحید رسالت کے مفہوم میں اعراض		حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق
	وجوہ کا استعمال	۲۰۲	میں حقیقت محمدیہ کا تصرف
۳۱۸	آخری التماس	۲۰۳	حیات بالذات کا مفہوم
			مرتبہ نبوۃ سے نبوۃ بالعرض کا اجراء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ اوّل

توحید کے بعد جس عقیدے پر امت کی نجات کا مدار ہے، وہ یہ ہے کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت کا دل و جاں سے اقرار کیا جائے۔ خدا کی طرف سے آپ کو جن جن مراتبِ عالیہ سے نوازا گیا ہے وہ سارے مراتب آپ کی نبوت میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ نبوت سے بڑھ کر دوسرا کوئی ایسا کمال نہیں ہے جسے آپ کی افضلیت کا معیار بنایا جاسکے اور آپ کی افضلیت کا یہی وہ معیار ہے جو اسلاف کے بنیادی عقائد میں داخل تھا۔ لیکن جو علماء اور مشائخ نظریۂ وحدۃ الوجود کے قائل تھے انہوں نے آپ کی اس افضلیت کو عامیانا عقائد پر محمول کرتے ہوئے قبول نہ کیا۔ کیونکہ اس افضلیت کے عقیدے سے اُن کے ان عزائم کی تکمیل نہ ہو سکتی تھی جن کے تحت وہ مقام نبوت کی تعبیر بدلنا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے آپ کی افضلیت کا وہ معیار جو شرف نبوت پر موقوف تھا، اسے نظریۂ اصالت، یعنی

حقیقتِ محمدیہ میں تبدیل کر دیا۔ جس کے نتیجے میں صرف نبوت کی عظمت ہی
محروح نہیں ہوتی بلکہ توحید کی بنیاد بھی متزلزل ہو کر رہ گئی۔

اب ہم اس نظریہ کے حامل علماء کے وہ شواہد پیش کرتے ہیں،
جن میں مقامِ نبوت کی صحیح تعبیر کو ایک دوسرے رُخ میں پیش کیا
گیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اربابِ حقائق سے گزارش کرتے ہیں کہ اس
کتاب میں آپ کے نزدیک اگر کسی عبارت کی تفہیم میں ہم صحیح
ترجمانی نہیں کر سکے تو ازراہِ شفقت ہمیں ضرور آگاہ کر دیں تاکہ ہم اس
غلطی کا ازالہ کر سکیں۔

نظریہ اصالت اور اس کے ثمرات

نظریہ اصالت کا آسان مفہوم یہ ہے کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، ساری کائنات کی اصل ہے۔ اور کائنات کے اندر جو کچھ بھی موجود ہے وہ آپ ہی کی فرع ہے۔ اب جس قسم کا کمال کسی فرع میں ہوگا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کمال اصل میں ضرور موجود ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جو کمال فرع میں ہو وہ اس فرع کی اصل میں موجود نہ ہو۔ اصالت کا یہ نظریہ حقیقت محمدیہ سے ماخوذ ہے جو فلسفہ وحدۃ الوجود میں تعینِ اول کے نام سے مشہور ہے۔ جب تک کوئی عالم وحدۃ الوجود کے بنیادی فلسفہ پر پورا درک نہ رکھتا ہو، اصالت کے اس نظریے نے اسلام کو جس قدر ضرر پہنچایا ہے، اس ضرر کے عواقب و نتائج کی توضیح نہیں کر سکتا۔ اس نظریے کی وجہ سے نبوت کی تعبیر میں جو ثمرات مرتب ہوں گے پہلے ہم ان کی تلخیص بیان کرتے ہیں :-

۱۔ ذات نبویہ کے جس وجود کو ساری کائنات کی اصل بنایا گیا ہے ظاہر ہے کہ آپ کے عنصر وجود پر اس وجود کا اطلاق نہیں ہو سکتا اب اس کے لیے آپ کا کوئی دوسرا وجود شخص کرنا پڑے گا تا کہ اس وجود پر کائنات کی اصل کا اطلاق ہو سکے۔ ان کے نزدیک اس شخص جو کمال حقیقت محمدیہ

عہد اسلام کا ظہری صاحب لکھتے ہیں کہ یہ کبھی امر سبب کی غیر واقعی (باقی برکت)

ہے۔

۲۔ اصل اپنی فرع سے مقدم ہوتی ہے چونکہ آپ کی ذات ساری کائنات کی اصل ہے لہذا آپ کو ساری کائنات سے مقدم ماننا پڑے گا۔ اس تقدم کی وجہ سے آپ اس کائنات میں شامل نہیں ہو سکتے کیونکہ علت اور معلول کے درمیان ایسا تباہی ہوتا ہے کہ نہ علت اپنے معلول میں اور نہ معلول اپنی علت میں شامل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجودی مشائخ حقیقہ محمدیہ کو مخلوق نہیں مانتے۔

۳۔ سارے انبیاء چونکہ آپ کی فرع میں داخل ہیں۔ اس لیے ان کی نبوت پر فرع ہونے کی وجہ سے حقیقی نبوت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اس طرف ان کے ہر ذاتی کمال کی نفی ہو جائے گی۔

۴۔ اس دنیا میں جب آپ کے بشری وجود کو پیغمبر بنا کر سارے جہان کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ بشریت کی ابتدا حضرت آدم سے ہوتی

(بقیہ حاشیہ ص ۴) نہیں ہے بلکہ وہ ایک حقیقت ثابتہ ہے اور موجود خارجی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں جوہر بیط نورانی سے تعبیر کیا گیا ہے (تسکین الخواطر ص ۵۲) ۵۔ حضرت نانوتوی لکھتے ہیں: ”سارے انبیاء آپ کی ذات سے فیض لے کر اپنی امتوں کو پہنچاتے ہیں۔ غرض سچ میں واسطہ فیض میں مستقل بالذات نہیں ہیں۔ غرض ان سارے انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ہے (ان کا) کوئی ذاتی کمال نہیں ہے۔ (تخذیر الناس ص ۲۸)

ہے۔ جب حضرت آدمؑ آپ کی فرع میں داخل ہیں اور آپ بشر ہونے کی وجہ سے اولادِ آدم میں داخل ہیں، تو آپ کا یہ عنصر، وجود بھی کائنات کی فرع میں داخل ہو جائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے اس عنصری وجود کو جو نبوتِ قرآن کے ذریعے ملی تھی وہ نبوت بھی حقیقتِ محمدیہ کی فرع میں داخل ہو جائے گی۔ دیکھیے جو نبوت آپ کو قرآن کے ذریعے ملی تھی وہ حقیقتِ محمدیہ کی فرع میں داخل ہو رہا ہے اور حقیقتِ محمدیہ جس کے حق میں کوئی شے بھی وارد نہیں ہے اُسے مرتبی اور نبوت بالفعل کا درجہ دیا جا رہا ہے۔

۵۔ ذاتِ نبوتیہ کی مرتبی نبوت سے جب ہر نبی اپنے اپنے عہد میں نبوت کا فیض لیتا رہا ہے تو اس فیض کو آپ کی ختمِ زمانی کیسے ختم کر سکتی ہے۔ جب تک فیض کے مرکز کو بند نہ کیا جائے گا اس کے نتیجے میں بڑے کذاب نبی اپنی اپنی نبوت کا اجر ثابت کرتے رہیں گے

۶۔ کائنات کی اصل ہونے کی وجہ سے جس طرح آپ کی حقیقت سے اسلام کا صدور ہوگا، اسی طرح آپ کی اس حقیقت سے کفر کا صدور بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس طرح اسلام اور کفر کے درمیان جو حقیقی امتیاز پایا جاتا ہے اس امتیاز کی حقیقت اعتباری بن جائے گی اور یہ وہی اعتباری امتیاز ہے جس پر دینِ الہی کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ خدا جانے دُورِ اکبری کے کتنے مسلمان اس دینِ الہی کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنے ہوں گے۔ عہدِ عالمگیری میں دارِ لشکوہ، سرمد اور محب اللہ آبادی

اس نظریے کی وجہ سے دین الہی کی دوبارہ تجدید کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اوزنگزیب نے ان کی اس تحریک کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

۷۔ اس نظریے کی وجہ سے جس طرح اسلام اور کفر کے درمیان حقیقی امتیاز ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح حلت و حرمت کے درمیان بھی حقیقی فرق ختم ہو جائے گا۔ جس کے نتیجے میں اباحت، مزدکیت اور اشتراکیت کی راہ آسانی کے ساتھ ہموار ہو سکتی ہے۔ تشیع کی ساری بنیاد ائمہ اہل بیت کی اصالت پر رکھی گئی ہے۔ عرب کے ایک محقق عالم لکھتے ہیں :-
 الشیو عیتا ہی ولیقة عراق میں اشتراکیت پھیلنے کی
 التشیع وجہ تشیع کا بنیادی فلسفہ ہے

۸۔ اس نظریے کی وجہ سے کائنات کی تخلیق ثابت نہیں ہوتی، بلکہ ظہور اور صمد و رثابت ہوتا ہے۔ جس سے ہر چیز خدا کا مظہر بن جاتی ہے۔ پھر ان مظاہر کو نبیہ میں سے جو مقدس ہستی ہوتی ہے اسے الوہی صفات کا مظہر بنا کر متصرف فی الکائنات مان لیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک اللہ ساری

۱۔ شیعہ کی مستند کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ کائنات کا سارا نظام ائمہ کے سپرد ہے حتیٰ کہ اشیاء کی تحلیل و تحریم بھی ان کی مرضی پر موقوف ہے۔

۲۔ مولانا عبد الباری ندوی لکھتے ہیں: خود مخلوق کے لیے بھی آخر خلق کے بجائے ظہور کی اصطلاح کیوں استعمال ہو جو طرح طرح کے ابہامات سے خالی نہیں۔

(جامع المجدین - ص ۵۳۱)

کے لیے اس سے بہترین کوئی فلسفہ نہیں ہے۔

یہاں تک اس نظریے کے جتنے ثمرات بیان کیے گئے ہیں جب تک ان کی اچھی طرح تشریح نہ کی جاتے اذہاں عامہ کے لیے کافی عسیر الفہم معلوم ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ کتاب ہم اہل علم کو صرف اس نظریہ اصالت سے متعارف کرنے کے لیے لکھ رہے ہیں اس لیے ہماری معذرت کو قبول کرتے ہوئے فی الحال اسی اختصار پر اکتفا کریں۔ اس کے بعد ہم دوسری فرصت میں ان شاء اللہ اس نظریے پر مکمل بحث کریں گے۔ اگر آپ حق و انصاف کا ساتھ دیں تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ ایسے نظریے کے حاملین مقام نبوت کی حقیقی تعبیر کو کیوں بدلنا چاہتے ہیں، اور آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ ہم اپنی اس تحریر سے کسی خاص مسلک کو اپنا ہدف نہیں بنا رہے اور نہ یہ ہمارا مشن ہے کہ کسی مخصوص شخصیت کو سامنے رکھ کر اس کے تقدس کو مجروح کیا جائے، بلکہ جہاں بھی توحید نبوت کے خلاف کوئی سقم محسوس کرتے ہیں للہیت کے ساتھ اس کی تردید کر دیتے ہیں۔ اب ہم نظریہ اصالت جس کا دوسرا نام حقیقت محمدیہ ہے اس کے شواہد پیش کرتے ہیں، اور ساتھ ہی تفہیم کے لیے کہیں کہیں اس کی توضیح بھی کرتے جائیں گے۔ علامہ کاظمی صاحب جو بزر صغیر ہیں اس نظریے کے مشہور سکالر ہیں ذات نبویہ کے وصف اصالت کو عقیدے کے طور پر اس طرح بیان کرتے ہیں:-

”اظہار کلمات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں،

علماء امت کا ہمیشہ یہ مسلک رہا کہ جب انہوں نے کسی فرد مخلوق میں کوئی ایسا کمال پایا جو از روئے دلیل بہ ہیئت مخصوصہ اس کے ساتھ مختص نہیں تو اس کمال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس بنا پر تسلیم کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے وجود اور اس کے ہر کمال کی اصل ہیں۔ جو کمال اصل میں نہ ہو فرع میں نہیں ہو سکتا لہذا فرع میں ایک کمال کا پایا جانا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ اصل میں یہ کمال ضرور ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ اصول بالکل صحیح ہے۔ معمولی سمجھ رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ جب فرع کا کمال اصل سے مستفاد ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک کمال فرع میں ہو اور اصل میں نہ ہو۔ (الحق المبین، ص ۲۵)

ذات نبویہ کے مراتب عالیہ میں ایک مرتبہ آپ کا علمی کمال اور اس کی زیادتی بھی ہے۔ کاظمی صاحب آپ کے اس مرتبے کو افضلیت

لے ان علماء سے جمہور امت کے علماء مراد نہیں ہیں۔ بلکہ وہ علماء مراد ہیں جو ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کے حامی ہیں۔ وصف اصالت کے نظریہ کا بانی چونکہ ابن عربی ہے اس لیے ان علماء سے وہی علماء مراد ہو سکتے ہیں جو ابن عربی کے اس نظریہ کے ساتھ اتفاق رکھتے ہوں۔ اسلاف کے نزدیک آپ کی افضلیت محضہ آپ کی نبوت پر موقوف تھی، نہ کہ وصف اصالت پر۔ اس سے معلوم ہوا کہ عصر حاضر میں جو علماء اس نظریہ کے داعی ہیں ان کے عقیدے کا اسلاف کے عقیدے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

محضہ کی دلیل نہیں سمجھتے۔ اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”کسی سنی عالم نے بھی افضلیت محضہ کو زیادتی علم کی دلیل نہیں بنایا۔ ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصالت کو حضور کی اعلیت کی دلیل قرار دیتے ہیں اگر بالفرض کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کو حضور کی اعلیت کی دلیل بنایا بھی ہو تو اس سے افضلیت محضہ سمجھنا انتہائی حماقت ہے کیونکہ حضور کی افضلیت حضور کے ساتھ مخصوص ہے جس کا تحقق اصالت کے بغیر ناممکن ہے“ (حق المبین ص ۲۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اس نظریے کے حاملین کے نزدیک آپ کے مراتب عالیہ میں سے کوئی مرتبہ بھی خواہ آپ کا مقام نبوت ہی کیوں نہ ہو، آپ کی افضلیت محضہ کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اگر کوئی ثنابت بھی کرے تو اسے انتہائی حماقت پر محمول کرنا چاہیے۔ اور جو افضلیت آپ کے ساتھ مخصوص کی گئی ہے وصف اصالت کے بغیر اس کا تحقق ناممکن ہے۔ اپنے اس مخصوص نظریے کی تائید میں اب کاظمی صاحب ابن عربی کا مسلک بیان کرتے ہیں :-

”اس بات کی تائید و تصدیق کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں سے افضل اور سب انبیاء کے خاتم، نیز یہ کہ تمام انبیاء علیہم السلام آپ کی ذات سے مدد حاصل کرتے ہیں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے اس قول سے ہوتی ہے جسے آپ نے فتوحات مکیہ کے باب ۴۹۱ میں ذکر کیا ہے کہ مخلوق کا کوئی فرد، دنیا اور آخرت کا کوئی علم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنیت (روحانیت) کے بغیر کسی اور ذریعہ سے حاصل نہیں کر سکتا،

برابر ہے کہ متقدمین انبیاء ہوں یا وہ علماء ہوں جو آپ کی بعثت سے متاخرین ہیں۔ آپ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے مجھے اولین و آخرین کے تمام علوم عطا کیے گئے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم آخرین میں سے ہیں (پھر ہمارا کوئی علم بلا واسطہ روحانیت محمدیہ کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے) اور حضور کے اس ارشاد میں ان علوم کے حکم میں تعمیم معلوم ہوتی ہے لہذا یہ حکم ہر قسم کے علوم کو شامل ہے۔ خواہ وہ علم منقول و معقول ہو یا مفہوم اور موہوب۔ لہذا ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے آپ کے واسطے سے علم حاصل کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں آپ کی ذات مقدسہ علی الاطلاق سب سے زیادہ علم رکھتی ہے۔ ”الیہ واقیت و الجواہر، ص ۳۹ ج ۲۔ حق المبین ص ۲۸)

پہلے ہم ایک عبارت کے ترجمے میں علامہ کاظمی کی ایک علمی خیانت بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی افسوس بھی کرتے ہیں کہ جو لوگ صرف عالم ہی نہ ہوں بلکہ ایک دینی مسلک کی قیادت بھی کر رہے ہوں ان کی شان میں اس قسم کی علمی تحریف زیب نہیں دیتی۔ اوپر کی عبارت میں کاظمی صاحب نے ابن عربی کے ایک جملے کا اس طرح ترجمہ کیا ہے :-

”برابر ہے کہ متقدمین انبیاء ہوں یا وہ علماء ہوں جو آپ

کی بعثت سے متاخرین ہیں“

اور ابن عربی کی اصل عبارت یہ ہے :-

سواء الانبیاء والعلماء برابر ہے انبیاء اور علماء متقدمین

المتقدمون على زمن هوں باوجودی علم ہوں جو آپ کی
بعثتہا والمتأخرون عنها بعثت کے بعد پیدا ہوں گے۔

(البیواقیۃ والجوابہ ص ۳۹ ج ۲)

کیونکہ اس عبارت کے شروع میں ہے کہ مخلوق کا کوئی فرد بھی ایسا نہیں
ہے جو آپ کی باطنیت کے بغیر کسی دوسرے ذریعے سے علم حاصل کر سکتا ہو
ظاہر ہے کہ کائنات کے اندر جتنے انبیاء اور علماء موجود ہوں گے وہ سب
اسی حصر میں داخل ہیں، خواہ وہ آپ کی بعثت سے پہلے گزرے ہوں
یا جتنے ذی علم آپ کی بعثت کے بعد پیدا ہوں۔ وہ سب کے سب آپ
کی ذات سے علم حاصل کریں گے۔ اور کاظمی صاحب بعثت سے قبل انبیاء
کے ساتھ علماء کو شامل نہیں کر رہے بلکہ بعثت کے بعد کے علماء کو شامل
کر رہے ہیں یہ غلط ہے بلکہ انبیاء کے ساتھ سابقہ علماء بھی شامل ہیں۔
ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ایسے لوگوں کا نظریہ اصالت ہو یا مقام نبوت
کے بارے میں افضلیت کی کوئی دوسری تعبیر ہو، ان سب کا ماخذ حقیقۃً
محمدیہ کا فلسفہ ہے جو ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود میں تعینِ اول کے
نام سے مشہور ہے۔ اگر ان لوگوں کے نظریہ اصالت کی صراحت کتاب
وسنت میں ہوتی یا اسلاف کے علمی ذخائر میں اس کے واضح شواہد
موجود ہوتے تو اس نظریہ کے حاملین اپنے دلائل کے لیے ابن عربی کا
سہارا نہ لیتے۔

حقیقت محمدیہ کے ماخذ

مفہوم کے لحاظ سے حقیقت محمدیہ کی تعبیر اتنی دقیق ہے کہ اسے جس قدر بھی پھیلا کر لکھا جائے، فلسفہ وحدۃ الوجود کی تفہیم کے بغیر اس کا اچھی طرح ادراک نہیں ہو سکتا۔ تاہم اسے متعارف کرانے کے لیے اس کا ماخذ اور مفہوم کچھ نہ کچھ ضرور بیان کرتے ہیں تاکہ نظریہ اصالت کا جو بنیادی مقصد ہے۔ سامنے آ سکے۔ فصوص الحکم جس کی شرح شیخ ناجی نے لکھی ہے اس کے مقدمہ میں حقیقت محمدیہ کے بارے میں لکھا ہے :-

لان محمدًا او حقیقة محمد	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
واسطة للخلق وحلقة	گرامی یا حقیقت محمدیہ خالق اور مخلوق
الاتصال بین الذات	کے درمیان واسطہ ہے اور ذات الہیہ
الالہیة والمظاهر الکونیة	اور مظاہر کونیہ کے مابین حلقہ اتصال
فہو فی بمثابة العقل الاول	ہے۔ پس حقیقت محمدیہ فلسفہ نو
فی الفلسفة الافلاطونیة	افلاطونیہ میں عقل اول کے مصداق ہے
المدریثیة وبمثابة المسیح	اور مسیحی فلسفہ میں حضرت مسیح کے کلمۃ اللہ
فی الفلسفة المسیحیة و	کے مصداق ہے اور فلسفہ غزالی میں
بمثابة المصارع فی فلسفة	المطارع کے مصداق ہے۔

الغزالی ۔

وفصوص الحکم لابن عربی، ص ۱۰۰

اس سے معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدیہ کا وہی مفہوم ہے جو فلاسفہ کے نزدیک عقلِ اول اور مسیحیت کے نزدیک کلمۃ اللہ کا مفہوم ہے۔ اور واسطہ کا مفہوم یہ ہے کہ جتنی نعمتیں مخلوق پر نازل کی جاتی ہیں وہ آپ کے واسطے سے کی جاتی ہیں۔ اور حلقۂ اتصال کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز خدا کی کسی نہ کسی صفت کا مظہر ہے۔ جس طرح خدا کی ذات کے ساتھ اس کی صفات کا تعلق ہے اسی طرح کائنات کا خدا کی ذات کے ساتھ ربط ہے۔ اور جس ربط کے ساتھ خدا اور کائنات کے درمیان معیت ذاتی کا اتصال ثابت ہو رہا ہے اس ربط کا نام حقیقتِ محمدیہ ہے حقیقتِ محمدیہ کو کلمۃ اللہ کا مصداق اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح مسیحیت کے فلسفے میں کلمۃ اللہ مراتبِ الہیہ میں داخل ہے اسی طرح فلسفۂ وحدۃ الوجود میں حقیقتِ محمدیہ بھی مراتبِ الہیہ میں داخل ہے اس لیے وجودیہ مشائخ کہتے ہیں کہ حقیقتِ محمدیہ ایک اصطلاح ہے جس کا اطلاق مخلوق پر نہیں ہو سکتا حضرت تھانویؒ فصوص الحکم کی شرح میں لکھتے ہیں :-

”وجود واجب کے مراتب میں سے ایک مرتبہ وحدت ہے جسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں، مراد اس سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نہیں ہے، محض اصطلاح ہے۔“ (فصوص الحکم فی شرح فصوص الحکم ص ۵۶)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

”اور حقیقتِ محمدیہ وغیرہ یہ سب اصطلاحات ہیں، ورنہ یقینی

بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آدم مخلوقات ہی ہیں،
 نہ کہ صفات الہیہ۔ (جامع المجددین، ص ۵۳۰)

خائب عبدالباری صاحب ندوی جو فلسفہ تھانوی کے شارح اور
 فلسفہ کے مشہور سکالر ہیں، تھانوی صاحب کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد
 لکھتے ہیں :-

”لیکن اصل یہ ہے کہ یہ اصطلاحات چونکہ فلسفہ و اشراقیت وغیرہ
 بیرونی اثرات کا رنگ لیے ہوئے ہیں جہاں حلول و اتحاد سب کچھ ہی
 تھا، اور مسلمان صوفیہ میں کہیں نہ کہیں خواہ سُکر کے غلبہ ہی سے یہ
 رنگ محض عنوان و عبارت یا اصطلاح کی حد سے نکل گیا ہے اس
 لیے اسلم طریقہ یہی ہے کہ ایسی موہم اصطلاحات کا سرے سے استعمال
 ہی کیوں ہو۔ اور کتاب و سنت کے عنوانات و عبارات سے تجاوز
 کرنے کی ان نازک مسائل میں وہ ضرورت ہی ایسی کون ہے جس سے
 گریز نہیں کیا جاسکتا۔ خود خلق کے لیے بھی آخر خلق کے بجائے ظہور کی
 اصطلاح کیوں استعمال ہو جو طرح طرح کے ایہامات سے خالی نہیں۔
 و حقیقت یہ چیزیں فلسفہ پسند اور نظریات ساز دماغوں کی راہ سے
 داخل ہو گئی ہیں جو وحی و نبوت کے فطری مذاق سلیم پر قانع نہیں رہ
 سکتے تھے۔“ (جامع المجددین، ص ۵۳۱)

حضرت تھانویؒ اُن اکابر علماء میں سے ہیں جو دیوبندی مسلک میں
 اہم کی حیثیت رکھتے ہیں اور فن تصوف میں مجتہد کا مقام رکھتے ہیں، انہوں نے

صاف لکھ دیا ہے کہ حقیقتِ محمدیہ خدا کے مرتبہ وحدت کا نام ہے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ مخلوق ہیں نہ کہ صفاتِ الہیہ میں سے کوئی صفت ہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ حقیقتِ محمدیہ کو جب مرتبہ وحدت کی اصطلاح کے لیے مخصوص کیا گیا ہے تو اسے ذاتِ نبویہ پر کیوں محمول کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کی ذات پر صفتِ الہیہ کا شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اب ہم جناب عبد الباری صاحب ندوی کی عبارت کو ذرا سہل کر کے بیان کرتے ہیں :-

۱۔ حقیقتِ محمدیہ جیسی اصطلاحات فلسفہ و اشراقیت وغیرہ کے عجبی نظریات سے ماخوذ ہیں۔ یہ ایسے نظریات ہیں جن کے ذریعے مقدس سستیوں میں خدا کا حلول اور اتحاد آسانی کے ساتھ ثابت ہو سکتا ہے۔

۲۔ مشائخ صوفیہ کے بعض شطیحات میں جہاں حلول و اتحاد کا اشتباہ پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ یا تو سکر کا غلبہ ہے یا ایسے اقوال کو ایسی عبارت یا عنوان کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے جو ظاہری حدود سے تجاوز کر گئے ہیں (اس میں آپ صوفیہ کی حلولی شطیحات کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک شریعت کی عظمت ان کے تحفظ سے بہتر ہے۔ دوسرے غلبہ سکر کے بعد جب عالم صحویں داخل ہوتے تھے تو توبہ کے ساتھ ایسے اقوال کا ازالہ کر لیتے)۔

۳۔ اسلم طریقہ یہ ہے کہ جب ایسی اصطلاحات سے شرک کا ایہام پیدا ہوتا ہے تو سرے سے ایسی اصطلاحوں کو استعمال ہی نہ کیا جائے۔

جب معارف الہیہ بیان کرنے کے لیے قرآن و سنت میں مسنون عنوان موجود ہیں تو پھر ایسے نازک مسائل میں مؤہم عنوان استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے اور وہ کون سی مجبوریات لاحق ہیں جن کی وجہ سے ان سے گریز نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ وحدۃ الوجود کے نظریے میں کائنات کی تخلیق ثابت نہیں ہوتی بلکہ کائنات کا خدا سے ظہور ثابت ہوتا ہے۔ اس پر جناب عبد الباری صاحب فرما رہے ہیں کہ تخلیق کی بجائے ظہور کی اصطلاح کیوں استعمال کی جاتی ہے جو طرح طرح کے ایہامات سے خالی نہیں۔ درحقیقت یہ چیزیں فلسفہ پسند اور نظریات ساز دماغوں کی راہ سے داخل ہو گئی ہیں جو وحی و نبوت کے فطری مذاق سلیم پر قانع نہیں رہ سکتے تھے۔

جو علماء حضرت تھانویؒ جیسے اکابرین کے مسلک کو صرف آخر سمجھتے ہیں، مولانا عبد الباری صاحب ندوی کا یہ تبصرہ ان کے لیے ایک حجت ہے۔ واقعی نظریہ وحدۃ الوجود اور حقیقت محمدیہ عیسیٰ اصطلاحیں فلسفہ پسند اور نظریات ساز دماغوں کی راہ سے اسلام میں داخل ہو گئی ہیں جو وحی و نبوت کے فطری مذاق سلیم پر قانع نہیں رہ سکتے تھے۔

مولانا عبد الباری صاحب ندوی نے تھانوی تصوف میں ایک تجدیدی کتاب لکھی ہے، اس میں وحدۃ الوجود کے بارے میں تھانوی صاحب کا تحقیقی فیصلہ نقل کرتے ہیں :-

”مسئلہ خواہ وحدۃ الوجود کی صورت میں ہو یا وحدۃ الشہود کی صورت

میں، براہِ راست اسلامی تصوف کا کوئی خاص اور ضروری جزو بالکل نہیں۔ بلکہ کلامی و علمی یا عقلی اور فلسفیانہ مسئلہ ہے۔ یا بعض صوفیہ کے لیے کشفی جو بجائے خود (اسلام میں) کوئی حجت نہیں۔

(تجدید تصوف سلوک، ص ۱۰۹)

اور دوسرے مقام پر وحدۃ الوجود کے بارے میں حضرت تھانوی کا یہ قول نقل کرتے ہیں :-

”یہ مسئلہ ایک علمی و کلامی مسئلہ ہے اور اسلامی تصوف کا یہ کوئی خاص جزو نہیں، اور نہ اس اعتبار سے اس بحث کی کوئی اہمیت رہ جاتی ہے کہ اسلامی تصوف میں یہ باہر سے داخل ہوا یا نہیں بلکہ اس کی غالباً نہ تعبیرات یقیناً بیرونی اثرات کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں۔“ (تجدید تصوف و سلوک، ص ۱۱۱)

دیکھیے حضرت تھانویؒ نے جو خود بھی ایسے نظریات میں اجتہاد کا درجہ رکھتے ہیں، صاف لکھ دیا ہے کہ ابن عربی کا نظریہ وحدۃ الوجود ہو یا مجدد صاحبؒ کا نظریہ وحدۃ الشہود، ان کا اسلامی تصوف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ اس کا کوئی حصہ ہیں بلکہ یہ دونوں کلامی اور فلسفیانہ مسائل سے تعلق رکھتے ہیں، یا بعض انہیں کشف میں داخل کرتے ہیں اور کشف خود ایسی چیز ہے کہ اس سے ہر ثابت شدہ چیز اسلام میں حجت نہیں ہو سکتی۔ جب وحدۃ الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ ہے تو حقیقتِ محمدیہ جو اس نظریے کی بنیادی اینٹ ہے، اسلام میں اس کی کیا حقیقت رہ جائیگی۔

اور جن لوگوں نے نبوت کی اساس ہی حقیقتِ محمدیہ پر رکھی ہے آپ اندازہ کریں کہ ایسے لوگ ملتِ اسلامیہ کو کس وادی میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ اب حقیقتِ محمدیہ کے بارے میں دوسرے محققین کی آراء ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ عقیفی جو فلسفہ ابن عربی کے مشہور سکالر ہیں، حقیقتِ محمدیہ کے بارے میں لکھتے ہیں :-

ابن عربی حقیقتِ محمدیہ کو حقیقۃ الحقائق، روحِ محمد، عقلِ اول، قلمِ اعلیٰ، انسانِ کامل، اصلِ العالم، الیہولی اور تنزلِ اول کہہ کر پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم کی تخلیق کی اصل بھی حقیقتِ محمدیہ ہے۔

ابن عربی نے حقیقۃ الحقائق کی اصطلاح اور یجن (origen) سے لی ہے جو فیلو کے لوگوس (Logos) کو عین الیون کہتا تھا۔ ابن عربی حقیقتِ محمدیہ کو عقلِ کل کے سنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ جو کائنات کے تمام مظاہر کو نبیہ اور شئون کی تخلیق کا باعث ہوئی۔ وہ اسے تکوینِ کائنات کی علتِ اول بھی کہتے ہیں اور خدا کی تخلیقی قوت (ارادہ کو نبیہ) بھی قرار دیتے ہیں۔ ابن عربی حقیقتِ محمدیہ کو قطبِ الاقطاب بھی کہتے ہیں، جو قرامطیہ اور اسماعیلیہ کے امام کی طرح ہر زمانے میں حلول کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

(اقبال اور نظریہ وحدۃ الوجود از سید علی عباس، ص ۱۰۵)

پروفیسر سید علی عباس لکھتے ہیں :-

”صوفیہ وجودیہ نے حقیقتِ محمدیہ کا تصور نوافلاطونی اور عیسائی

متکلمین آگسٹائن وغیرہ سے لیا تھا۔ سب سے پہلے منصور حلاج نے
 آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازلیت (قدیم ہونے) کی طرف توجہ
 دلا کر ابن عربی کے لوگوں (حقیقتِ محمدیہ) کے نظریے کے لیے بین
 ہموار کی۔ حلاج منصور اپنی مشہور کتاب طواسین میں رقم طراز ہیں
 ”جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عدم سے بھی پہلے موجود
 تھے اور قلم سے پہلے ان کا اسم موجود تھا۔ آپ اُس وقت بھی
 موجود تھے جب کہ نہ جوہر کا وجود تھا اور نہ اعراض کا اور اول و
 آخر بھی پردہ کتم میں تھے۔“

(اقبال اور نظریہ وحدۃ الوجود، ص ۱۰۵)

حسن علی جامعی شرق پوری تعلیماتِ مجددیہ میں لکھتے ہیں :-
 اہل فلسفہ جسے عقل اول کہتے ہیں، وہی عقل اول حقیقتِ محمدیہ
 ہے۔ متصوفہ اسلام نے خواہ مخواہ اہل فلسفہ کی اصطلاحات اور
 ان کے مفہوم کو تعلیم وحی کے مطابق کرنے کے لیے نہایت ضعیف
 اور بھدی تاویلیں کیں اور اپنی مطلب برآری کے لیے افراط و
 تفریط سے دریغ نہیں کیا۔

(تعلیماتِ مجددیہ، ص ۴۴۸)

جناب بشیر احمد ڈار جو فلسفہ کے سکالر ہیں حقیقتِ محمدیہ کا قدیم ماخذ
 بیان کرتے ہیں :-

حضرت مسیح کا تصور وہی قدیم لوگوں (Logos) کا تخیل تھا جو

زرتشتی مذہب سے یونان میں داخل ہوا۔ ہرکلیٹس اور افلاطون سے
 ہوتا ہوا فلاسفر فیلو، یوحنا اور پولس میں آمو جود ہوا۔ فرق صرف یہ
 تھا کہ فیلو کے ہاں یہ لوگوں کا کلمہ مسیح کے بغیر موجود تھا اور پولس
 اور یوحنا کا یہ لوگوں کا کلمہ اللہ کا روپ دھار لیتا ہے۔ مسلمان صوفیہ
 کے ہاں یہی نظریہ بعد میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے
 ساتھ وابستہ ہو کر حقیقت محمدیہ بن جاتا ہے۔

(تاریخ تصوف قبل از اسلام، ص ۱۵۲)

پیر مہر علی شاہ صاحب اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں :-

”موجود اولیٰ کہ بمنزلہ افگندن معمار گل است تاکہ قبول کند ہر
 شکل را بحسب ارادہ نباء است کہ در اصطلاح فلاسفہ اور اہیولی می گویند
 پس قبول کرد ہر شکل را بحسب استعداد صالحہ۔ اندرون خانہ روشنی
 چراغ را قبول می کند۔ پس نبود کسی قریب تر از روی قبول در اں ہباء مگر
 حقیقت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام با اصطلاح شیخ ابن عربی۔ وعقل
 اول یلسان فلاسفہ وہمان است اول ظاہر فی الوجود کہ وجودش از نور
 الہی است۔ وہباء حقیقت کلیہ است باز قریب تر بدال از نوع
 انسانی حضرت علی است کما صرح بہ شیخ ابن عربی در فتوحات مکیہ۔
 (مکتوبات پیر مہر علی شاہ، ص ۱۸)

پیر مہر علی شاہ صاحب کی عبارت کا آسان مفہوم یہ ہے :-

”ہباء ایک حقیقت کلیہ ہے جسے اصطلاح فلاسفہ میں ہیولی

کہتے ہیں اور یہی موجودِ اولیٰ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے معمار کے سامنے گل ہوتی ہے۔ وہ معمار کے ارادہ کے مطابق حسبِ استعداد ہر شکل قبول کر لیتی ہے۔ جیسے چراغ کی روشنی اندرونِ خانہ ہر چیز قبول کر لیتی ہے۔ اس ہبہ میں ابن عربی کی اصطلاح کے مطابق سب سے اول جس صورت نے قبول کیا اس کا نام حقیقتِ محمدیہ ہے۔ اور اس حقیقتِ محمدیہ کے ساتھ جو قریب ترین صوت تھی وہ حضرت علی کی حقیقت تھی۔“

ہبہ، حقیقتِ کلیہ اور ہیولیٰ ایسی دقیق اور ذودجہ اصطلاحیں ہیں جن کی تشریح اس رسالے میں غیر مناسب معلوم ہوتی ہے۔ آپ صرف ان کے ناموں ہی سے اندازہ کر لیں کہ حقیقتِ محمدیہ کا مرکزی ماخذ کیا ہے۔ علامہ کاظمی صاحب حقیقتِ محمدیہ کی تشریح محققِ دوانی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”تمام اصحابِ نظر و برہان اور اربابِ شہود و عیان اس بات پر متفق ہیں کہ بوسیلہ قدرت و ارادہ خدائے قدوس امرکن فیکون سے سب سے پہلے جو گوہر مقدس دریائے غیب مکنون سے جو ساحلِ شہود پر آیا وہ جوہر بسیط نورانی تھا، جسے حکماء (فلاسفہ یونان) کے عرف میں عقلِ اول کہتے ہیں اور بعض احادیث میں قلمِ اعلیٰ سے اس کو تعبیر

سے قلمِ اعلیٰ اور عقلِ اول ایک ہی نور کے دو نام ہیں، جب (باقی ص ۲۳ پر)

کیا گیا ہے اور ارباب کشف و تحقیق اسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں۔
(تسکین الخواطر، ص ۶۳)

حقیقتِ محمدیہ کے قدیم مبایات کی تشریح

گزشتہ صفحات میں اہل حقائق تحریروں میں جن قدیم ماخذوں کی نشان دہی کی گئی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہر ماخذ کی اختصار کے ساتھ کچھ تشریح کر دی جائے، تاکہ اہل علم کو اس نظریے کی مبایات سمجھنے میں ذرا آسانی رہے۔ پہلے آپ یہ بات سمجھ لیں کہ ان قدیم ماخذوں کے ساتھ اس حقیقتِ محمدیہ کا کیا ربط ہے۔ وہ یہ ہے کہ اقوامِ عالم میں جتنے مذاہب پائے جاتے ہیں، ان میں یہ بحث صدیوں سے چلی آرہی ہے کہ کائنات اور خدا کے درمیان ربط کی کیا کیفیت ہے اور تخلیق کے بعد وہ کون سے وسائط ہیں جن کے ذریعے اس کائنات کا نظم و نسق چلایا جاتا ہے۔ ربط بین الحوادثِ القدیم کی جس طرح ابن عربی نے توضیح کی ہے، اس کا نام نظریہ وحدۃ الوجود ہے۔ ابن عربی نے اپنے اس نظریے میں ان اصولوں سے استفادہ کیا ہے جو اقوامِ عالم کے بعض مذاہب اور نظریات میں پائے جاتے تھے۔ وحدۃ الوجود

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس نور کی عبد کی طرف نسبت کی جائے تو اسے عقل اول، اور جب خدا کی طرف نسبت کی جائے تو اسے قلم اعلیٰ کہتے ہیں۔

کے نظریے میں حقیقتِ محمدیہ چونکہ تعینِ اول کہلاتا ہے، اس سے لازم آتا ہے کہ حقیقتِ محمدیہ کی وہی تعبیر ہوگی جن طرح وحدۃ الوجود کی تعبیر سابقہ نظریات سے اخذ کی گئی ہے۔ اس لیے اکثر اہل علم نے تحقیق کر کے واضح کر دیا ہے کہ حقیقتِ محمدیہ کی وہی تعبیر ہے جو فلاں فلاں سابقہ مذاہب کے نظریات میں پائی جاتی ہے۔ اور بعض کے نزدیک حقیقتِ محمدیہ کا نظریہ زرتشتی مذاہب سے مانجھتا ہے۔ پھر بھی نظریہ فلاسفہ یونان سے ہوتا ہوا فیلو اور مسیحی علماء میں داخل ہو گیا۔ اس لیے پہلے اختصار کے ساتھ زرتشتی نظریے کی وضاحت کرتے ہیں، اس کے بعد بتدریج دوسرے نظریات کی تشریح بیان کریں گے۔ ہمارا مقصود چونکہ تعارف کی سطح تک محدود ہے اس لیے ہم طویل اور دقیق موشگافیوں سے گریز کر رہے ہیں۔ ہم اپنے دوسرے مقالوں میں کوشش کریں گے کہ ان عجیبی نظریات کے مسموم اثرات کو اس طرح عریاں کیا جائے تاکہ اسلام کے بنیادی نظریات کا اچھی طرح تحفظ کیا جاسکے۔

زرتشتی نظریہ امام ابن حزم لکھتے ہیں کہ جو سیت دنیا کا سب سے قدیم مذاہب ہے جو عہدِ ابراہیمؑ میں صابئہ کے نام سے مشہور تھا۔ اور بعض محققین کے نزدیک ہنود کا مذاہب بھی سب سے قدیم ہے۔ یہ دونوں اس لیے قدیم ہیں کہ آگ اور سورج پرستی کے نظریے میں ان کا باہمی اشتراک پایا جاتا ہے۔ اس لیے ہنود کے قدیم اکابر کو صابئہ بھی کہتے ہیں۔ امام ابن صاعد اندلسی لکھتے ہیں :-

وَأَمَّا الصَّابِتُ وَهُمْ
 جہوں الہند و معظمہا
 ہندستان کے جہوں ہنود صابتہ
 ہیں اور ان کی اکثریت علم کی ازلیت
 فأنہا تقول بازل العالم
 کی قائل ہے اور یہ کہ عالم علت العلل
 وانہ معلول بذات
 یعنی ذات باری تعالیٰ سے معلول
 علت العلل ہی الباری ہے۔

(طبقات الامم - ص ۱۵)

اس سے معلوم ہوا کہ جن ادیان میں قدم عالم کا نظریہ مانا جاتا ہے،
 ان سب کا ماخذ ہنود اور مجوس کے اس قدیم نظریے سے ماخوذ ہے۔
 زرتشت کے بارے میں مؤرخین لکھتے ہیں :-

ایران کے سب سے قدیم مذہب کو مزدائیت کہتے ہیں۔ یہ مذہب
 زرتشت سے زیادہ قدیم ہے۔ ان کے نزدیک مزدا کسی خاص قبیلے یا
 خاص قوم کا خدا نہیں، بلکہ نوع انسان اور دنیا بھر کا خدا ہے۔ زرتشت
 نامی ایک شخص ایران میں پیدا ہوا۔ جس نے مزدائیت میں ترمیم کر کے
 ایک نیا مذہب پیش کیا۔ جس کا اہم عقیدہ یہ تھا کہ خالق دو ہیں، ایک
 خالق خیر ہے اور دوسرا خالق شر۔ نیکی اور بدی کی جنگ روزِ ازل سے
 جاری ہے، اس لیے ان کے خالق بھی جدا جدا ہیں۔ محققین سب کے سب
 اس بات پر متفق ہیں کہ زرتشت کی اپنی تاریخی حیثیت ہے۔ بعض ان
 میں سے زرتشت کا زمانہ پانچ ہزار سال قبل مسیح سے اوپر لے جاتے ہیں
 اور بعض کا خیال ہے کہ اس سے کم ہے۔ زرتشت کے بارے میں کہا

جاتا ہے کہ وہ بہت خلوت پسند تھا، وہ کئی کئی دن محویت کے عالم میں رہتا تھا۔ وہ خود کہتا ہے کہ میرے پاس فرشتے آیا کرتے تھے۔ ایک دن میرے پاس ایک فرشتہ آیا، جس کا نام اردی بہشت تھا اور کہا آگ میں اہورامزدا کی صفات جمع ہیں، اس لحاظ سے وہ اہورامزدا کی منظر ہے اور ہر قسم کی آلائشوں کو پاک کرنے والی ہے، اس کی پرستش کرو۔ پھر اس نے اپنے نظریے کی دعوت پھیلانی شروع کر دی۔ اس عہد میں ایک بادشاہ گشتاسپ تھا اس نے اس کے مذہب کو قبول کر لیا۔ اس طرح کافی لوگ اس کے مذہب میں داخل ہو گئے۔ اس مذہب کی رو سے اہورامزدا کا منظر آگ کو سمجھا جاتا تھا، اس لیے جگہ جگہ آتشکدے بنے لگ گئے زرتشتیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آگ اور نور کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے روشنی حرارت سے جدا ہو کر اندھیری راتوں کو روشن کرتی ہے۔ آگ اور نور اہورا مزدا کے مظاہر ہیں۔ اور ظلمت اہرمن کا منظر ہے۔ زرتشت اپنی کتاب اوستا میں اپنا یہ عقیدہ بھی پیش کرتا ہے :-

اے زرتشت کا تخیل ہے کہ ہرمز، مزد، اہورامزدا یا یزدان مختلف تلفظوں میں سب ایک حقیقت کے نام ہیں جو چھٹے مقرب ملائکہ کے ساتھ نور کے عرش پر محفوظ ہے۔ ان اسماء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب صفات الہی ہیں۔

(الشر - از عباس محمود عقاد - ص ۱۱۶)

”کہ اہورامزدا یعنی خالق خیر ہر جگہ موجود ہے۔ کھیتوں میں، دن کی روشنی میں، آتشکدوں کی آگ میں، محنت کرنے والے کے جسم میں، ہوا میں، پانی میں۔ غرضیکہ فائدہ پہنچانے والی ہر چیز میں موجود ہے اہورامزدا کو یہ حاجت نہیں کہ اس کا کوئی مجسمہ بنایا جائے۔“

(تاریخ ایران از ہشتانی، ج ۱ ص ۳۱۷)

کیا خدا کو ظاہر کرنے کے لیے کوئی مخلوق خدا کا مظہر بن سکتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے جس نے خدا کو ظاہر کرنے کے لیے آگ اور نور کو خدا کا مظہر بنایا ہے وہ زرتشت ہے۔ دوسرے وہ کہتا ہے کہ اہورا مزدا یعنی یزدان جب ہر چیز میں موجود ہے تو اس کو پوچھنے کے لیے کوئی مجسمہ بنانے کی ضرورت نہیں، اس سے خدائے مطلق کا تقید ثابت ہو جائے گا۔ اور وحدۃ الوجود کا نظریہ بھی یہی ہے کہ خدا ہر چیز میں موجود ہے (یعنی ہر چیز خدا کا مظہر ہے) ابن عربی نے فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ جو مشرک اپنے مخصوص بتوں میں خدا کو مفید کر کے پوجتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، اگر وہ اصنام پرستی کے اس تقید کو ختم کر کے ہر چیز کو خدا کا مظہر سمجھ لیں تو پھر ان کا یہ شرک خالص توحید میں بدل جائے گا۔ نظریہ وحدۃ الوجود میں گلشن راز ایک مستند کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ بت پرستی بھی توحید میں داخل ہے۔ اور یہ وہ کتاب ہے جو صدیوں تک اسلامی نصاب میں پڑھائی جاتی رہی ہے۔

چو کفر و دیں بود قائم بہ ہستی شود توحید عین بت پرستی

پہوایشا ہستی ہستی را مظاہر

ازاں جملہ یکے بت باشد آخر

یعنی کفر و اسلام جو ظاہر ہیں متضاد نظر آتے ہیں، یہ دونوں اصل میں ایک ہی مطلق کے ساتھ قائم ہیں۔ جب کفر کو ہم خدا کا غیر نہ سمجھیں گے تو بت بھی توحید بن جائے گی۔ چونکہ ساری کائنات ہستی حق کے مظاہر ہیں اور ان مظاہر میں سے بت بھی ایک منظر ہے۔ اس لیے جس بت کی بھی عبادت کی جائے گی وہ عبادت خدا کی عبادت کہلائے گی۔

شرح گلشن راز، ص ۱۲۵۱

آپ نے دیکھ لیا ہے کہ اس نظریے کے تحت جب سائے اصنام مظاہر الہیہ بن جائیں گے، اس کے بعد وہ کون سی بت پرستی باقی رہ جاتی ہے جس کی آپ تردید کر کے خدا کی توحید ثابت کر سکیں گے۔ یاد رکھیے دنیا میں جتنے شرکیہ مذاہب پائے جاتے ہیں، ان سب کا نظریہ یہی ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو خدا کا منظر سمجھتے ہیں اور یہ نظریہ تنازع اور حلول کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے ہنود اور مجوسیت کی بنیاد بھی نظریہ تنازع اور حلول پر رکھی گئی ہے۔ علامہ ابوالشکور سالمی لکھتے ہیں :-

وہم قوم یعبدون کل	مجوس کی ایک ایسی قوم بھی ہے جو ہر
نور مثل الشمس والقمر	روشنی کی پرستش کرتی ہے۔ خواہ وہ
والنجوم والنار یقولون	روشنی سورج، چاند اور ستاروں کی ہو
بان هذه الانوار کلھا	یا آگ کی۔ وہ کہتے ہیں سورج چاند وغیرہ میں

كانت نوراً واحداً قبل
ان يخلق الله الخلق فلما
خلق الله هذه الاشياء
تفرقت هذه الانوار و
هي في سراى العين و في
الحقيقة كلها نور واحد
وهو نور الله تعالى - و
هذا مذهب البراهمة
من بلاد الهند ومذهب
المجوس من بلاد العرب
والعجم وهذا القول
يميل الى التناسخ ويشبه
قول الفلاسفة في الجوهر
البسيط والحلولية من
بلاد الخاقانية -

تمہید لابی الشکور

ص ۱۹۲، ۱۹۸

جو انوار نظر آتے ہیں یہ انوار کائنات کی
تخلیق سے قبل ایک نور کی شکل میں موجود
تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب سورج چاند
وغیرہ کو پیدا کیا تو یہ نور ان میں متفرق
ہو کر پھیل گیا۔ سورج، چاند، ستارے
وغیرہ جو ظاہر میں علیحدہ علیحدہ شکلوں میں
نظر آتے ہیں، درحقیقت وہ اسی ایک
ہی نور کے مختلف مظاہر ہیں۔ اور وہ نور
در اصل اللہ ہی کا نور ہے۔ نور واحد کے
ان مظاہر کا جو نظریہ بیان کیا گیا ہے ہندستان
کے برہمنوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اور
عرب و عجم میں جتنے مجوس رہتے ہیں ان
سب کا یہی نظریہ ہے۔ مظاہر کا یہ نظریہ
فلسفہ تناسخ کے عین مطابق ہے۔ فلاسفہ
جس طرح جوہر بسیط کی تعریف بیان
کرتے ہیں یہ نظریہ اس کے ساتھ وہی
مشابہت رکھتا ہے۔ اور خاقان کے علاقہ میں
جو حلولی صلاحیہ کی ایک جماعت رہتی ہے ان کا
نظریہ حلول بھی مجوسیت کے اسی نظریہ کا خود ہے۔

علامہ ابوالشکور سالمی مانویہ کا عقیدہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ یہ
مجوس کا ایک مشہور فرقہ ہے۔

وقالت المانویۃ بان اللہ	مانویہ جو مجوس کا ایک مشہور فرقہ ہے وہ
تعالیٰ یحل بذاتہ فی کل	کہتے ہیں اللہ کی ذات ہر جگہ اور ہر چیز
مکان وقال بعضهم جزو	میں حلول کیے ہوئے ہے۔ اور بعض کہتے
منہ یحل فی کل مشا	ہیں کہ جن چیزوں کی وہ عبادت کرتے ہیں
وہم یعبدون۔ وکل	اور وہ چیزیں جو عام محسوسات میں داخل
ما یحس باعینہم	ہیں ان سب میں خدا کا ایک جزو حلول کیے
من الا نوار الاعمیان	ہوئے ہے۔ محسوسات کی چیزیں جیسے
والجبال والماء والابل	سورج چاند آگ اور ان کی روشنی پہاڑ
والبقر والغنم والنبات	اور ان کے چشمے، پانی، گائے بھیڑ بکری،
والرجل والمرأة وغیر	نباتات، عورت اور مرد وغیرہ۔ حلولیہ

اس فرقہ مانویہ کا بانی ابن فاتک ہے۔ جو تیسری صدی عیسوی کے آغاز میں ظاہر ہوا
تھا۔ شہرستانی کہتے ہیں کہ ابن فاتک نے اپنے مانوی مذہب کا تخیل مجوسیت اور
نصرانیت کے بین بین قائم کیا ہے۔ حکیم مانی کے عقیدے کی بنیاد یہ ہے کہ یہ جہان
دو اصولوں سے مرکب ہے ایک نور اور دوسرا ظلمت۔ اور یہ دونوں ازلی ہیں،
ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔

(الشہ۔ از عباس محمود عقاد۔ ص ۱۲۷)

ذٰلِكَ هَذَا هُوَ الْمَذْهَبُ
لِلْحَلُولِيَّةِ مِنَ الْحَلَالِيَّةِ
وَعِنْدَ الْغَالِيَّةِ مِنَ
الرُّوَاغِضِ وَهَذَا الْمَعْنَى
قَالُوا بَانَ عَلِيًّا كَانَتْ
الْهَاءُ۔

حلاجیہ جو منصور حلاج کا ایک مشہور
فرقہ ہے، حلول کے لحاظ سے اس کا
بھی ایسا ہی عقیدہ ہے جیسا کہ مانویہ
مجوسیہ کا۔ اسی طرح غالیہ شیعہ جو
حضرت علی کو الہ کہتے ہیں ان کا یہ
عقیدہ بھی مانویہ مجوسیہ سے ماخوذ ہے۔

(تمہید لابی الشکور، ص ۱۹۷)

علامہ ابوالشکور سالمی نظریہ حلولیت کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
ثم نقول بان الله تعالى
لو كان في كل مكان
يؤدي الى ان يكون في
افواه الكلاب الدواب
وفرج النساء وهذا كفر
قبيح۔

اگر ہر جگہ اور ہر چیز میں اللہ کا حلول مان
لیا جائے جیسا کہ حلولی فرقوں کا عقیدہ ہے
تو اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ہر حلال و
حرام جانور کے منہ اور پیٹ میں اللہ کا
حلول ماننا پڑے گا۔ حتیٰ کہ عورتوں کے پوشیدہ
مقام میں بھی حلول تصور کرنا پڑے گا۔ اور
یہ ایسا نظریہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی
قبیح کفر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

(تمہید لابی الشکور، ص ۱۳۸)

مے اس وجہ سے بعض محققین کے نزدیک روافض کا قدیم مذہب مجوسیت
سے ماخوذ ہے۔

مجوسیت میں حلول اور مظہر کا مفہوم

مجوسیت کے نزدیک کائنات کے اندر جتنے انوار پائے جاتے ہیں، ان سب کا سرچشمہ خدا کا نور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب سورج، چاند اور آگ وغیرہ کو پیدا کیا تو ہر روشن چیز میں خدا نے اپنا نور داخل کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ سورج سے جو دھوپ نکل رہی ہے یہ دھوپ نہیں ہے بلکہ خدا کا نور دھوپ کی صورت میں نظر آ رہا ہے۔ اسی طرح جب چاند روشن ہوتا ہے تو خدا کا نور چاند فی بن کر ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ ہر روشن چیز کی روشنی کو خدا کے نور پر محمول کر لیں۔ وہ کہتے ہیں خدا کی دوسری صفات کی طرح نور بھی خدا کی ایک صفت ہے۔ چونکہ اس صفت کا سورج کے ذریعے اظہار کیا جا رہا ہے اس لیے ہم سورج کو خدا کے نور کا مظہر کہیں گے۔ اس مثال سے آپ سمجھ جائیں گے کہ مظہر الہی کا کیا مفہوم ہے۔ یعنی جس چیز کے ذریعے خدا کی کسی صفت کا بھی اظہار کیا جائے گا اس چیز کو خدا کی اس صفت کا مظہر کہا جائے گا۔ اور جس مخلوق میں خدا کی تمام صفات کا ظہور ہوگا اسے ہم ذات الہی کا جامع مظہر کہیں گے، جیسے ذات نبویہ کو خدا کا مظہر اتم کہتے ہیں۔

۲۔ جب خدا کا نور دھوپ کی صورت میں سورج سے ظاہر ہو سکتا ہے اسی طرح خدا کی دوسری صفات بھی کسی نہ کسی صورت میں اشیاء کے وجود سے ظاہر ہو سکتی ہیں، اس لیے زرتشت نے اپنی کتاب زنداوستا میں کہ خالق یزداں ہر چیز میں جلوہ گر ہے۔ کھیتوں میں، آتشکدوں کی آگ میں،

ہو رہی ہیں، پانی میں غرضیکہ فائدہ پہنچانے والی ہر چیز میں خدا موجود ہے۔ موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں میں خدا کی کسی نہ کسی صفت کا اظہار ہو رہا ہے۔ اب ان چیزوں میں سے جس چیز کی بھی پرستش کی جائے گی اُس پرستش میں اس چیز کا وجود مقصود نہ ہوگا، بلکہ اس چیز کے وجود میں خدا کی جس صفت کا ظہور ہو رہا ہے حقیقت میں اس صفت الہی کی پرستش سمجھی جائے گی۔ ہنود کی بت پرستی بھی اسی نظریے پر موقوف ہے۔

یاد رہی یہ بات کہ ان چیزوں کے وجود میں خدا کی صفات کس طرح داخل ہو جاتی ہیں۔ مثلاً جب ایک چیز کسی دوسری چیز میں داخل ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو چیز داخل ہو رہی ہے وہ داخل ہونے والی چیز میں پہلے موجود نہ تھی، داخل ہونے کے بعد کہا جائے گا کہ اب وہ چیز اس وجود میں منتقل ہو گئی ہے۔ اسی طرح ہنود کا عقیدہ ہے کہ جب کوئی انسان مرجاتا ہے تو اس کی روح کسی دوسرے وجود میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس نظریے کو آواگون یا تناسخ کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک روح ایک ایسی چیز ہے کہ وہ تنہا مجرد ہو کر نہیں رہ سکتی، بلکہ اُسے اپنے رہنے کے لیے کسی نہ کسی بدن کی ضرورت رہتی ہے۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ خدا کی روح بھی ہر اطلاق سے پہلے مجرد تھی، اس نے چاہا کہ میں اپنے آپ کو ظاہر کروں اور جس طرح روح بدن کے بغیر تنہا نہیں رہ سکتی اسی طرح خدا کی ذات بھی منظرِ ہر کے بغیر اپنے آپ کو ظاہر نہ کر سکتی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ روح اپنے رہنے کے لیے جس طرح بدن کی محتاج ہے

اسی طرح خدا بھی اپنے ظہور کے لیے کائنات کا محتاج نظر آتا ہے۔ یہی وہ نظریہ منظر ہے جس کا ماخذ تناسخ کا فلسفہ ہے۔

۳۔ فرقہ مانویہ کے نزدیک خدا کی ذات یا خدا کا کچھ حصہ ہر چیز میں حلول کیے ہوئے ہے۔ اسی طرح حلولی حلّاجیہ اور غالبیہ و افضی کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ بھلا ایک محسوس چیز تو دوسری محسوس چیز میں حلول کر سکتی ہے لیکن جو غیر مرنی ہو وہ محسوس میں کیسے حلول کر سکتی ہے۔ اس کی صورت انہوں نے یہ سوچی کہ جن عوارض کی وجہ سے کوئی چیز محسوس ہونے لگتی ہے ذات باری پر بھی انہیں عوارض کا اطلاق کر دیا جائے۔ جیسے فرشتے کو اختیار ہے کہ وہ انسان کی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے، اسی طرح خدا بھی ہر ممکن پر قادر ہے جس صورت میں چاہے وہ اپنے آپ کو ظاہر کر سکتا ہے۔ حضرت مسیح کی ابنیت اور تمام حلولی فرقوں کی حلولیت کا ماخذ یہی ہے کہ خدا جس صورت میں چاہے اپنے آپ کو ظاہر کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر ڈبلیو بلز جو مسیحی نظریات کا متکلم ہے وہ لکھتا ہے:-

”خدا نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے لہذا وہ قادر مطلق ہے اس کے لیے کوئی چیز بھی ناممکن نہیں ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو ہم پر ظاہر کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے اگر ہم یہ کہیں کہ خدا ایسا نہیں کر سکتا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس کی قدرت کا انکار کرتے ہیں اور یہ انکار کفر کے برابر ہوگا۔“ (Can I know God, p. 12)

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا واقعی ہر ممکن پر قادر ہے لیکن خدا جب

اپنے آپ کو کسی صورت میں ظاہر کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ صورت
 حادث ہوگی اور ہر حادث تغیر پذیر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ صورت
 پھر ایک حد تک محدود نہ رہے گی بلکہ یہ صورت تغیر پذیری کی وجہ
 سے ہزاروں صورتوں میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ جس وجود پر اس قدر تغیرات
 کے احتمال پائے جاتے ہوں ایسے وجود کو خدا کا قدیم وجود کیسے کہہ سکتے
 ہیں۔ دوسرے یہ کہ خدا جب کسی حادث صورت میں ظاہر ہوگا تو اس
 سے ثابت ہوگا کہ خدا کا وجود بھی حادث کی صفت قبول کر سکتا ہے جس
 سے خدا کا قدیم ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی ذات
 پر جب حدوث کے عوارض کا اطلاق نہ کیا جائے اس کی ذات کسی چیز
 میں حلول نہیں کر سکتی۔ یہ بھی یاد رہے کہ حلول اور منظر کے نظریے میں
 کوئی فرق نہیں ہے۔ صرف الجھاؤ کی خاطر ان کی تعبیر میں اختلاف بیان
 کر دیتے ہیں۔

(۱) حلویہ کے نزدیک حلول کی تعریف یہ ہے کہ خدا تنزل کر کے
 کسی مخلوق کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر اس صورت سے جو
 آواز آتی ہے وہ کہتے ہیں یہ اس کی اپنی آواز نہیں ہے بلکہ اس کی آواز میں
 خدا بول رہا ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عرش
 پر گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو گفتگو کی تھی تو وہ گفتگو حضرت علی
 کے لہجے میں کی تھی۔ اور کاظمی صاحب اپنی کتاب معراج النبی میں لکھتے ہیں
 کہ یہ گفتگو حضرت ابوبکرؓ کے لہجے میں کی گئی تھی۔ اور صوفیہ حلویہ کہتے ہیں کہ

منصور نے جب انا الحق کہا تھا تو یہ کلمہ منصور نے نہیں کہا تھا بلکہ منصور کے
لہجے میں خود خدا بول رہا تھا۔ چشتیہ سلسلے کے بعض اکابر سے منقول ہے کہ
آخرت میں خدا جب تک میرے مرشد کی صورت میں ظاہر نہ ہوگا میں
ایسے خدا کی زیارت بھی نہ کروں گا۔ (بوادر اللہ وادرا)

نواب ^{ملا} وحید الزماں اپنی کتاب ہدیۃ الہدی میں اہل حدیث کا عقیدہ
بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

والظہوی سنی ای صومرۃ خدا جس صورت میں چاہے اپنے آپ کو
نشاء۔ (ہدیۃ الہدی ص ۱۱) ظاہر کر سکتا ہے۔

ان تمام نظریات کا ماخذ حلویت کا فلسفہ ہے۔ اور سچی حلویت کی
تشریح اگلے اوراق میں آرہی ہے۔

(۲) منظر اور منظر پرستی کی مختصر تعریف یہ ہے کہ کسی مخلوق سے جب
اس کی فطری خاصیت کا ظہور ہوتا ہے تو مظاہر پرست کہتے ہیں کہ یہ اس
کی ذاتی خاصیت نہیں ہے بلکہ اس کے وجود سے خدا کی ایک صفت کا ظہور
ہو رہا ہے، جیسے پھول سے خوشبو اور چاند سے روشنی کا ظاہر ہونا۔ حالانکہ
یہ ان کی اس فطری خاصیت کا ظہور ہے جو خالق فطرت نے ان کے وجود
میں تخلیق کے لحاظ سے ودیعت کر رکھی ہے۔ لیکن یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی فطری
خاصیت نہیں ہے بلکہ پھول کی خوشبو اور چاند کی روشنی میں خدا کی تجلیات کا
ظہور ہو رہا ہے۔

اور وحدۃ الوجود کی بنیاد بھی فلسفہ منظریت پر رکھی گئی ہے۔ ان کے

نزدیک جس وجود سے خدا کی ساری صفات کا ظہور ہوتا ہے وہ صرف ذات نبویہ کا وجود ہے۔ وجودیہ صوفیہ کہتے ہیں حقیقت محمدیہ حسن الوہیت کی تجلی الٰہی ہے۔

مجوسیت میں نبوت کا مفہوم

مجوسیت کے نظریات اتنے عالمگیر ہیں کہ دنیا کا کوئی مذہب بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے ضرر سے بچ نکلا ہو۔ امام اوزاعی تو اہل کتاب اور اسلام کے سوا دنیا کے باقی تمام مذاہب کو مجوسیت میں شمار کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے :-

کل دین بعد الاسلام
سوی الیہوئیۃ والنصرانیۃ
اقوام عالم میں اسلام، یہودیت اور
نصرانیت کے علاوہ جتنے مذاہب ہیں
سب کے سب مجوسیت میں شامل ہیں۔

فہم مجوس۔

دکتاب الاموال، ص ۵۴۵۔

حوالہ عرب ہند عند رسالت میں ص ۱۴۸

اور امام شہرستانی فرماتے ہیں :-

”مجوسیت دین اکبر اور ملت عظمیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ سابقہ

نبیوں میں سے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام مجوسیت کی عالمگیر

امت کی طرف مبعوث ہوئے تھے اسی طرح دوسرا کوئی نبی بھی اتنی

وسیع امت کے لیے مبعوث نہیں ہوا تھا۔“ (الملل والنحل، ص ۲۳۰ ج ۱)

اس کی وجہ یہ ہے کہ مجوسیت جس طرح اکثریت کی وجہ سے اکثر ممالک میں پھیلی ہوئی تھی اس طرح اس مذہب کے نظریات بھی ایسے خطرناک تھے کہ اس کے لیے ایسے اولی العزم پیغمبر کی ضرورت تھی جو اس پوری ملت کے مہلک نظریات کی اصلاح کر سکے۔ جس عہد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، اُس وقت بابلی اور عرب کی مجوسیت صابئہ کے نام سے مشہور تھی۔ یعنی ہر خطے میں مجوسیت مختلف ناموں کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی۔ اصولاً سب کے سب آگ اور کواکب کی پرستش کرتے تھے اور انہیں اپنے اوتاروں اور روحانیات کا منظر سمجھتے تھے۔ عہد ابراہیمؑ کی مجوسیت کے اہم نظریات میں سے ایک یہ نظریہ بھی تھا کہ وہ نبوت کے لیے بشری عوارض کی وجہ سے انسان کو نبی نہ مانتے تھے۔ علامہ شہرستانی لکھتے ہیں :-

فَالصَّابِئَةُ كَانَتْ تَقُولُ	عہد ابراہیمی کے صابئہ کہتے تھے ہمیں خدا
اَنَا نَحْتَاجُ فِي مَعْرِفَةِ اللَّهِ	کی معرفت اور اس کی عبادت کرنے کے
وَمَعْرِفَةِ طَاعَتِهِ إِلَى	طریقے معلوم کرنے کے لیے ایک واسطے کی
مَتَوَسِّطٍ لَكِنْ ذَلِكَ الْمَتَوَسِّطُ	ضرورت ہے۔ لیکن اس واسطے کا تعلق
يَجِبُ أَنْ يَكُونَ رُوحَانِيًّا	روحانیات سے ہونا چاہیے جنس بشر
وَلَا جَسْمَانِيًّا. وَذَلِكَ	سے نہ ہو، کیونکہ ارواح اپنی لطافت کی
لِزَكَاءِ الرُّوحَانِيَّاتِ وَ	وجہ سے زیادہ مز کی ہوتی ہیں اور ساتھ
قَرَبَاهَا مِنْ رَبِّ الْأَرْبَابِ	ہی اس لطافت کی وجہ سے رب الارباب

والجسمانی بشر مثلاً
یا کل مما ناکل
ولیشرب مما نشرب
۱۰ الملل والنحل
ص ۲ ج ۲

کے زیادہ قریب ہوتی ہیں، بخلاف
انسان کے کہ وہ ہر قسم کے عوارض
بشریہ کے ساتھ ملوث ہے جس طرح
ہم کھاتے پیتے ہیں وہ بھی ہماری طرح کھاتا
پیتا ہے۔ ان عوارض کی وجہ سے انسان پر
نبوت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

اس سے معلوم ہوا اس قوم کو خدا کی معرفت کے لیے واسطے کی توجہ نہ تھی، لیکن جس واسطے کے ذریعے وہ اس معرفت کو حاصل کرنا چاہتے تھے اس میں انہیں انبیاء کا جسمانی اور شرعی واسطہ منظور نہ تھا۔ اور ساتھ ہی انہوں نے اس کی ظاہری وجہ بھی بتلا دی تھی، کہ چونکہ نبی بشر ہوتے ہیں، وہ کھاتے پیتے ہیں اور بیمار ہوتے ہیں اس لیے ہم وہ واسطہ قبول کرینگے جو بشریت کے جملہ عوارض سے پاک ہو۔ مان کے عقائد میں ملائکہ کی روحانیت کا قدیم تصور موجود تھا اس لیے خدا کے تقرب کے لیے انہوں نے روحانیات کو اپنا واسطہ بنالیا۔ سوال یہ ہے کہ واسطہ بنانے کا جب مقصد بھی یہی ہے کہ اس کے ذریعے خدا کا تقرب حاصل کیا جائے تو اس کے لیے وہی واسطہ بہتر ہوگا جو خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو نہ کہ وہ واسطہ جس کا اپنے زعم کے مطابق انتخاب کیا جاتے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ خدا کے مقرر کردہ واسطوں کو قبول نہیں کرتے بلکہ اپنے زعم باطل کے مطابق روحانی وسائل اختراع کرتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن نبیوں کو خدا کی طرف سے مبعوث کیا جاتا ہے وہ سب کے سب جنس بشر سے ہوتے ہیں۔ دوسرے، ان کی بعثت کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے جو احکام ان پر نازل ہوتے ہیں وہ لوگوں تک پہنچا دیں۔ انبیاء کے اس مشن کو مقام نبوت کہتے ہیں۔ نبوت ایک ایسا مقام ہے کہ خدا کے نزدیک تقرب کے لحاظ سے اس سے بڑھ کر دوسرا کوئی مقام بھی اتنا ترفع حاصل نہیں کر سکتا۔

لیکن مشرکین کے نزدیک خدا کے تقرب کا یہ معیار ہے کہ خدا تعالیٰ جب کسی کو اپنا مقرب بناتے ہیں تو نیابت کے طور پر وہ مقرب الہی صفات کے ساتھ موصوف ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ جس قسم کا تصرف کرنا چاہے اسے اس تصرف میں کلی اختیار ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب کوئی نبی ان کے سامنے نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ اس کی بشری کمزوریوں کو دیکھ کر تعجب کے ساتھ جواب دیتے ہیں کہ اگر یہ نبی واقعی خدا کا مقرب ہوتا تو پھر اسے بھوک اور پیاس کیوں محسوس ہوتی ہے۔ دوسرے، وہ کہتے ہیں، اگر بشریت اور اس کے عوارض کے باوجود بھی تقرب کا مقام حاصل ہو سکتا ہے تو پھر وہ کون سی شق مانع ہے کہ ہم لوگ اس تقرب کے مقام کو حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لیے وہ بشریت پر نبوت کے اطلاق کو قبول نہیں کرتے بلکہ ملائکہ جیسی روحانی مخلوق پر نبوت کا اثبات پیش کرتے ہیں۔ یعنی مشرکین کے نزدیک نبوت کا مفہوم تکوینی تقرب کے مترادف ہے۔ اور خدا کے نزدیک مقام نبوت کے تمام لوازم تشریعی حدود میں

محدود ہوتے ہیں۔ انبیاء کی بشریت پر اعتراض کرنے والے نبوت کے اصل مقصد کو نہیں سمجھ سکے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ انبیاء کا تمام تر تعلق انسانوں کی اصلاح تک محدود ہے۔ نبوت پر بعض ایسے احکام بھی اترتے ہیں جن پر نبی خود بھی عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر نبی کو بشری جنس کے علاوہ کسی دوسری جنس سے بنایا جائے گا تو اس نبی کا وجود جب ایسے احکام قبول کرنے کی خود اہلیت بھی نہیں رکھتا تو امت کے سامنے اس عمل کو کس صورت میں پیش کر سکے گا۔ مثلاً ایک فرشتے کو نبی بنا دیا جاتا ہے۔ جب اس نبی پر روزے کا حکم نازل ہوگا کہ آپ روزہ رکھ کر امت کو بتلائیں کہ خدا کے حکم کے مطابق روزہ کیسے رکھا جاتا ہے اب بتلائیں یہ فرشتہ جو نبی بنا ہوا ہے روزے کے حکم کی کیسے تعمیل کر سکتا ہے جب کہ وہ بھوک اور پیاس کے عوارض سے بالکل پاک ہے۔ اسی طرح نکاح، طلاق، بیع و شراء وغیرہ ایسے احکام ہیں کہ فرشتہ کی ذات پر ان کا عملاً اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح اظہار حق کے نتیجے میں اس نبی کو جب اس کے مخالفین ایذا پہنچائیں گے تو فرشتہ نبی کو کس طرح ایذا پہنچا سکیں گے فرشتہ نبی نہ ایذا رسانی کی وجہ سے شہادت حاصل کر سکتا ہے اور نہ وہ کسی تکلیف کی وجہ سے ماجر ہو سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بشری جنس کے سوا کسی دوسری جنس پر نبوت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ نبوت اور بشریت کے درمیان ایسا لازمی ربط پایا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک کی تبدیلی اس کے دوسرے لازم کو دوسری جنس میں تبدیل کر دیتی ہے۔ مثلاً بشریت کے

علاوہ جب آپ مقام نبوت کو دوسری جنس پر ثابت کریں گے تو نبوت کو جس مفہوم کے ساتھ شریعت میں مختص کیا گیا ہے تو اس کا یہ اختصاص دوسرے مفہوم میں تبدیل ہو جائے گا یعنی جس نبوت کو جنس بشریت پر ثابت کیا جائے گا اسے ہم شرعی نبوت کہیں گے۔ اور جو نبوت کسی دوسری جنس پر ثابت کی جائے گی اس کو ہم شرعی نبوت نہیں کہہ سکتے، بلکہ اسے نبوت کی کسی دوسری جنس میں شامل کرنا پڑے گا۔ اور مشرکین بھی یہی چاہتے ہیں کہ ناک تو نبوت کا ہے لیکن اس کا مفہوم شرعی نہ ہے بلکہ خدا کی کسی تکوینی صفت کے مفہوم میں تبدیل ہو جائے۔

مجاہد اور روحانی توسط کا مفہوم

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ صابنہ خدا کے تقرب کے لیے روحانیات کا توسط اختیار کرتے ہیں اور انبیاء کا توسط وہ اس لیے قبول نہیں کرتے کہ وہ بشری عوارض کے ساتھ مقید ہوتے ہیں۔ اب ہم یہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ صابنہ کے نزدیک روحانی تقرب کا کیا مقصد ہے۔ علامہ شہرستانی لکھتے ہیں :-

ومذہب هؤلاء ان صابنہ قوم کا عقیدہ ہے کہ اس کائنات کا

اے جیسا کہ عہد حاضر کے بعض غالی فرقہ نبی کے مفہوم کو غیب داں، مختارِ کل کی اصطلاحوں میں استعمال کرتے ہیں۔ پھر ان سے ہر قسم کے تکوینی تصرفات اثبات کر لیتے ہیں۔

للعالم صانعاً فاطراً حكيماً
مقدساً عن سمات
الحدثان والواجب علينا
معرفة العجز عن
الوصول الى جلاله و
انما يتقرب اليه
بالمتوسطات المقربين
لديه وهم رُحانيون
جوهرًا وفعلاً وحالة
الملل والنحل
ص ۶ ج ۲
اور صفت حالت ۔

اس کے بعد علامہ شہرستانی ان صفات کی تشریح بیان کرتے ہیں :-

(۱) اما الجوهر فهم
المقدسون عن المواد
الجسمانية وفطر و اعلی
التقدیس والتسبیح
انما ارشدنا اليهم
معلمنا الاول عاذيمون
روحانی ملائکہ کو جوہر کہنے کا مطلب یہ
ہے کہ وہ بشری اور جسمانی عوارض سے
بالکل پاک ہیں وہ صرف تسبیح اور تقدیس
کے لیے مقرر ہیں ۔ عاذیمون اور ہمس
ہمارے اس عقیدے کے معلم اول ہیں
ہم ان روحانی الہوں کی طرف عاؤں کے

وہر مس فذحن نتقرب
 الیہم و نتوکل علیہم
 وہم اربابنا و
 الہتنا و شفعاؤنا
 عند اللہ و هو رب
 الارباب و الہہ
 الالہتہ رب کل
 شیء و ملیکہ فتنال
 حاجاتنا منہم و نعرض
 احوالنا علیہم فیشفعون
 لنا الی خالقنا و خالقہم
 و رازقنا و رازقہم۔

ذریعے تقرب حاصل کرتے ہیں۔ اور
 ان کے اختیارات پر پورا بھروسہ
 رکھتے ہیں۔ یہ ہمارے چھوٹے رب
 اور آلہ ہیں اللہ کی طرف ہماری سفارش
 کرتے ہیں وہ خدا ان سب خداؤں کا
 بڑا رب اور آلہ ہے اور ہر چیز کا پیدا
 کرنے والا رب اور مالک ہے۔ ہم
 اپنے چھوٹے خداؤں سے اپنی مرادیں
 طلب کرتے ہیں، اپنا ہر دکھ سکھ
 ان کے آگے پیش کرتے ہیں۔ پھر یہ
 چھوٹے خدا ہمارے حوائج کی اس بڑے
 رب کے آگے سفارش کرتے ہیں جو
 حقیقت میں ہمارا اور ہمارے ان خداؤں

کا خالق بھی ہے اور رازق بھی۔

صابہ کے اس عقیدے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ روحانیات
 (ملائکہ) کو اپنا وسیلہ بنا کر خدا کے نزدیک کون سا تقرب حاصل کرنا
 چاہتے ہیں۔ وہ عقیدہ اتنا تو تسلیم کرتے ہیں کہ اس ساری کائنات کا ایک
 خالق ہے۔ لیکن وہ ایسی بلند ہستی ہے کہ ہم اپنی حوائج کے لیے براہ راست
 اس کے آگے اپنی درخواستیں پیش نہیں کر سکتے اس لیے انہوں نے ملائکہ کو

اپنا سفارشی وسیلہ بنالیا۔ یہ سفارش کرنے والے چونکہ ان کی ہر بات خدا سے منوالیت ہے اس لیے وہ انہیں چھوٹے چھوٹے الگ کہتے ہیں۔ اور خدا سے ہر بات وہ منوا سکتا ہے جسے اس قسم کے اختیارات حاصل ہوں کہ جب بھی وہ سفارش کرنا چاہیں ان کی کسی بات کو ٹالنا نہ جاسکے۔ ایسے اختیارات کو وہ الوہی اختیارات کہتے ہیں جو انہیں خدا کی طرف سے عطا کیے گئے ہیں، اس وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے چھوٹے الگ اور رب ہیں اور وہ خدا ان سب کا رب الارب ہے۔ اب الوہی اختیارات کا اجمال بیان کیا جاتا ہے۔ علامہ شہرستانی لکھتے ہیں :-

(۲) واما الفعل فقالوا
الروحانیات هم الاسباب
المتوسطون في الاختراع
والایجاد وتصريف الامور
من حال الى حال
يستمدون القوة من
الحضرة القدسية و
يفيضون الفيض على
الموجودات السفلية۔
روحانیات کی صفت انفعالیہ کا مفہوم
یہ ہے کہ وہ خدا اور کائنات کے درمیان
ہر کوئی تصرف کے لیے وسائل کا کام
دیتے ہیں کائنات کی ہر چیز ان کے
ذریعے ایجاد اور اختراع کی جاتی ہے۔
کائنات کے اندر جب کوئی چیز ایک
حالت سے دوسری حالت میں تبدیل
ہوتی ہے تو حالات کی ہر تبدیلی ان کے
تصرف میں ہوتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے
کہ پہلے وہ ہر قسم اختیارات کا فیض خدا سے حاصل کر لیتے ہیں، پھر حسب
ضرورت کائنات کی ہر چیز میں وہ فیض تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ اس فیض کا

نام الوہی اختیارات ہے۔

(۳) روحانیات کی تیسری صفت کا نام حالت ہے۔ یعنی خدا کی تسبیح اور تقدیس ان کی روحانی غذا ہے۔ بعض قیام میں، بعض رکوع و سجود کی حالت میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ ہر فرشتہ جس قسم کی عبادت میں مصروف ہے وہ اپنی اس عبادت میں اتنی لذت اور سکون محسوس کرتا ہے کہ اس کے علاوہ وہ دوسری حالت کو پسند نہیں کرتا۔

روحانیات کے تصرف کے لیے انہیں سات ستاروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان ستاروں کو روحانیات کے سیکل کہتے ہیں۔ سیکل کی مثال ایسی ہے جیسے روح کے لیے بدن کی ضرورت ہوتی ہے۔ گویا شمس و قمر اور دوسرے کوکب ان روحانیات کے اجسام ہیں۔ کائنات کے جن عناصر میں یہ سیکل تصرف کرتے ہیں ان عناصر کو امہات کہتے ہیں۔ یہ روحانیات اپنے سیکلوں کے ذریعے ایک مخصوص طریقے سے ان عناصر اور طبائع میں تحریک پیدا کر دیتے ہیں جس کے نتائج میں ان عناصر میں امتزاج اور ترکیب کے ذریعے مختلف شکلیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تصرف کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے جس طرح بارش کے سارے نظام پر ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے، اسی طرح بارش کی تقسیم اور اس کے ہر قطرے پر بھی ایک تکوینی فرشتہ مقرر ہوتا ہے اور آسمانی نظام اور زمینی نظام کے لیے علیحدہ علیحدہ مدبر ہوتے ہیں۔

(الملل والنحل، ص ۶ ج ۲ تا ص ۸ ج ۲)

مجوسی نظریات کے ساتھ حقیقہ محمدیہ کی تطبیق

روحانیات کی صفات افعالیہ کا مفہوم آپ نے پڑھ لیا ہے، کہ یہ روحانی وسائط سے اپنے بڑے خدا سے الوہی اختیارات کیسے حاصل کرتے ہیں۔ پھر اپنے اس اختیار کے ذریعے دنیا کی چیزوں کو کس طرح پیدا کرتے ہیں، اور کس طرح انہیں روزی دیتے ہیں، مارتے ہیں، چلاتے ہیں۔ اور ان کی ہر ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔

اب ہم اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ ان روحانی وسائط کے ساتھ خدا کا کیا ربط ہے اور اس ربط کی کیفیت کیا ہے۔ صابنہ کامرکزی علاقہ حران ہے۔ اس فرقہ کے حرانی علماء اس ربط کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں جو تمام تر تناسخ اور حلول کے فلسفے سے مانوڈ ہے۔ علامہ شہرستانی لکھتے ہیں :-

قالوا ان الصانع المعبود	صابنہ کہتے ہیں کہ اس کائنات کا خالق
واحد و کثیر۔ امتا	ایک بھی ہے اور کثیر بھی۔ وہ ذات کے
واحد ففی الذات	حفاظ سے تو واحد ہے اور دیکھنے والے
وامتا کثیر فلا ند	کی نگاہ میں جو مختلف صورتیں نظر آ رہی
یتکثر بالاشخاص	ہیں، اس وجہ سے وہ کثیر ہے۔ جیسے
فی رای العین وہی	آسمان پر تدبیر کرنے والے سات ستارے
المدبرات السبع	علیحدہ علیحدہ صورتوں میں نظر آتے ہیں

فانہ تعالیٰ یظہر
بہا وی تشخیص
باشخاصہا ولا
تبطل وحدتہ فی
ذاتہ۔

وربما قالوا
انما تشخص بالہیاکل
السمایۃ کلہا
وہو احد وانما
یظہر فعلہ فی واحد
واحد بقدر اشارہ
فیہ و تشخیصہ بہ
فکان الہیاکل
السبعۃ اعضاءہا
السبعۃ وکان اعضاءہا
السبعۃ ہیاکلہ
السبعۃ فیہا یظہر
فینطق بلسانہا و
یبصر باعینہا و

اللہ تعالیٰ ان ستاروں کے ذریعے
اپنے افعال کو ظاہر کرتا ہے اور اپنے
آپ کو ان کی صورتوں میں مشخص کر
لیتا ہے اس طرح جو اس کی ذاتی وحدت
ہے یہ کثرت اسے باطل نہیں کر سکتی
اور بعض دفعہ صائبہ اپنے اس عقیدہ کو
اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ جتنے ہیاکل
سماوی موجود ہیں ان کی ہر صورت میں
خدا اپنے آپ کو مشخص کیے ہوئے
ہے، حالانکہ وہ ذات کے لحاظ سے
واحد ہے لیکن ان تشخصات کی وجہ سے
کثیر ہے۔ ان ہیاکل میں ظاہر ہونے
سے مراد یہ ہے کہ ہر ستارے کی استعداد
اور اس کے تشخص کے مطابق خدا اپنے
کسی نہ کسی فعل کو ان کے ذریعے ظاہر
کرتا ہے۔ گویا ان سات ہیاکل کو
سات اعضاء کے مانند تصور کریں جن
کے ذریعے اس کی صفات کا ظہور ہوتا
رہتا ہے۔ اسی طرح ہمارے سات اعضاء

یسع باذنا و بھی گویا اس خدا کے ساتھ ہیاکل ہیں

یسبط و یقبض وہ ہمارے ان اعضاء کے ذریعے اپنے

بایدینا ویجی افعال کو ظاہر کرتا رہتا ہے پس وہ ہماری

وینذب باسرجلنا زبان کے ساتھ بولتا ہے، ہماری آنکھوں

و یفعل بجوارحنا کے ساتھ دیکھتا ہے، ہمارے کانوں کے

ساتھ سنتا ہے، ہمارے ہاتھوں کے ساتھ تنگی اور فراخی کرتا

ہے اور ہمارے پاؤں کے ساتھ آتا جاتا ہے۔ غرضیکہ ہمارے

اندر جتنے جوارح موجود ہیں ان کے ذریعے خدا اپنے افعال کو ظاہر

کرتا رہتا ہے۔ (الملل والنحل۔ ص ۵۴ ج ۲، ۵۶ ج ۲)

تفہیم کی خاطر اس عبارت کو ہم ذرا سہل کر کے پیش کرتے ہیں حضرت

ابراہیم کی امت جسے مجوسی اور صابئہ کہتے ہیں ان کے نزدیک خدا کی تعریف

یہ ہے کہ ہمارا خدا ذات کے لحاظ سے تو واحد ہے لیکن صفات کی وجہ سے

کثیر ہے۔ یہ سات ستارے جو روحانیات کے سہیل کہلاتے ہیں، خدا کی

سات صفات کا مظہر ہیں۔ خدا ان ستاروں کے تشخص میں اپنے افعال کا

اظہار کرتا رہتا ہے۔ ان تشخصات کی کثرت خدا کی وحدت کو باطل نہیں کر سکتی۔

اور صابئہ کبھی اپنے اس نظریے کا اس طرح اظہار کرتے ہیں کہ آسمان پر جتنے

ستارے موجود ہیں وہ سب کے سب روحانیات کے سہیل ہیں، اور ہر

ستارے کی صورت خدا کے کسی نہ کسی فعل کی مظہر کہلاتی ہے۔ ہر ستارہ مظہر

کے لحاظ سے تو برابر ہے لیکن ہر ستارے کی استعداد چونکہ مختلف ہوتی ہے

اس لیے ان کے ذریعے خدا کے جن جن افعال کا ظہور ہوگا تو ان افعال کے تصرف میں تفاوت پایا جائے گا۔ ان ستاروں میں سات ستارے بڑے ہیں، یہ خدا کی سات صفات کا مظہر ہیں اور بقیہ تمام ستارے خدا کی دوسری صفات کا مظہر کہلاتے ہیں۔ ان سات ستاروں کو خدا کے سات اعضاء تصور کر لیں جیسے ہمارے اعضاء ہوتے ہیں۔ خدا جب دیکھتا ہے تو اُس ستارے کے ذریعے دیکھتا ہے جو خدا کی صفتِ بصر کا مظہر ہوتا ہے۔ اسی طرح جب سنتا ہے تو اُس ستارے کے ذریعے سنتا ہے جو خدا کی صفتِ سمع کا مظہر ہوتا ہے۔ گویا یہ ستارے خدا کے کان اور آنکھ کی مانند ہیں۔ اسی طرح بقیہ ستاروں کو بھی خدا کے اعضاء تصور کر کے الوہی صفات کا مظہر سمجھ لیں۔

ان کے نزدیک مظہر کی دوسری مثال یہ ہے کہ ہمارے سات اعضاء بھی گویا خدا کے سات ہیائل کی مانند ہیں۔ پس وہ ہماری زبان کو بولنے کے لیے اور ہماری آنکھوں کو دیکھنے کے لیے اور ہمارے کانوں کو اپنی سمع کے لیے اور ہمارے پاؤں کو اپنے چلنے پھرنے کے لیے استعمال کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح ہمارے وجود میں جتنے جوارح موجود ہیں ان میں سے کوئی جارح بھی ایسا نہیں ہے جس سے خدا اپنی کسی نہ کسی صفت کا اظہار نہ کرتا ہو۔ روحانیات جب اپنے آپ کو کسی صورت میں مشخص کر لیتے ہیں تو اس صورت کو ہیكل کہتے ہیں۔ مجوسیت کے نزدیک روحانیات خدا کی صفات ہیں اور سات ستارے خدا کی ان صفات کا مظہر ہیں۔ یہ

منظر چونکہ محسوس صورتوں میں نظر آتے ہیں اس لیے ان کو خدا کی صفات کا
ہیسا کل کہتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے اعضاء میں بھی چونکہ خدا کی صفت
سمع و بصر کا ظہور ہوتا ہے اس لیے ان اعضاء کو بھی خدا کا ہیسا کل کہہ دیتے
ہیں۔ محققین کہتے ہیں، ان مظاہر کو ہیسا کل کہنے کی یہ وجہ ہے کہ روحانیات
(ملائکہ) جو غیر مری مخلوق ہیں جب انہیں اپنی ہوائیج میں پکارتے تھے تو
جب تک کوئی صورت سامنے نہ ہو تو اس کو پکارنے میں دلجمعی نہیں ہوتی
انہوں نے دیکھا کہ آسمان پر سورج، چاند، ستارے نظام کائنات میں اہم
کردار ادا کرتے ہیں، اس لیے انہوں نے کہا کہ یہ روحانیات کی محسوس
صورتیں ہیں اس کے بعد انہوں نے سورج چاند وغیرہ کی پرستش شروع کر دی
جب انہوں نے دیکھا کہ یہ غروب کے وقت غائب ہو جاتے ہیں ہر وقت
ہمارے سامنے نہیں رہ سکتے، اور مصائب کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے
رات کو ایک ایسی مصیبت بھی آ سکتی ہے جسے شمس اکبر ہی دور کر
سکتا ہے۔ لیکن جب وہ رات کے وقت ہماری آنکھوں کے سامنے
موجود ہی نہیں ہے تو ہم اسے کیسے پکاریں گے۔ اس کا علاج انہوں نے
یہ سوچا کہ ان کی صورتوں پر کچھ مجسمے بنا لیے جائیں، جو ہر وقت ہمارے
سامنے رہیں گے۔ اس طرح جب ہمیں پکارنے کی ضرورت پڑے گی، ہم
ان اصنام کے سامنے بیٹھ کر اپنی درخواستیں پیش کر سکیں گے۔ چنانچہ حضرت
ابراہیم سے جب پوچھا گیا تھا کہ ہمارے ان معبودوں کو کس نے مارا ہے تو
آپ نے جواب دیا تھا کہ انہیں ان کے بڑے خدا نے مارا ہے۔ امام شہرستانی

لکھتے ہیں کہ یہ بڑا بت شمس اکبر کا مجسمہ تھا جس شمس کو آپ نے ہزار بی کہا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بت کو پتھر سمجھ کر نہیں پوجا جاتا، بلکہ اس لیے کہ وہ بت کسی نہ کسی مقدس ہستی کا روحانی مظہر ہوتا ہے۔

اب ہم اس اصل عبارت کی طرف عود کرتے ہیں۔ مجوسی صابئہ کا عقیدہ ہے کہ خدا تو واحد ہے لیکن وہ اپنے مظاہر کی وجہ سے کثیر ہے اور وحدۃ الوجود کا بھی یہی مفہوم ہے کہ وجود واحد ہے جو تعینات کی کثرت میں اپنے آپ کو ظاہر کر رہا ہے۔ مجوسیت کے نزدیک خدا کی کثرت صرف ستاروں کی تعداد تک محدود ہے اور نظریہ وحدۃ الوجود میں یہ کثرت تعینات کی لامحدودیت پر موقوف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی وحدت پر تو دونوں کا اتفاق ہے اگر اختلاف ہے تو مظاہر کی کثرت میں ہے۔ مجوسیت کے نزدیک یہ کثرت ستاروں کی تعداد پر موقوف ہے اور وجود یہ چونکہ کائنات کی ہر چیز کو خدا کا مظہر سمجھتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک ان مظاہر کی کوئی حد معین نہیں ہو سکتی۔ باقی خدا کی معرفت میں جس طرح مجوسیت نے اپنے عقیدے کی بنیاد نظریہ مظہریت پر رکھی ہے اسی طرح وحدۃ الوجود کی بنیاد بھی تعینات کی مظہریت پر رکھی گئی ہے۔ اہل حقانیت سے درخواست ہے کہ اگر آپ کو ان میں کچھ فرق محسوس ہوتا ہو تو علمی حقانیت کے ساتھ واضح کریں ہم آپ کے بہت ہی شکریہ گزار ہوں گے۔

کائنات کے تکوینی نظام کا پورا اختیار اس ہستی کو حاصل ہو سکتا ہے، جس ہستی کو کائنات پر ذاتی تقدم حاصل ہو۔ تاکہ وہ کائنات کی ہر چیز کے لیے

مصدر فیوض بن سکے۔

قاعدہ ہے کہ ہر علت کو اپنے معلول پر ذاتی تقدم حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ وہ علت اپنے معلول پر کیسے اثر انداز ہوگی۔ نظریہ وحدۃ الوجود میں کائنات کا مبدأ اول وہ ہے جسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں۔ کائنات کا مبدأ اول وہ بن سکتا ہے جس سے ساری کائنات کا صدور و رمانا جائے۔ اور صدر کے بعد کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے تصرف میں ہو۔ مولانا احمد رضا صاحب اس نظریے کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں :-

”تمام جہان اور اس کا مقام سب انہیں کے دم قدم سے ہے یہ جہان جس طرح ابتداء آفرینش میں اپنے ظہور کے لیے ان کا محتاج تھا کہ لولاک لما خلقت الافلاک (کی حدیث سے ثابت ہے) یوں ہی یہ جہان اپنی بقا میں بھی ان کا محتاج ہے آج اگر ان کا قدم درمیان ہو نکال لیں تو سارا جہان ابھی ابھی فنا کے مطلق ہو جائے۔“

(الامن والعلیٰ ص ۱۳۷)

وجودی علماء اور بریلویت کے اس نظریے کو حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں۔ اسی طرح صابنہ بھی روحانیات کو مبادیٰ الموجودات کہتے ہیں۔ علامہ شہرستانی نے حنفیہ کے ساتھ صابنہ کا ایک مناظرہ درج کیا ہے۔ جس میں صابنہ نے اپنے نظریات کی ترجیح میں جن دلائل کو بیان کیا ہے اس میں ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں :-

قالت الصابئة الروحانيات صابنہ کہتے ہیں یہ روحانیات

مبادئی الموجودات ساری کائنات کے مبادی ہیں اور
 والمبادئی اشرف ذاتاً مبادی وہ بن سکتے ہیں جو ذات
 واسنی وجود اوعلیٰ کے لحاظ سے اشرف اور وجود کے
 مرتبة ودرجۃ لحاظ سے بہت قیمتی اور درجہ اور
 من سائر الموجودات رتبہ کے لحاظ سے ساری کائنات پر
 التي حصلت بتوسطها فوقیت رکھتے ہوں، اس لیے کہ
 الملل والنحل ساری کائنات کا ظہور ان مبادیات
 ص ۳۰ ج ۱ کی وجہ سے ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عقیدے کے لحاظ سے جس بستی کو کائنات کا
 مبدأ اول بنایا جاتا ہے اُس کی اس اصالت کے ساتھ کائنات کی کوئی
 چیز بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مبادیات کے اس نظریے کو اصالت کا نظریہ
 کہتے ہیں۔ اور یہ وہی نظریہ ہے جس کے تحت عصر حاضر کے علماء ذات نبویہ
 کی افضلیت محضہ ثابت کر رہے ہیں۔ آپ شروع کتاب میں پڑھ چکے
 ہیں کہ اس نظریے کو سب سے پہلے اس امت میں جس نے عقیدہ کے
 طور پر پیش کیا ہے وہ ابن عربی ہے۔ ساتویں صدی کے بعد آپ جس عالم
 کی کتاب میں بھی یہ نظریہ لکھا ہوا دیکھیں گے وہ سب کے سب ابن عربی
 کے خوشہ چیں نظر آئیں گے۔ اب رہی یہ بات کہ یہ نظریہ اصالت جس کا
 دوسرا نام حقیقت محمدیہ ہے صابنہ کی مبادیات کے ساتھ کس طرح مطابقت
 رکھتا ہے؟ وہ یہ کہ ان کے نزدیک مبادیات کی تعداد سات روحانیات ہیں

اور ابن عززی کے نزدیک مبدأ اول ایک ہے۔ باقی اصالت کے لحاظ سے کائنات پر مبادیات کی جو افضلیت محضہ ثابت ہوتی ہے اس عقیدے میں ابن عززی اور صابنہ دونوں برابر معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کسی صاحب علم کو کچھ فرق محسوس ہوتا ہو تو ہمیں ضرور آگاہ کر دیں۔

بریلوی مسلک کے بنیادی اصول

جن اصولوں پر بریلوی مسلک کی بنیاد استوار کی گئی ہے وہ حقیقۃً محمدیہ کا نظریۂ اصالت ہے۔ نظریۂ وحدۃ الوجود میں حقیقۃً محمدیہ کا مفہوم یہ ہے کہ ذاتِ مطلق نے جب چاہا کہ میں اپنے آپ کو ظاہر کروں تو سب سے پہلے اس نے اپنے حسن الوہیت کا جمال محمدی میں مشاہدہ کیا۔ اس اجمالی مشاہدے کو حقیقۃً محمدیہ کہتے ہیں جس کا دوسرا نام تعین اول ہے۔ نظریۂ وحدۃ الوجود کے تمام مشائخ اور علماء اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ حقیقۃً محمدیہ مراتب الہیہ میں داخل ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھر خدا کے مرتبہ وحدت کو حقیقۃً محمدیہ سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کائنات کی ہر چیز کے ساتھ ذاتِ مطلق کی نسبت تو یکساں ہے لیکن ظہور کے لحاظ سے جو نسبت ذاتِ نبویہ کے ساتھ ہے باقی ساری کائنات اس نسبت کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے ذاتِ احدیت کا حقیقی مظہر تو حقیقۃً محمدیہ ہے اور باقی موجودات میں ظہور کے جتنے مراتب پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب حقیقۃً محمدیہ کے

مظاہر کہلاتے ہیں۔ اور حقیقت محمدیہ چونکہ مراتب الہیہ میں داخل ہے لہذا اس پر مخلوق کا اطلاق نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن جب مرتبہ وحدت کی تعبیر بھی ایسے عنوان سے کر دی گئی جس کا اطلاق ذات نبویہ پر بھی ہو سکتا ہے تو اس اشتباہ کی وجہ سے خدا اور ذات نبویہ کے درمیان ایسی عینیت ثابت ہو گئی کہ جس صفت کا اطلاق ذات مطلق کے لیے مختص تھا اس صفت کا اطلاق ذات نبویہ پر بھی ہونے لگا۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ اگر کوئی اس طرح بیان کرے کہ مراتب الہیہ میں سے ایک مرتبہ ایسا ہے جسے نبوۃ کہتے ہیں۔ اور اسی طرح مراتب محمدیہ میں بھی ایک ایسا مرتبہ پایا جاتا ہے جسے الوہیت کہتے ہیں۔ اور پھر ان دونوں مراتب کی اس طرح تشریح کرے کہ ہمارے نزدیک خدا کی اس نبوۃ سے مراد الوہیت ہے اور ذات نبویہ کے مرتبہ الوہیت سے مراد آپ کی بشریت ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس تاویل سے خدا کو نبوت کی جہت سے ایک درجے میں مخلوق کی صفت کے ساتھ موصوف ماننا پڑے گا اور نبی کو الوہیت کی جہت سے ایک درجے میں خدا ماننا پڑے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جب سے خدا کے مرتبہ وحدۃ پر حقیقت محمدیہ کا اطلاق کیا گیا ہے، مقام نبوۃ کی تعبیر کو اس قدر نقصان پہنچا ہے کہ ملت اسلامیہ کی اکثریت شرک میں گرفتار ہو گئی۔ ۱

۱۔ ہم نے شروع میں عرض کیا تھا کہ ہم پہلے نظریہ اصالت کے قدیم مبادیات پر گفتگو کریں گے پھر ان مسالک کی وضاحت کریں گے جو مقام نبوۃ کی تعبیر کو عجبی نظریات کے (باقی برص ۵)

جو مشائخ اور علماء ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود سے متاثر ہو چکے تھے انہوں نے حقیقۃ محمدیہ کی اصطلاح سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ذات نبویہ کے مدارج کو دو جہت میں تقسیم کر کے آپ کی ذات کو مجمع الجہتین بنا دیا۔ ایک جہت کو ذات الہی کا جامع مظہر بنا کر اس کے لیے تمام صفات الہیہ بطور نیابت ثابت کر کے اس کا نام حقیقۃ محمدیہ رکھ دیا اور دوسری جہت کو عنصری وجود کی وجہ سے بشری جہت کا نام دے دیا۔ علامہ جامی نقد النصوص میں لکھتے ہیں:-

ان حقیقتا المجدیتا فی صوۃ
 الاسم الجامع الالہی ہی تدرج
 حقیقۃ محمدیہ اسم الہی کی جامع صوت ہے
 وہی حقیقۃ محمدیہ تمام کائنات کی چیزوں کو
 صور العالم کلھا بالرب
 اپنے اس رب سے پال رہی ہے جو
 الظاہر فیہا لا بد من الاتصاف
 اس میں ظاہر ہے حقیقۃ محمدیہ کی بوبیت۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶) مطابق پیش کرتے ہیں، تو اس بحث کا ہم نے پہلے زبانی نظریات سے آغاز کر دیا۔ لیکن وہ بحث قدرے طویل ہو گئی۔ اسی طرح اگر ہم اس کے بعد دوسرے قدیم مبادیات پر قلم اٹھاتے تو وہ بحث سیکڑوں صفحات پر محیط ہو جاتی۔ اس لیے ہم بقیہ مباحث کو کسی دوسری کتاب میں بیان کریں گے۔ پہلے ہم عصر حاضر کے ان مسالک کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کا نظریہ نبوۃ عجمی نظریات سے ماخوذ ہے۔

بالصفات الالهية كلها
من العلم الشامل والقدرة
يتصرف في اعيان العالم على
حسب استعدادتها ولكن
انما هو جهة حقيقة لها حقيقة
محمدية) لا من بشرية لها -
(ابرار المكنون . ص ۱۱۰)

اس وقت متصور ہو سکتی ہے جب
تک وہ علم اور قدرت جیسی تمام صفات
الہیہ سے پوری طرح متصف ہوتا کہ
ان صفات کے ذریعے کائنات کی ہر
چیز کی ضرورت کو حسب استعداد
پورا کر سکے۔ یہ نبوت کا یہ کمال آپ کی
ذات کو حقیقتہ محمدیہ کی جہت سے حاصل
ہے لیکن جہت بشری کی وجہ سے
آپ کو یہ کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔

علامہ داؤد القسیری فصوص الحکم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :-
وهذه الحقيقة مشتملة على
الجهتين الالهية والعبودية
لا يصح لها ذلك اصالته بل
تبعية وهي الخلافة فلها
الاحياء والامامة وجميع
الصفات الالهية لتستصرف
في العالم وفي نفسها وبشرية لها
ايضالا فلها من

جب ذات نبویہ کی حقیقت اور عبودیت
دو جہت پر مشتمل ہے۔ الہیت کی
جہت سے جو آپ کو تکوینی تصرف
حاصل ہے یہ تصرف آپ کو بالاصالت
حاصل نہیں ہے بلکہ بالتبعیت حاصل
ہے اور اسے خلافت الہی کہتے ہیں۔
اس واسطے آپ کی حقیقتہ محمدیہ کو ماننے
جملانے اور دوسری تمام صفات الہیہ
حاصل ہیں تاکہ وہ اس کائنات کی ہر

چیز میں حتیٰ کہ اپنے وجود میں اور اپنی
بشریت میں تصرف کر سکے۔ یہ اس لیے
کہ آپؐ کا بشری وجود بھی اعیان عالم
میں داخل ہے۔ یعنی آپؐ کا عنصری
وجود بھی حقیقہ محمدیہ کی ربوبیت کا محتاج

(مقدمہ فصوص الحکم ص ۶۳) ہے۔

علامہ قیصری اور علامہ جامی کی عبارتوں کی تلخیص یہ ہے :-
ذات نبویہ کی حقیقت دو جہت پر مشتمل ہے۔ ایک جہت کا نام حقیقہ
محمدیہ ہے اور دوسری جہت کا نام بشریت ہے۔ حقیقہ محمدیہ اسم الہی
کی جامع صورت ہے۔ یعنی خدا کی ذات اور اس کی جمیع صفات کے اجمال کا
حقیقی منظر ہے۔ اس منظریت کی وجہ سے حقیقہ محمدیہ کائنات کی ہر چیز
کی ضروریات کو پورا کر رہی ہے۔ حتیٰ کہ آپؐ کا عنصری وجود بھی آپؐ کی
اس حقیقہ محمدیہ کی ربوبیت کا محتاج ہے۔ حقیقہ محمدیہ کی یہ ربوبیت
اس وقت تک متصور نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ تمام صفات الہیہ
کے ساتھ متصف نہ ہو۔ ربوبیت کا یہ کمال آپؐ کو بالا صالت حاصل
نہیں ہے بلکہ تعین اول کی وجہ سے بالتبعیت حاصل ہے جس کا دوسرا
نام خلافت الہیہ ہے۔ ایسے عقیدے کے حامل علماء کائنات میں تصرف
کرنے کے لیے جب آپؐ کو خلیفۃ اللہ الاعظم لکھتے ہیں تو اصل میں اس کا
مفہوم وہی خلافت الہیہ ہے جو ابن عربی کے نزدیک حقیقہ محمدیہ کہلاتی ہے

ابن حجر مکی الجوہر المنظم میں لکھتے ہیں :-

هو صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بڑے
 خلیفۃ اللہ الاعظم الذی خلیفہ ہیں، اللہ کے تمام خزانے اور
 جعل خزائن کریمہ مواعد اور اس کی نعمتیں حضور کے ہاتھوں
 نعمہ طوع ید یا ارادۃ اور حضور کے ارادے کے قبضے میں ہیں
 یعطی من یشاء وما یشاء - آپ جس کو جو چاہیں دے سکتے ہیں
 (سلطنت مصطفیٰ از مفتی احمد یار اس سے معلوم ہوا کہ تمام خزانہ خداوندی
 خان - ص ۳۴) حضور کے قبضے اور اختیار میں ہے۔

حالانکہ اس پہلی خلافت الہیہ سے وہ تعین اول مراد ہے جس کا اطلاق
 آپ کی ذات نبویہ پر نہ ہو سکتا تھا، لیکن ان محرفین علماء کا کمال دیکھیے کہ
 آپ کے غنصری وجود پر خلافت الہیہ کا اطلاق کر کے مسلمانوں کی اکثریت کو
 شرک میں گرفتار کر دیا۔

ابن عربی کے نزدیک خلافت بالتبعیت کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات
 کے اندر جتنی چیزیں موجود ہیں ہر چیز خدا کے کسی نہ کسی اسم کا منظر ہے۔
 اس چیز کے موجود ہونے کا سبب یہ ہے کہ جو چیز بھی جس اسم کا منظر
 کھلاتی ہے اس کا اسم اپنے منظر کی ہر وقت ربوبیت کر رہا ہے۔ اسی
 طرح خدا کے جتنے اسم ہیں وہ اپنے اپنے مظاہر خارجہ کی ربوبیت کر رہے
 ہیں۔ ان مظاہر خارجہ کے اسماء کی صورت علیہ کا اجمال چونکہ حقیقت محمدیہ میں
 موجود ہے اس لیے وجود یہ مشائخ اس حقیقت محمدیہ کو اصل الوجود کہتے ہیں۔

اصل الوجود کی یہ اصطلاح چونکہ وحدۃ الوجود کے تعین اول کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جس کا اطلاق ذاتِ نبویہ کے عنصری وجود پر نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن جو علماء نظریہ وحدۃ الوجود سے صرف متاثر ہی نہ تھے بلکہ ان کا یہ تاثر غلو میں داخل ہو چکا تھا انھوں نے گہری سازش کر کے اصل الوجود کی اصطلاح کو خصائص نبوۃ میں داخل کر کے عقیدے کے طور پر ملت اسلامیہ میں پھیلا دیا اس طرح ذاتِ نبویہ کی افضلیت محضہ جس کی بنیاد مقام نبوۃ پر رکھی گئی تھی، اصل الوجود کے نظریہ اصالت میں تبدیل ہو گئی۔ غالی علماء کی اس عظیم سازش کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا تعلق صرف امت کے افراد تک محدود نہ رہے بلکہ آپ کی نبوۃ کے تشریحی تعلق کو تکوینی تعلق میں تبدیل کر کے کائنات کے ذرے ذرے کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے۔ ان کے نزدیک نظریہ اصالت کا عام مفہوم یہ ہے کہ آپ کی ذات ساری کائنات کی اصل ہے یعنی مقصد کائنات ہے۔ کائنات کے اندر جتنی مخلوق موجود ہے وہ سب مخلوق آپ کی فرع میں داخل ہے۔ اب جو کمال بھی آپ کی کسی فرع میں

لے ہمیں توحید کے ان علماء پر سخت افسوس آتا ہے کہ غالی علماء کی اس گہری سازش سے وہ کیوں غافل رہ گئے۔ جس سازش کی ہم نشان دہی کر رہے ہیں اگر اس پر بروقت گرفت کر لی جاتی تو پاک و ہند میں ایسے نظریات آگے نہ بڑھ سکتے۔ اس تغافل کی اہم وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ نظریہ وحدۃ الوجود کے خمریات نے انھیں ایسا مست کر رکھا کہ انھیں حق تو حق ہر باطل میں بھی حسن الوہیت کی تجلیاں نظر آتی تھیں۔

داخل ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ کمال آپ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود ہوگا۔ دوسرا ہر فرع کا کمال ذاتی نہیں ہوتا بلکہ عطا غیر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر مخلوق آپ کی ذات سے فیض حاصل کر رہی ہے۔ فیض کے حصول سے دو نعمتیں مراد ہیں۔ ایک نعمت ایجاد اور دوسری نعمت امداد۔ نعمت ایجاد کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات کی جس چیز کو بھی وجود ملا ہے اس کے وجود کا باعث بھی آپ ہیں۔ اور نعمت امداد کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات اپنی ایجاد کے بعد جب تک باقی رہے گی اس کی ہر چیز کو تا ابد باقی رکھنے کے لیے آپ کی حقیقت محمدیہ تھامے ہوئے ہے۔ یعنی کائنات اپنے ظہور کے لیے جس طرح ذات نبویہ کی محتاج تھی اسی طرح ظہور کے بعد اپنی بقا کے لیے تا ابد آپ کی امداد کی محتاج ہے۔ اگر آپ کے وجود کو کائنات سے ایک سیکنڈ کے لیے بھی علیحدہ کر دیا جائے تو ساری کائنات آٹا فٹا فنا ہو کر رہ جائے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان شرح عثمانی سے لکھتے ہیں:-

نعمتان ما خلا موجود عنہما	کائنات کے اندر کوئی وجود ان دو
نعمتا الایجاد ونعمتا الہمداد	نعمتوں سے خالی نہیں ہے ایک نعمت
وہو صلی اللہ علیہ وسلم	ایجاد اور دوسری نعمت امداد ان دونوں
الواسطۃ فیہما اذ لو لا سبقت	نعمتوں میں حضور اقدس ہی واسطہ ہیں
وجودہ ما وجد موجود و	اگر آپ کی ذات پہلے موجود نہ ہوتی تو
لو لا وجود نورک فی ضمائر	کسی چیز کا وجود بھی ظاہر نہ ہوتا۔ کائنات
الکون لتهدمت دعائم الوجود	کے ذرے ذرے ہیں اگر حضور کا نور موجود

اصلاۃ الصفا فی نور المصطفیٰ نہ ہو تو کائنات کے تمام ستون آٹا فنا
ص ۲۴ گرجائیں۔

اور اپنی دوسری کتاب میں اس طرح لکھتے ہیں :-
تمام جہان اور اس کا قیام سب انھیں کے دم قدم سے ہے۔ عالم جس طرح
ابتدائے آفرینش میں ذات نبویہ کا محتاج تھا یوں ہی اپنی بقا میں بھی ان کا محتاج
ہے۔ آج اگر ان کا قدم درمیان سے نکال لیں تو تمام کائنات ابھی ابھی فنا
مطلق ہو جائے ۵

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

(الامن والعلیٰ۔ ص ۳۷)

اس نظریہ اصالت کے تحت بریلوی علمائے اپنے عقائد کو ان تین اصولوں
میں تقسیم کر رکھا ہے :-

۱۔ جو ہستی کائنات کے ذرے ذرے کو تا ابد باقی رکھے ہوئے ہے اُس کا
تصرف تب ہی متصور ہو سکتا ہے جب کہ اس ہستی کو کائنات کا مختار کل مانا
جائے۔

۲۔ وہ ہستی کائنات کے ذرے ذرے کا اس وقت ہی انتظام کر سکتی
ہے جب کہ اسے ہر چیز کا علم بھی حاصل ہو۔ اس عقیدے کا نام عالم ماکان و ما
یکون ہے۔

۳۔ ساری کائنات کا انتظام تب ہو سکتا ہے جب کہ وہ کائنات کے

ساتھ ہر وقت موجود بھی ہو۔ اس عقیدے کا نام حاضر و ناظر ہے۔ وہ کہتے ہیں ہمارے نزدیک حاضر و ناظر کا مفہوم یہی ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے میں حقیقت محمدیہ جاری و ساری ہے۔

اگر آپ تدبیر کے ساتھ بریلویت کے ان بنیادی عقائد پر غور کریں تو ان سب کی انتہا حقیقت محمدیہ کے ساحل پر آکر ختم ہو جاتی ہے۔ اگر بریلویت کے پورے فلسفے سے حقیقت محمدیہ کو ایک سیکنڈ کے لیے بھی علیحدہ کر دیں تو اس مسلک کا پورا ڈھانچہ ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائے۔ جس طرح ان کے نزدیک حقیقت محمدیہ روح الا کو ان ہے اسی طرح اس مسلک کی روح بھی حقیقت محمدیہ ہے۔ جب تک یہ روح باقی رہے گی بریلویت کا ایک ذرہ بھی دنیا کے وجود سے ختم نہیں ہو سکتا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ بریلویت کے نزدیک حقیقت محمدیہ کی کیا تعریف ہے اور وہ کس طرح اپنے نظریات کا اسے مدلول بناتے ہیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی جو بریلویت کے مشاہیر میں شمار ہوتے ہیں، وہ حقیقت محمدیہ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں :-

”ایک ہے شخص محمدی، دوسری ہے حقیقت محمدی۔ یہ شخص محمدی اُس جسم اطہر کا نام ہے جو آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ بی بی آمنہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور تمام نبیوں کے بعد اس دنیا میں جلوہ گر ہوا۔ جو اس دنیا میں اپنے تمام رشتوں سے منسلک ہے۔ بی بی آمنہ کا نور نظر ہونا حضرت عائشہؓ کا سرتاج ہونا۔ اپنی اولاد کا والد ہونا۔ ان تمام رشتوں کے

ساتھ جو آپ کی قرابت ہے یہ سب اسی بشری وجود کی صفات میں داخل ہیں۔

حقیقۃً محمدیہ شاخ صوفیہ کی اصطلاح میں ذات مطلق کے پہلے تعین کا نام ہے۔ بلا تشبیہ یوں سمجھیے کہ مصد کے پہلے تعین کا نام ماضی مطلق ہے، جو اپنے مصد سے پہلے نکلا ہے پھر باقی تمام مشتقات اس ماضی مطلق سے بنے۔ تو ماضی مطلق مصد کے پہلے تعین کا نام ہے۔ اسی طرح رب تعالیٰ تجلیات کا مصد ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی پہلی تجلی ہیں۔ اور باقی جتنی مخلوق ہے وہ پہلی تجلی کے بعد خدا کی دوسری تجلیات کی منظر ہے۔ وجود عنصری کی جہت سے آپ کے بارے میں قرآن میں اس طرح فرمایا گیا ہے :-

قل انما انابشر مثلكم آپ فرمادیں کہ میں تم جیسا بشر ہوں اور حقیقۃً محمدیہ کے بارے میں خود حضور علیہ السلام نے فرمایا :-
كنت نبياً و آدم بين الماء میں اس وقت نبی تھا جب کہ حضرت
والطین۔ آدم آب گل میں جلوہ گر تھے۔

یہ حقیقۃً محمدیہ نہ اولاد آدم میں داخل ہے نہ بشر ہے اور نہ مثلكم ہے اور نہ اسے کسی کا باپ، نہ کسی کی اولاد کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ یہ حقیقۃً محمدیہ ساری کائنات کی اصل ہے۔ ظاہر ہے کہ بشریت کی ابتداء حضرت آدم سے شروع ہوتی ہے اور حضور اس وقت سے نبی ہیں جب کہ حضرت آدم کا خمیر بھی تیار نہیں ہوا تھا۔ حضرت آدم سے قبل آپ کی جس حقیقت کو نبوت

ملی تھی، اگر ہم حقیقت کی اس حالت کو بشر مان لیں، بشریت کی ابتداء تو حضرت آدم سے ہوتی ہے پھر نہ حضرت آدم خود بشر رہتے ہیں اور نہ ابوالبشر بن سکتے ہیں۔

عقائد کی کتابوں میں اب جو نبی کی اس طرح تعریف کی جاتی ہے کہ سارے انبیاء انسان تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرعی احکام کی تبلیغ کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اس تعریف میں آپ کی بشری نبوت داخل ہو سکتی ہے لیکن آپ کی حقیقت محمدیہ اس تعریف میں داخل نہیں ہو سکتی کیونکہ حضور نبوت سے اس وقت موصوف ہیں جب بشریت اور انسانیت کا نام و نشان بھی نہیں تھا، کیونکہ حضرت آدم جو پہلے بشر اور انسان ہیں، ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ انسان کی بقا کے لیے اس کی ضرورت کی اشیاء بھی نہ بنی تھیں۔ اور حضور کی نبوت تو ملکین و مکان سے پہلے کی ہے۔ بادام کا پوست بھی بادام کے نام سے ہی پکارا جاتا ہے اسی طرح بادام کے مغز کو بھی بادام کہتے ہیں۔ لیکن بادام کے پوست اور اس کے مغز کے احکام علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اسی طرح حقیقت محمدیہ آپ کے بشری وجود میں جلوہ گر ہے۔

آپ کا نور ہونا، رب کی دلیل اور رہبان ہونا اسی حقیقت محمدیہ کی صفات ہیں (یعنی یہ صفات آپ کے بشری وجود پر عائد نہیں ہو سکتیں) حقیقت محمدیہ کی تشریح مثنوی میں کافی بسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اور مولوی اثر علی تھانوی نے بھی نشر الطیب میں حقیقت محمدیہ کو خوب اچھی طرح ثابت کیا ہے۔ تفسیر روح البیان میں هو الذی خلقکم من نفس واحدہ کے

تحت لکھا ہے کہ تمام روحیں روحِ محمدی سے پیدا ہوئیں، لہذا حضور ابوالا روح ہیں۔“ (رسالہ نور از مفتی احمد یار خاں نعیمی - ص ۷۷)

ذاتِ نبویہ کی حقیقتِ بشریت اور حقیقتِ محمدیہ کے فرق کو جس طرح مفتی نعیمی صاحب نے بیان کیا ہے ہمارے نزدیک اس سے زیادہ اسل ممکن نہیں ہے۔ خدا کرے کہ قارئین کے ذہن میں بھی اس فرق کا اچھی طرح ادراک ہو جائے، کیونکہ بعض قارئین کتاب کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح مانگا ہوا اخبار پڑھا جاتا ہے کہ بس موٹے موٹے عنوان دیکھ لیے اور محققِ خاں بن گئے۔ علم کے بعد حقائق کا ادراک نہ کرنا علم کی موت ہے۔ اب ہم مفتی نعیمی کی عبارت کو اسل سے اسل ترین کر کے سمجھانا چاہتے ہیں۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں :-

”ذاتِ نبویہ کی ایک ایسی جہت ہے جسے آپ کا عنصری وجود کہتے ہیں۔ یہ وجود بشری عوارض کی وجہ سے سارے اوصافِ بشریت کے ساتھ موصوف ہے۔ آپ کے ماں باپ ہیں، بیویاں ہیں، بال بچے ہیں۔ آپ اسی وجود کے ساتھ سارے انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے۔ آپ کے اس بشری وجود کے بارے میں قرآن میں کہا گیا ہے قل انما انا بشر مثلكم (آپ فرمادیں کہ میں تم جیسا بشر ہوں) مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ آپ سارے نبیوں کے بعد مبعوث ہوئے اور آپ کے بشری وجود کی جو تعریف کی ہے اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف کی مرکزی بنیاد آپ کی دوسری جہت ہے جسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں۔

اس کے متعلق مفتی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ آپ کی دوسری جہت جسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں مشائخِ صوفیہ کی اصطلاح میں ذاتِ مطلق کے پہلے تعین کا نام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدیہ کی اصطلاح نہ قرآن و حدیث میں ہے اور نہ سابقہ اسلاف کی تحریروں میں ان کا نشان پایا جاتا ہے بلکہ یہ وجودیہ مشائخ کی وضع کردہ ایک کشفی اور فلسفی اصطلاح ہے۔ باقی رہا یہ کہ صوفیہ کی جماعت تو وسیع ہے کیا اس سے امت کے سارے صوفیہ مراد ہیں۔ نہیں، بلکہ وہ صوفیاء مراد ہیں جو ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کے نہ صرف حامی تھے بلکہ داعی بھی تھے۔ دوسری بات یہ کہ ذاتِ مطلق کے تعینِ اول کا نام حقیقتِ محمدیہ کیوں رکھا گیا ہے۔ سب اربابِ خائف اچھی طرح جانتے ہیں کہ ذاتِ مطلق کے تعینِ اول کی بحث تو وحدۃ الوجود کے تنزلاتِ ستہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ بھلا اس کا مقام نبوت کے ساتھ کیا جوڑ تھا۔ معلوم ہوا کہ اس قسم کے غالی علماء اور وجودیہ صوفیاء حقیقتِ محمدیہ کے حسین عنوان کو سامنے رکھ کر اصل میں نظریہ وحدۃ الوجود کا الحاد پھیلانا چاہتے تھے۔ کوئی مفتی صاحب سے پوچھے کہ آپ کے سامنے کتنے اہل علم ہیں جو ابن عربی کی اصطلاح پر ذاتِ مطلق کا مفہوم سمجھتے ہیں۔ ذاتِ مطلق کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ پہلے اس سے ذاتِ صفات کے تمام اعتبارات اور نسبتیں ساقط کر دی جائیں۔ پھر ان صفات کو تنزلات کے ذریعے ثابت کر دیا جائے۔ تنزلات سے قبل وہ خدا کو لاتعین۔ مجہول النعت۔ الغیب المسکوت عنہ

لے تعلیمات غوثیہ و سربراہان از ذوقی شاہ۔

کہتے ہیں۔ پھر اس کی ذات صفات کو تعینات کے ذریعے ظاہر کر کے اسے کائنات کی وسعت میں پھیلا دیتے ہیں۔ دوسرے ابن عربی خدا کو ذات مطلق اس لیے کہتا ہے کہ خدا جب تک اپنی ذات مطلق کو تعینات میں مقید نہ کرتا تو خدا کے وجود میں کرب اور بے چینی اُسے کافی تکلیف دے رہی تھی۔ (فصوص الحکم ص ۱)

ابن عربی اس نظر سے کائنات کا خدا سے صدر ثابت کرتا ہے تخلیق ثابت نہیں کرتا۔ ابن عربی کہتا ہے کہ کائنات وہی ہے جو پہلے ایمانِ ثابت کی صورتِ علینہ میں موجود تھی اس سے خدا اور کائنات کی حقیقی عینیت اور اس کا قدیم ہونا ثابت ہوتا ہے۔

عینیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح کوئی صفت اپنے موصوف سے علیحدہ وجود نہیں رکھتی اسی طرح یہ ساری کائنات بھی خدا کی صفات ہیں۔ جس طرح صفت کے ساتھ موصوف کی عینیت ہوتی ہے اسی طرح خدا اور کائنات ایک دوسرے کا عین ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس عینیت کی وجہ سے کائنات کو قدیم ماننا پڑے گا۔ اس پر بعض ائمہ نے گرفت کر کے ابن عربی کی تکفیر کی ہے۔ ابن عربی کے ان سارے نتائج کا اُس

۱۔ قدیم کائنات اور عینیت کی وجہ سے جن اکابر نے ابن عربی کی تکفیر کی ہے ان میں سے بعض حضرات یہ ہیں علامہ سعد تفتازانی، ملا علی قاری، علامہ مقرئ شافعی اور امام ابن تیمیہ وغیرہ۔

وقت استخراج ہو سکتا ہے جب کہ خدا کی ذات کو ذاتِ مطلق مانا جائے۔
 ان نتائج سے آپ اندازہ لگائیں کہ ان میں سے وہ کون سا نتیجہ ہے جس کی
 لہریں بحرِ کفر کے ساحل تک مُختتم نہ ہوتی ہوں۔ ابن عربی کے اس قول میں
 کتنا کفر پوشیدہ ہے کہ خدا اگر کائنات کو ظاہر نہ کرتا تو اس کا عدم اظہار
 خدا کے لیے کرب و اضطراب کا باعث بن رہا تھا اور جب کائنات ظاہر
 ہو گئی تو خدا کو اس اضطراب سے نجات مل گئی۔ وجودیہ صوفیہ کے نزدیک
 اس کا نام تخلیقِ حُبّی ہے جس کے استدلال میں وجودیہ صوفیہ یہ موضوعِ حدیث
 پیش کرتے ہیں :-

كنت كنزا مخفيا فاجبت میں پہلے چھپا ہوا خزانہ تھا، پس میں
 ان اعرف فخلقت الخلق نے خواہش کی کہ میں پہچانا جاؤں تو اپنی
 پہچان کے لیے ساری کائنات کو پیدا کیا۔

تخلیقِ حُبّی کا قدیم ماخذ ہنود کے وید ہیں، ان میں لکھا ہوا ہے کہ خدا
 خواہشات کا مجموعہ ہے اور یہ کائنات خدا کی ایک اندوئی ابھرتی ہوئی
 خواہش کا نام ہے۔ استیارتھ پرکاش از سوامی دیانند۔

اب آخر میں ہم مفتی صاحب کے اس جملے کی تشریح کرتے ہیں جس
 میں کہا گیا ہے کہ حقیقتِ محمدیہ ذاتِ مطلق کے تعینِ اول کا نام ہے۔ ہم پہلے
 عرض کر چکے ہیں کہ ساری بحث وحدۃ الوجود کے تنزلاتِ ستّہ سے تعلق
 رکھتی ہے۔ مرتبہِ احدیت کے بعد جو پہلا تنزل ہوا کہ اس کا نام مرتبہ وحدۃ
 ہے اس تعینِ اول میں ذات و صفات کا اجمال ہے۔ اس مرتبہ وحدت کو

حقیقتِ محمدیہ بھی کہتے ہیں۔ مشائخ وجودیہ کے نزدیک متفقہ مسئلہ ہے کہ مرتبہ وحدت جس کا دوسرا نام حقیقتِ محمدیہ ہے اس مرتبے پر مخلوق کا اطلاق اس لیے نہیں ہو سکتا کہ یہ مرتبہ مراتب الہیہ میں داخل ہے۔

اب بریلوی اکابرین کی تحریف کا حال دیکھیے جب یہ لوگ خود اعتراف کر رہے ہیں کہ :-

۱۔ حقیقتِ محمدیہ جب ذاتِ مطلق کے پہلے تعین کا نام ہے جس پر مخلوق کا قطعاً اطلاق نہیں ہو سکتا تو اب اس بارے میں آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ جس وجود کے ساتھ آپ حضرت آدم سے قبل نبی کہلاتے تھے، اس سے حقیقتِ محمدیہ مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وجود سے آپ کا بشری وجود تو نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ اس وجود سے مراد آپ کی روح ہو سکتی ہے اور سب جانتے ہیں کہ اس روح سے مراد مخلوق روح ہے نہ کہ غیر مخلوق روح۔ اب آپ بتلائیں خدا کا مرتبہ وحدت جس کا دوسرا نام تعینِ اول ہے اس پر روح نبوی کا کیسے اطلاق ہو سکتا ہے اور روح نبوی بھی وہی جو قبل آدم نبوت سے سرفراز تھی۔ اس کا مطلب پھر یوں ہوا کہ خدا جب مرتبہ احدیت میں تھا تو وہ خدا تھا، اور جب مرتبہ وحدت کی طرف نزول کیا تو پھر روح نبوی میں متشکل ہو کر ظاہر ہو گیا۔ اگر کوئی کہے کہ ایسا عقیدہ تو کوئی نہیں رکھتا، لیکن جب مفتی نعیمی صاحب کذتِ نبیاء کی حدیث پر حقیقتِ محمدیہ کا اطلاق کر رہے ہیں تو اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔

ہم نے بریلوی مسلک کے ایک بنیادی راز کو اچھی طرح عیاں کر دیا ہے۔

جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ذات نبویہ کی حقیقت محمدیہ کو ہم حاضر و ناظر، عالم ما کان و مایکون اور مختار کل مانتے ہیں تو ان کے نزدیک حقیقت محمدیہ کا وہی مفہوم ہوتا ہے جو ابن عربی کے نزدیک تعین اول کا مفہوم ہوتا ہے۔ ہمارے نصابی علماء چونکہ حقیقت محمدیہ کے فلسفے سے اتنے واقف نہیں ہوتے وہ صرف ذات نبویہ کی دوسری جہت کو جس کا نام بشریت ہے سامنے رکھ کر ایسے عقائد کی تردید کرتے رہتے ہیں۔ نتیجہ وہی نکلتا ہے جیسے ایک مشہور مثال ہے فر من المطر سکن تحت المیزاب (بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا)

اب ہم بریلوی مسلک کی ان مستند عبارتوں کو پیش کرتے ہیں جن میں ان کے بنیادی عقائد کی تصریح کی گئی ہے اور ساتھ ہی اس بات کی بھی نشان دہی کرتے جائیں گے کہ ان سب کا محور حقیقت محمدیہ کا نظریہ جو سب سے زیادہ شواہد ہم علامہ کاظمی کی عبارتوں سے پیش کر رہے ہیں۔ یہ اس لیے کہ بریلوی فلسفے کو جس طرح علامہ کاظمی صاحب نے نکھار کر پیش کیا ہے ہمارے نزدیک پورے براعظم ایشیا میں ایسا کوئی بھی عالم موجود نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں نظریہ وحدۃ الوجود اور حقیقت محمدیہ کے فلسفے پر پورا عبور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی بعض تحریروں کے مفہوم کو اس کے ہم مسلک علماء بھی نہیں سمجھ سکتے چہ جائے کہ اس کے مخالف علماء۔ ہم ایسے علماء کو کَمِ یَبُوجُھُو کے عنوان سے یاد کرتے ہیں۔

بریلویت کے عقائد میں حقیقت محمدیہ کے ثمرات

آپ سابقہ اوراق میں تفصیل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں کہ بریلوی عقائد کا بنیادی محور حقیقت محمدیہ کے فلسفے پر موقوف ہے۔ اب ہم اس مسلک کے چند بنیادی نظریات بیان کرتے ہیں۔ اگر آپ ان پر اچھی طرح تدبیر کریں تو آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ ان کے ہر نظریے کا ثمر یہ حقیقت محمدیہ کے ساحل پر آکر مختتم ہو جاتا ہے۔

عبارتوں کے نقل کرنے میں تالیفی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ جو کچھ بھی اس وقت ہمارے ذہن میں مستحضر ہے اس سے قارئین کو آگاہ کر دیا جائے۔

بریلوی مسلک کے بنیادی اصول

جن اصولوں پر بریلوی مسلک کی بنیاد تعمیر کی گئی ہے ان کا مختصر اجمال

یہ ہے:-

۱۔ ان کے نزدیک مقام نبوت کی عظمت اور توصیف کے لیے ایک خاص معیار مقرر کیا گیا ہے۔ اگر مقام نبوت کو بشریت اور بشری نبوت کے دائرے میں محدود رکھا جائے تو اس معیار کے مطابق مقام نبوت کی یہ مخصوص توصیف بیان نہیں ہو سکتی اس لیے انہوں نے ایک فلسفے کے تحت ذات نبویہ کو مجمع البہتین بنا کر اس کی دوسری جہت سے حقیقت محمدیہ کہتے ہیں اپنے مزعومہ نظریات کا آسانی کے ساتھ استخراج کر لیا ہے۔

۲۔ ان کے نزدیک مقدس ہستیوں کا تصرف فی الکون اور علم غیب اس لیے شرک میں داخل نہیں ہو سکتا کہ ان کا یہ تصرف اور علم غیب باذن اللہ کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔ اللہ کی طرف سے یہ اختیارات انہیں کس طرح باذن اللہ سپرد ہوتے ہیں اس کے لیے انہوں نے منظر کا فلسفہ اختراع کیا ہے۔ یہ دوسرا اصول ایک وجہ سے پہلے اصول کی فرع بھی ہو سکتی ہے اور دوسری وجہ سے ایک علیحدہ اصول بھی لیکن مجموعی صورت میں یہ دونوں اصول حقیقت محمدیہ میں مجتمع ہو جائے

ہیں۔ یہ حقیقت محمدیہ وہی ہے جو ابن عربی کے فلسفہ وحدۃ الوجود میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بریلوی مسلک کے نظریات کا مرکزی ماخذ وحدۃ الوجود کا فلسفہ ہے یہ

۱۔ جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی وحدۃ الوجود کی اس طرح تصریح کرتے ہیں اما ان الوجود واحد والموجود واحد في مرتبة الجسم و لكل ظلاله، وعكسها في مرتبة الفرق فلا موجج الا هو في مرتبة الحقيقة الذاتية اذ لا حظ له لغيره في حد ذاته من الوجود اصلاً (صلاة الصفا في نور المصطفى ص ۲۸) علامہ کاظمی فرماتے ہیں: وحدۃ الوجود حسب تقرير محققين حق ہے شریعت حقہ کے کسی اصل کے منافی نہیں جس طور پر یہ مسئلہ اکابر اسلام پر مکشوف ہوا ہے اور علماء متشرعین نے حتی الامکان بیان کیا ہے بحفظ حدود شرعی اس پر اعتقاد رکھنا باعث تکمیل ایمان اور اس کا انکار خسران و حرمان ہے (عبادت واستغانت ص ۱۷) نیز جناب احمد رضا خاں بریلوی کی کتاب التلطف بجواب مسائل التصوف اور کشف حقائق و اسرار ذقائق میں مسئلہ وحدۃ الوجود کی پوری تشریح موجود ہے۔

۲۔ ایک شعر جس میں محمد یار گڑھی نے ثابت کیا ہے کہ ذات نبویہ کو خدا مان لینا عین اسلام ہے۔ علامہ کاظمی اس شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مولانا محمد یار کا وہ شعر جو تم نے لکھا ہے اور اس جیسی (باقی بر صفحہ آئندہ)

اب ہم پورے حرم و احتیاط کے ساتھ ان حضرات کی مستند
عبارتیں نقل کرتے ہیں۔ اس مسلک کے حاملین علماء سے ہم التماس
کرتے ہیں کہ آپ کے نزدیک اگر کسی عبارت کی تفہیم میں ہم صحیح
ترجمانی نہیں کر سکے تو آپ حضرات کا حق ہے کہ واضح دلائل کے ساتھ
ہمیں آگاہ کر دیں ہم آپ کے بے حد ممنون ہونگے۔

مجمع البین کا مفہوم اور حقیقت محمدیہ

نبوت کا تعلق امت کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے جب کسی نبی کا
انتخاب کیا جاتا ہے تو اس امت کے افراد ہی سے کیا جاتا ہے تاکہ وہ
نبی اپنی امت کے سامنے شرعی احکام کی اچھی طرح وضاحت کر سکے۔
اگر وہ نبی امت کی جنس بشری سے نہ ہو تو جب نبی کی جنس بشری
تبدیل ہو گئی تو شرعی نبوت کی صورت بھی تبدیل ہو جائے گی اس کا
لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ امت کے ساتھ جو نبی کا شرعی تعلق ہے اس تعلق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دوسری عبارات جو مسلم بین الفرقین کی کتابوں میں
بکثرت پائی جاتی ہیں مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہیں (مقدمہ دیوان محمدی)۔
اس سے معلوم ہوا کہ بریلوی مسلک کے بنیادی اصول وحدۃ الوجود کے
نظریے سے مانور ہیں۔

کی نوعیت بھی تبدیل ہو جائے گی۔ وجودیہ نظریات کے حاملین چاہتے تھے کہ کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ امت کے ساتھ نبوت کا شرعی تعلق بھی ظاہر ہوتا رہے اور ساتھ ہی نبوت کے شرعی مقام کو بھی کسی طرح تکوینی تعلق میں تبدیل کیا جاسکے۔ اس لیے انہوں نے مقام نبوت کو دو جہتوں میں تقسیم کر دیا۔

۱۔ جہت من حیث الالہیۃ۔

۲۔ جہت من حیث العبودیۃ۔

ان دو جہتوں کے مجموعے کی وجہ سے یہ لوگ ذات نبویہ کو مجمع الٰہتین کہتے ہیں۔ جہت من حیث العبودیۃ سے آپ کی بشریت اور شرعی نبوت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور جہت من حیث الالہیۃ جس کا دوسرا نام حقیقت محمدیہ ہے اس حقیقت سے تصرف فی الکون کا اظہار ہوتا ہے۔

علامہ داود القیصری شارح فصوص الحکم مقدمۃ الفصوص میں لکھتے ہیں :-

”هذه الحقيقة مشتملة على الجہتين الالہیۃ والعبودیۃ
لا یصح لہا ذلک اصالة بل تبیعة وهی للخلافة
فلہا الاحیاء والاماتۃ وجميع الصفات لتتصرف فی

۱۔ اس نظریے کے حاملین اس وجہ سے آپ کو خلیفۃ اللہ الاعظم بھی کہتے ہیں۔

العالم وفي نفسها وبشريتها ايضا لانها منہ۔“

(مقدمۃ الفصوص^{۶۳})

(ترجمہ) ذاتِ نبویہ کی حقیقت دو جہت پر مشتمل ہے۔ ایک جہت کا نام الہیت ہے اور دوسری جہت کا نام عبودیت ہے۔ حقیقتِ محمدیہ کا یہ تصرف انہیں بالاصالۃ حاصل نہیں ہو بلکہ بالتبعیۃ حاصل ہے اس لیے حقیقتِ محمدیہ کو مارنے چلانے کی صفت کے علاوہ ربوبیت کی تمام صفات حاصل ہیں تاکہ وہ تمام عالم میں ہر قسم کا تصرف کر سکے حتیٰ کہ اسے اپنے وجود اور اپنی بشریت میں بھی تصرف کرنے کا اختیار ہے اس لیے کہ آپ کا بشری وجود بھی حقیقتِ محمدیہ سے مانوڈ ہے۔“

علامہ داؤد قیصری نے اسے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ میں اس کو صرف ایک مختصر اقتباس نقل کیا ہے تاکہ مجمع البہتین کی دونوں جہتوں کی تعیین ہو جائے۔ حقیقتِ محمدیہ کے تصرف فی الکون کا آسان مفہوم یہ ہے

”کائنات جس طرح اپنے ظہور و ایجاد کے لیے حقیقتِ

محمدیہ کی محتاج تھی اسی طرح کائنات کا ذرہ ذرہ ظہور کے بعد بھی اپنی بقاء و امداد کے لیے تاابد حقیقتِ محمدیہ کے تصرف کا

محتاج ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدیہ کی وجہ سے کائنات میں جس طرح خدا کا ”تکوینی تصرف“ منقطع ہو جاتا ہے اسی طرح آپ کی نبوت کا تشریعی

تعلق بھی اس امت کے ساتھ بے حد کمزور ہو گیا ہے۔ اب ہم مولانا احمد رضا بریلوی کی تحریر سے حقیقتِ محمدیہ کی تشریح پیش کرتے ہیں تاکہ مسلکِ بریلوی کی جس فلسفہ پر بنیاد رکھی گئی ہے اس سے آپ اچھی طرح متعارف ہو سکیں۔ مولانا بریلوی اپنی کتاب صلاۃ الصفا فی نور المصطفیٰ میں لکھتے ہیں :-

”مواہب اللدنیہ میں ہے۔ لما تعلق اسرادة الحق تعالیٰ بايجاد خلقه ابرز الحقيقة المحمدية من الانوار الصمدية في الحضرة الاحمدية ثم سلخ منها العوالم كلها علوها وسفلها۔

”اللہ تعالیٰ نے جب مخلوقات کو پیدا کرنا چاہا صمدی انوار سے مرتبہِ احدیت میں حقیقتِ محمدیہ کو ظاہر فرمایا پھر اس سے تمام عالمِ علوی و سفلی نکالے۔“
اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

۱۔ مولانا بریلوی زہرِ قافی کے حوالے سے لکھتے ہیں :- یعنی مرتبہِ احدیت ذاتِ کا پہلا تعین اور پہلا مرتبہ ہے جس میں غیر ذات کا اصلاً لحاظ نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کچھ بھی نہ تھا۔

(صلاۃ الصفا ص ۱۲)

” جس طرح مرتبہ وجود میں ایک ذاتِ حق ہے باقی سب اسی کے پر تو وجود سے موجود۔ یوں ہی مرتبہ ایجاد میں صرف ایک ذاتِ مصطفیٰ ہے باقی سب پر اس کے عکس کا فیض وجود۔ مرتبہ کون میں نورِ احدی آفتاب ہے اور تمام عالم اس کے آئینے اور مرتبہ تکوین میں نورِ احدی آفتاب ہے اور سارا جہان اس کے آئینے۔“ (صلوة الصفات ص ۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ابن عربی جسے تعینِ اول کہتا ہے حقیقتِ محمدیہ بھی اسی کا نام ہے اور یہی حقیقتِ محمدیہ ہے جس سے تمام کائنات کا صدور و رہور ہا ہے۔ مولانا احمد رضا بریلوی اب اسے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں :-

” بخلاف نورِ محمدی کہ عالم جس طرح اپنی ابتداء وجود میں اس کا محتاج تھا کہ وہ نہ ہوتا تو کچھ نہ بنتا یوں ہی ہر شے اپنی بقا میں اس کی دست نگر ہے آج اس کا قدم در میان سے

لے اس جملے میں وجدة الوجود کی تشریح ہے۔ اس کی تلخیص یہ ہے وجود واحد۔ موجود واحد۔ باقی جو کچھ ہے سب اس کے وجود کے مجالی و مرایا و مظاہر اور اس کے ظلال ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود اور ہستی سے حظ نہیں رکھتے کل شئی ہالک الا وجہ۔
(تجانب اہل السنۃ ص ۴۲)

نکال لیں تو تمام جہان فنائے محض ہو جائے۔ نیز جس طرح ابتداء
وجود میں تمام جہان اس سے مستفیض ہوا بعد وجود بھی ہر آن
اسی کی مدد سے بہرہ یاب ہے۔ غرضیکہ ہر ایک ایجاد و امداد
ابتداء و بقا میں ہر حال ہر آن ان کا دستِ نگر اور ان کا محتاج
ہے۔ مطالع المسرات میں ہے "اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم
محی للحیاء جمیع الکون بہا فہو روح و حیاتہ و سبب
وجودہ و بقاۃ" حضور اقدس کا نام پاک محی زندہ فرمانے والے
ہے۔ اس لیے سارے جہان کی زندگی حضور سے وابستہ ہے
تو حضور تمام عالم کی جان اور اس کے وجود و بقا کے سبب ہیں۔
مطالع المسرات کے دوسرے مقام پر ہے "ہو صلی اللہ علیہ
وسلم روح الاکوان و حیاتہا و سر وجودہا و لولہ لذہبت
و تلاشت" حضور اقدس تمام عالم کی جان و حیات ہیں۔ اور
ان کے وجود کا اصلی سبب بھی آپ ہیں۔ حضور نہ ہوں تو
یہ سارا جہان نیست و نابود ہو جائے۔ امام ابن حجر مکی افضل
القرنی میں فرماتے ہیں:- "لأنہ مدد لہم اذہو الواسط
لحضرة الالہیۃ و المستند منها بلا واسطۃ دون غیرہ
فانہ لا یستند منها الا بواسطۃ فلا یصل لکامل منها
شیء الا ہو من بعض مدادہ و علی ید یدہ" تمام جہان کی
امداد کرنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے کہ آپ بارگاہ

الہی کے وارث ہیں۔ خدا تعالیٰ سے بلا واسطہ حضور ہی پڑھتے ہیں اور تمام عالم حضور کی وساطت سے مدد الہی لیتا ہے۔ جس کامل کو جو بھی کمال ملا وہ حضور کی مدد اور حضور کے ہاتھوں سے ملا۔ شرح سید عثمانوسی میں ہے ”نعمتان ما خلا موجود عنہما نعمۃ الایجاد و نعمۃ الامداد و هو صلی اللہ علیہ وسلم الواسطۃ فیہا اذ لو لا سبقت وجودہ ما وجد موجود و لو لا وجودہ نورہ فی ضمائر الکیون لکان متدعائم الوجود“ (ترجمہ) کائنات کے اندر کوئی وجود ان دونوں نعمتوں سے خالی نہیں۔ ایک نعمت ایجاد اور دوسری نعمت امداد۔ ان دونوں نعمتوں میں حضور اقدس ہی واسطہ ہیں۔ اگر آپ پہلے موجود نہ ہو لیتے تو کسی چیز کا بھی وجود نہ ہوتا۔ کائنات کے اندر اگر حضور کا نور موجود نہ ہو تو کائنات کے تمام ستون آٹا فنا کر جائیں۔

(صلوٰۃ الصفا از احمد رضا بریلوی ص ۲ تا ۳)

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی حقیقی مستند عبارتیں ہم نے یہاں نقل کر دی ہیں انہیں بار بار تدبر سے پڑھیے وہ جس ماخذ پر اپنے مسلک کی بنیاد تعمیر کر رہے ہیں وہ ذات نبویہ کی دوسری جہت ہے جسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں۔ آپ کی پہلی جہت جس کا تعلق آپ کی بشریت اور تشریفاتی نبوت کے ساتھ ہے اس جہت کے ساتھ بریلوی مسلک کے بنیادی عقائد کا تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ ہم اس مسلک کے اکابر علماء

التماس کرتے ہیں کہ آپ دلائل کے ساتھ واضح کریں کہ ذاتِ نبویہ کی یہ دوسری جہت جسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں اس کا اصل ماخذ کیا ہے اور کیا ایسے ماخذ پر پوری ملتِ اسلامیہ کے عقائد کی بنیاد استوار ہو سکتی ہے۔ اگر آپ حقائق کی زبان میں بات کریں گے تو نصرتِ ایزدی بھی آپ کا ضرور ساتھ دے گی۔ اگر حقائق سے ہٹ کر دوسرا لہجہ اختیار کریں گے تو آپ لوگ عند اللہ ضرور جواب دہ ہوں گے۔ اب ہم اس اجمال کو تفصیل کے آئینے میں پیش کرتے ہیں تاکہ الجھن کے دبیز پردے ہمارے درمیان حائل نہ ہو سکیں۔

بریلوی مسلک کی بنیاد حقیقتِ محمدیہ پر ہے

بات اگرچہ بہت ہی دقیق ہے لیکن جس قدر بھی ہمارے قلم سے ممکن ہو سکتا ہے سہل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دنیا کے تمام مذاہب اور نظریات میں یہ بحث قدیم سے چلی آرہی ہے کہ کائنات کی تخلیق کس طرح ہوئی اور اس کائنات کی ماہیت کیا ہے۔ جب اس مسئلہ پر غور و خوض کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کائنات میں مظاہر کی کثرت اور اس کا تنوع اصل میں ظاہری اور اعتباری ہے حقیقی نہیں ہے۔ ان تمام مظاہر اور اعراض میں کوئی ایسا جوہر موجود ہے جس سے ان تمام اشیاء کی کثرت

کثرت اور اس کا تنوع اسی ایک جوہر کی متغیر صورتوں سے پیدا ہوتا ہے۔ فلاسفہ یونان میں سے طالیس ملطی پہلا فلاسفر ہے جس نے یہ ثابت کیا کہ اس کائنات کا اصل جوہر پانی ہے۔ گویا پانی بحیثیت جوہر اس کائنات کی علت اول ہے اور کائنات کی تمام اشیا۔ اس علت کے معلول ہیں۔ یہ بحث چلتی چلتی افلاطون اور ارسطو تک آپہنچی۔ انہوں نے کہا وجود کی حقیقت عقل خالص سے حقیقی ہستی عقل ہے اور اس کے علاوہ عدم ہی عدم ہے۔ لیکن اس عدم میں یہ انفعالی استعداد موجود ہے کہ وہ عقلی تصورات کو قبول کرے وجود کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس کے بعد یہودی فلاسفر فیو نے اور اس کے بعد مسیحی فلاسفروں اور فلاطینوس نے اس پر اپنے اپنے نظریات قائم کیے۔ اس کی داستان بہت طویل ہے۔ جب اس نظریے کے اثرات اسلام میں داخل ہو گئے۔ ساتویں صدی میں ابن عربی پہلا شخص ہے جس نے اس نظریے کو ایک مخصوص فلسفے میں پیش کیا۔ یعنی اس جوہر بسیط کو حقیقت محمدیہ کا نام دیا اور اس کی تمام تر بنیاد کشف پر رکھی۔ اس کے بعد جو علماء اور صوفیہ ابن عربی کے اس نظریے سے متاثر ہوئے وہ اس نظریے کو اپنی تحریروں میں مختلف توجہات کے ساتھ پھیلاتے رہے۔ توجہات کی صورتیں تو مختلف تھیں لیکن ان سب کا مرکزی محور ایک تھا۔ جب اس نظریے کی وسعت نے علماء اور صوفیہ کی اکثریت کو پوری طرح متاثر کر لیا، تو

آخر میں یہ نظریہ عقیدے اور مذہب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس دور میں جو لوگ بریلوی مسلک کے ساتھ وابستہ ہیں ان کے تمام عقائد کی بنیاد حقیقتِ محمدیہ کے فلسفے پر رکھی گئی ہے۔ ہمارے ملک میں علامہ سعید احمد کاظمی جو اس بریلوی مسلک کے امام کہلاتے ہیں، انہوں نے مسئلہ حاضر و ناظر پر ایک علمی کتاب لکھی ہے۔ اپنے اس عقیدے کی تحقیق میں علامہ جلال دوانی کی ایک عبارت بطور سند پیش کر کے لکھتے ہیں :-

”اس عبارت سے صرف اس مسئلہ ہی کی وضاحت نہیں ہوتی بلکہ حقیقتِ محمدیہ کی پوری ترجمانی اس میں سمٹ کر جمع ہو گئی ہے۔“

آپ اپنی مشہور کتاب تسکین الخواطر میں لکھتے ہیں :-

”محقق دوانی فرماتے ہیں :- ”اس مقام پر تحقیق

کلام یہ ہے کہ تمام اصحابِ نظر و برہان اور اربابِ شہود و عیان اس بات پر متفق ہیں کہ بوسیلہ قدرتِ ارادہ خدائے قدوس امر کن فیکون سے سب سے پہلے جو گوہر مقدس درجائے غیب

اے اصحابِ نظر و برہان سے مراد حکماءِ فلاسفہ اور اربابِ کلام ہیں۔ اربابِ شہود و عیان سے صوفیہ و جودیہ مراد ہیں۔ یعنی ابن عربی کے کم مسلک مشائخ۔

مکنون سے ساحل شہود پر آیا وہ جوہر بسیط نورانی تھا جسے حکماء
 کے عرف میں عقل اول، اور بعض احادیث میں قلم اعلیٰ سے تعبیر
 کیا گیا ہے اور اکابر ائمہ کشف و تحقیق اسے حقیقت محمدیہ کہتے
 ہیں۔ اس جوہر نورانی نے اپنے آپ کو اور اپنے خالق بے مثال کو
 اور ان تمام افراد موجودات کو جو بتوسط اس جوہر نورانی کے
 خالق بے مثال سے صادر ہو سکتے ہیں جس طرح وہ افراد موجودات
 پہلے تھے اور اب ہیں اور آئندہ ہونگے سب کو جملہ کیفیات کے ساتھ
 تمام و کمال جان لیا۔ اور تمام حقائق موجودات بطور انطوائے علمی
 اسی جوہر بسیط نورانی حقیقت محمدیہ میں مندرج اور مخفی تھیں۔
 جس طرح دانہ ایک خاص طریقہ پر شاخوں پتوں اور پھلوں پر

لے حکماء سے مراد فلاسفہ یونان ہیں۔ جو اس جوہر بسیط کو عقل اول کہتے
 ہیں۔ بعض اسے درۃ البیضاء (GOLDEN EGG) بھی کہتے
 ہیں۔

۲۔ اکابر ائمہ کشف و تحقیق سے مراد ابن عربی اور تمام وجودیہ صوفیہ
 مراد ہیں۔

۳۔ ابن عربی اس نظریے کے تحت کائنات کے صدر کائنات سے تخلیق کا قائل نہیں
 اس لیے وہ کائنات کے قدم کا قائل ہے اور اسے خدا کا عین کہتا ہے۔
 ۴۔ اسے مرتبہ احدیت کہتے ہیں۔

مشمول ہوتا ہے کل افراد موجودات اسی ترتیب کے موافق جس کے ساتھ اس جوہر بسیط توراتی (حقیقت محمدیہ) میں پوشیدہ ہیں۔ کھین گاہ قوت سے جلوہ گاہ فعل اور سراپردہ غیب سے میدان شہود میں بصورت مواد خارجیہ ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ (اخلاق جلالی از محقق دوانی ص ۲۵۶)

اس کے بعد علامہ کاظمی لکھتے ہیں :-

”اس ایمان افروز بیان سے تصریحات منقولہ بالا کی تائید کے علاوہ مندرجہ ذیل امور بھی واضح ہو گئے :-

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول مخلوق ہیں۔

۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت محمدیہ صرف مصدر کائنات ہی نہیں بلکہ کائنات کی ترتیب اور اس کے ارتقائی مدارج کا سارا نقشہ حقیقت محمدیہ میں موجود ہے۔ موجودات کے تمام افراد اس نقشہ کے مطابق بصورت مواد خارجیہ اس عالم میں ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ کاظمی صاحب کی عبارت سے تین نتائج حاصل ہوئے۔ ۱۔ کائنات کی علت مادہ بھی حقیقت محمدیہ ہے۔ یعنی کائنات کی ہر چیز کا مادہ حقیقت محمدیہ کے مادہ میں جمع کی صورت میں موجود ہے۔ ۲۔ جب اس مادہ سے کسی چیز کا ظہور ہوتا ہے تو وہ چیز وہی شکل اختیار کرتی ہے جس کا نقشہ حقیقت محمدیہ میں پہلے موجود ہوتا ہے ۳۔ ہر چیز اپنے ظہور کے بعد اپنے انتہائی منازل تکمیل کے لیے حقیقت محمدیہ کی محتاج ہوتی ہے۔

- ۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عقل اول اور قلم اعلیٰ ہیں۔
- ۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر بسیط نورانی ہیں۔
- ۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کے خالق لطیفہ ہیں۔
- ۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو بھی جانتے ہیں اور تمام موجودات و مخلوقات اور ان کے جمیع احوال کو بہ تمام و کمال جانتے ہیں۔ ماضی۔ حال۔ مستقبل میں کوئی شے کسی حال میں حضور سے مخفی نہیں۔

۶۔ تمام موجودات خارجیہ کا ظہور حقیقت محمدیہ سے ہوتا ہے حتیٰ کہ ترتیب ظہور بھی وہی ہے جو حقیقت محمدیہ میں مستور ہے۔

ان امور کے علاوہ یہ امر بھی اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ حقیقت محمدیہ کوئی امر اعتباری غیر واقعی نہیں بلکہ وہ ایک حقیقت ثابتہ ہے اور موجود خارجی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں جو ہر بسیط نورانی سے تعبیر کیا گیا ہے اور مراتب وجود سے مرتبہ وحدۃ جسے بعض صوفیہ نے برہنائے مناسبت اپنی اصطلاح خاص میں حقیقت محمدیہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے عبارت بالائیں ہرگز مراد نہیں کیونکہ مرتبہ وحدۃ غیر مخلوق ہے اور حقیقت محمدیہ مخلوق ہے۔

لے محترم من! جب دوانی کی عبارت میں خود موجود ہے کہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

جیسا کہ محقق دوانی کی عبارت زیر نظر اس دعوے کی روشن دلیل ہے۔
 (تسکین الخواطر از کاظمی صاحب ص ۵۰ تا ۵۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اکابر ائمہ کشف اسے حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔ تو اس کی مراد بھی ائمہ کشف کے قول کے مطابق قبول کی جائے گی نہ کہ دوسروں کی مراد اس میں حجت ہوگی۔ یحییٰ ہم مولانا احمد رضا کی عبارت نقل کر دیتے ہیں۔ دیکھیے وہ حقیقت محمدیہ کا وہی مفہوم لے رہے ہیں جو ائمہ کشف کے نزدیک صحیح ہے۔ مولانا بریلوی مواہب اللدنیہ سے نقل کرتے ہیں:- لما تعلق ارادة الحق بايجاد خلقه ابرز للحقيقة المحمدية من الانوار المهدية في الحضرة الاحدية ثم سلخ منها العوالم كلها۔ اور شرح زرقانی میں ہے و الحضرة الاحدية هي اول تعيينات الذات واول مرتبها الذي لا اعتبار فيه لغير الذات (صلوة الصفا في نور المصطفى از احمد رضا) اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت محمدیہ کا مفہوم وہی ہے جسے ابن عربی وغیرہ تعین اول اور مرتبہ احدیت کہتا ہے۔ اس سے حقیقت محمدیہ کا مخلوق ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ آپ دراصل اول ما خلق اللہ کی تعبیر سے مجبوس ہوئے ہیں۔ دوسرے حقیقت محمدیہ کو تعین اول کہنے سے کائنات کا برز اور صدر ثابت ہوتا ہو تخلیق ثابت نہیں ہوتی لیکن جب تک آپ حقیقت محمدیہ کے ساتھ اپنے عقائد کی بنیاد استوار کرتے رہیں گے ان خام تعبیرات کے عواقب سے آپ ہرگز نہیں بچ سکتے۔

اور دوسرے مقام پر علامہ کاظمی صاحب لکھتے ہیں :-

”بناہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کی اصل قرار پائے تو تمام عالم کے جمیع افراد حضور کی فرع ہوئے۔ پس جس طرح درخت کی ہر شاخ ہر پتے بلکہ اس کے ہر جزو میں اصل ہی کا ظہور ہوتا ہے اسی طرح تمام جہانوں یعنی ماسوی اللہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نورانیت اور روحانیت مقدسہ جلوہ گر ہوگی اور عالم کا ذرہ ذرہ آپ کی روحانیت و نورانیت کی جلوہ گاہ قرار پائے گا۔“ (تسکین الخواطر ص ۴۲)

علامہ کاظمی صاحب اس فلسفے کو آسان سے آسان کر کے سمجھاتے ہیں :-

”ہمارا مسلک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبداء کائنات ہیں۔ حضور مخزن کائنات ہیں۔ حضور منشأ کائنات ہیں اور مجھے کہنے دیجئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مقصود کائنات ہیں۔ صاحب روح المعانی نے عارفین کا ایک قول نقل کیا ہے کہ آپ رحمۃ للعالمین کیوں ہیں۔ فرماتے ہیں وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس اصل ہیں اور تمام عالمین اس کی فرع۔ اصل کہتے ہیں جڑ کو اور فرع کہتے ہیں شاخ کو۔ یہ بتاؤ جس درخت کی جڑ نہ ہو تو کیا شاخیں باقی رہیں گی۔ اگر درخت کی جڑ سوکھ جائے

شاخیں ہری رہیں گی۔ درخت کی جڑ کو جلادو تو شاخیں
 موجود رہیں گی، نہیں بالکل نہیں۔ ارے درخت کی جڑ سے
 تو سارا کام ہوتا ہے جڑ جو ہے تنے کو غذا پہنچا رہی ہے۔
 پہلے جڑ تنے کو غذا پہنچاتی ہے پھر وہ جڑ کی پہنچائی ہوئی غذا
 تنے سے موٹی موٹی شاخوں میں پہنچتی ہے۔ پھر چھوٹی چھوٹی
 شاخوں میں پہنچتی ہے اور پھر پتوں میں پہنچتی ہے اور وہ
 پھولوں میں پہنچتی ہے اور وہ ثمر میں پہنچتی ہے۔ اس سے معلوم
 ہوا کہ سارا تنا اس جڑ کا محتاج ہے اور ساری شاخیں اس
 جڑ کی محتاج ہیں اور ہر پتہ اس جڑ کا محتاج ہے۔ ہر پھول اور
 ہر پھل اس جڑ کا محتاج ہے۔ جب اس جڑ کا فیض جاری ہے
 تو شاخیں ہری ہیں۔ اور جڑ کا فیض ختم ہو جائے تو شاخیں
 سوکھ جائیں۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کے
 ذرے ذرے کے لیے اصل ہیں، اور اس کائنات کا ذرہ ذرہ
 اوپر سے خواہ زمین کے نیچے ہے۔ وہ ہواؤں میں ہے وہ
 فضاؤں میں ہے۔ تحت میں ہے فوق میں ہے۔ عرش میں ہے
 فرش میں ہے۔ جہاں بھی کوئی ذرہ ہے مصطفیٰ کی جڑ کے لیے
 شاخ ہے۔ آپ کا فیض اس طرح کائنات کے ذرے ذرے
 کو پہنچ رہا ہے جیسے جڑ کا فیض شاخ کے ہر جز کو پہنچ رہا ہے
 میرا ایمان ہے کہ مصطفیٰ اگر نہ ہوں تو کائنات زندہ نہیں ہو سکتی

اگر وہ مر گئے تو ہم کیسے زندہ رہ گئے۔“ ہے

(ذکر حبیب از علامہ کاظمی صاحب ص ۱۳، ۱۴)

واضح رہے کہ کاظمی صاحب اس میں منقبت نبویہ نہیں بیان کر رہے بلکہ اپنا ایمان اور عقیدہ بیان کر رہے ہیں اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کے عقائد کی بنیاد واضح ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدیہ کائنات کی اصل ہے۔ اور تمام کائنات اس اصل کی شاخیں اور ثمر ہیں۔ علامہ کاظمی نے درخت اور اس کی جڑ کی مثال دے کر اسکی وضاحت کی ہے۔ تفہیم کے لحاظ سے اس سے آسان تر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ خدا کرے کہ قارئین بھی اس حقیقت کا ادراک کر سکیں۔

جناب مفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی فرماتے ہیں :-

”حضور علیہ السلام تمام کائنات کی اصل ہیں وکل

الخلق من نوری اصل کا اپنی فرع میں اور مادے کا سارے

اے کاظمی صاحب جیات نبویہ کی اس طرح تصریح کرتے ہیں۔ موتِ جیات کی دو قسمیں ہیں موتِ عادی۔ موتِ حقیقی۔ جیات عادی۔ جیات حقیقی جسم میں روح کا نہ ہونا یا ہونے کے بعد نکل جانا موتِ عادی ہے۔ اور جسم میں روح کا موجود ہونا، جیات عادی اور جسم میں صفتِ مصححہ للعلم والقدرة (او مایقوم مقامها) کا پایا جانا جیات حقیقی ہے اور اس کا نہ پایا جانا موتِ حقیقی ہے۔

(جیات البنی از کاظمی ص ۳۲)

مشتقات ہیں۔ ایک کا سارے عددوں میں پایا جانا ضروری ہے۔ ۵

ہر ایک اُن سے ہر ایک میں ہیں وہ ہیں ایک علم حساب کے
بنے دو جہاں کی وہی بنار وہ نہیں جو اُن سے بنائیں

(جاء الحق ص ۱۴۲)

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی اس فلسفے کی اس طرح وضاحت فرماتے ہیں :-

”تمام جہان اور اس کا قیام سب انہیں کے دم قدم سے ہے۔ عالم جس طرح ابتدائے آفرینش میں ان کا محتاج تھا کہ لولاك لما خلقت الافلاك یوں ہی اپنی بقا میں بھی ان کا محتاج ہے۔ آج اگر ان کا قدم درمیان سے نکال لیں تمام عالم ابھی ابھی فنائے مطلق ہو جائے گا“

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

(الامن والاعلیٰ ص ۲)

بین الاجمال وتفصیل

۱۔ حقیقت محمدیہ جسے یہ لوگ مصدکات یعنی کائنات کا مادہ کہتے ہیں

اگر حقیقتِ محمدیہ کو ہر چیز کے وجود میں مانا جائے تو اسے حاضر و ناظر کہتے ہیں۔

۲۔ جب یہ مادہ کائنات کے ذرے ذرے میں موجود ہے تو جس ذرے کے وجود میں یہ مادہ موجود ہے اس وجود کو بھی تھامے ہوئے سے اور ساتھ ہی اس وجود کو باقی رکھنے کے لیے اس کی ضروریات کی بھی تکمیل کر رہا ہے۔ اسے ذاتِ نبویہ کا تصرف فی الکائنات کہتے ہیں۔ یعنی ہر فرد کے وجود پر حقیقتِ محمدیہ کی دو نعمتوں کا اظہار ہو رہا ہے ایک نعمتِ ایجاد اور دوسری نعمتِ امداد۔ اس کائنات کا کوئی ذرہ اور فرد ایسا نہیں ہے جو آپ کی ان دو نعمتوں کے لیے محتاجِ نظر نہ آتا ہو۔ اسے وہ عقیدے کے طور پر یوں کہہ دیتے ہیں کہ کائنات کی ہر نعمت آپ کے دستِ کرم سے تقسیم ہو رہی ہے۔

۳۔ کائنات کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے وجود میں حقیقتِ محمدیہ موجود نہ ہو۔ موجود ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اس کے وجود کی طبعی عمر سو برس ہے تو حقیقتِ محمدیہ بھی اس میں سو برس تک موجود رہے گی۔ اور جس وجود کی طبعی عمر اس سے کم یا زیادہ ہے تو حقیقتِ محمدیہ بھی اتنا عرصہ موجود رہے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کو اپنی طبعی عمر میں جتنے عوارض اور حالات پیش آئیں گے تو یہ حالات حقیقتِ محمدیہ سے کیسے مخفی رہ سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کائنات کے ذرے ذرے میں موجود ہونے کی وجہ سے کوئی چیز ذاتِ نبویہ کے علم سے باہر

نہیں ہو سکتی۔ اسے یہ لوگ اپنے عقیدے میں ماکان و مایکون کا علم غیب
 کہتے ہیں۔ ہم نے مسئلہ حاضر و ناظر علم غیب اور تصرف فی الکائنات
 جیسے عقائد کے اجمال کو احسن طریقے سے بیان کر دیا ہے۔ ہم اب
 کچھ مزید شواہد نقل کرتے ہیں۔ اس اجمال کے سامنے شواہد کے جھننے
 آئینے سامنے رکھتے جائیں گے تو اس اجمال کا حسن اور اس کے خدو
 خال زیادہ ہی نکھرتے چلے جائیں گے۔

حاضر و ناظر کا مفہوم

علامہ کاظمی صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے عقیدے میں حاضر و
 ناظر کا کیا مفہوم ہے۔

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو لفظ حاضر و ناظر بولا جاتا
 ہے اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ آپ کی بشریت مطہرہ ہر جگہ
 ہر ایک کے سامنے موجود ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح
 روح اپنے بدن کے ہر جزو میں موجود ہوتی ہے اسی طرح روح
 دو عالم (روح الاکوان) صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت منورہ

لے روح دو عالم سے مراد حقیقت محمدیہ ہے۔ دیکھیے کاظمی صاحب اچھی
 طرح وضاحت کر رہے ہیں کہ ہم آپ کی بشریت کو ہر جگہ (باقی صفحہ آئندہ)

ذراتِ عالم کے ہر ذرہ میں جاری و ساری ہے۔ جس کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ بہ یک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔
(تسکین الخواطر از کاظمی صاحب ص ۱۳)

اپنی اس کتاب کے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-
(۱) ” ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور کی جسمانیت اور بشریت مطہرہ کے ساتھ حاضر و ناظر نہیں مانتے بلکہ حضور کی حقیقت مقدسہ کو ذات کائنات میں جاری و ساری مانتے ہوئے روحانی طور پر آپ کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔“

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) موجود نہیں مانتے بلکہ آپ کی حقیقت محمدیہ کو کائنات کے ذرے ذرے میں جاری و ساری مانتے ہیں۔ جو علماء حضرات مسئلہ حاضر و ناظر کی تردید کرتے ہیں ان کے علمی فہم کا کمال دیکھیے کہ وہ حاضر و ناظر کی تردید میں جن دلائل کو پیش کر رہے ہیں وہ سب کے سب من حیث البشریت پر موقوف ہیں۔ حالانکہ تردید کا صحیح موقف یہ تھا کہ حقیقت محمدیہ کو سامنے رکھ کر بحث کرتے تاکہ حریف کے ماخذ پر پوری گرفت کر سکتے۔ اب بھی محاذ کا رخ تبدیل ہو سکتا ہے۔ لیکن محاذ کی اس تبدیلی کے بعد کچھ اور رخ بھی سامنے آجائیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ محاذ کا رخ (باقی صفحہ آئندہ)

(۲) ”یہ صحیح ہے کہ حقیقتِ محمدیہ کے جلوے ذرات کائنات

میں جاری و ساری ہیں۔“

(۳) ”بشریتِ مقدسہ کے ایک جگہ رونق افروز ہونے

سے حاضر و ناظر کے مسد پر کس طرح زد پڑ سکتی ہے جسمانیت

مطہرہ حیات حقیقیہ کے ساتھ قبر انور میں جلوہ گر ہے اور آپ

کی روحانیت و نورانیت تمام اکوان عالم میں موجود ہے۔“

(۴) ”حاضر و ناظر کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم کا ذرہ ذرہ

روحانیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ ہے۔“

(۵) ”اس میں شک نہیں کہ نماز میں السلام علیک ایہا النبی

کھینے کا حکم بھی اس امر پر مبنی ہے کہ جب حقیقتِ محمدیہ تمام

ذرات کائنات میں موجود ہے تو ہر عید مصلی کے باطن میں اس کا

پایا جانا ضروری ہے۔“

(یہ تمام عبارتیں کاظمی صاحب کی تسکین الخواطر سے ماخوذ ہیں)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حقیقتِ محمدیہ کی طرف پھیر دیا جائے۔

تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ علماء دیوبند اور بریلویت کے درمیان

جو اختلاف پایا جاتا ہے اس اختلاف کی بنیادی نوعیت کیا ہے۔

حقیقۃ محمدیہ مصدر کائنات رُوح الاکوان کا مفہوم

علامہ کاظمی صاحب صوفیہ کی مشہور تفسیر عرائس البیان سے حقیقتِ محمدیہ کی تصریح بیان کرتے ہیں :-

۱۔ ”ان نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اول ما خلقہ فی الاول من جمیع خلقہ، ثم خلق جمیع الخلائق من العرش الی الثری من بعض نوره۔“

۲۔ فکونہ کون الخلق وکونہ سبب وجود الخلق۔

۳۔ ان جمیع الخلائق صورۃ مخلوقۃ مطروحة فی فضاء القدرة بلا رُوح حقیقۃ منتظرۃ القدم محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاذا قدم فی العالم صار العالم حیا بوجودہ لانہ رُوح جمیع الخلائق۔“

(عرائس البیان ص ۵۲)

۱۔ خالق کائنات نے اپنی کل مخلوق میں جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ ذاتِ نبویہ کا نور مبارک ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے ایک جزو سے از عرش تا فرش تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔

۲۔ کائنات کا موجود ہونا آپ کے موجود ہونے پر (موقوف) ہے۔ اور کائنات کے موجود ہونے کی علت حقیقی بھی آپ کا وجود ہے۔

۳۔ فضاء قدرت میں تمام مخلوقات صورت مخلوقہ کی طرح بے جان اور روح حقیقی کے بغیر پڑی ہوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کر رہی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تشریف لائے تو تمام کائنات وجود محمدی سے زندہ ہو گئی اس لیے کہ تمام مخلوقات کی روح (روح الاکوان) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی ہے۔“
(تسکین الخواطر ص ۴۳)

کائنات میں حقیقت محمدیہ کا تفصیلی تصرف

آپ علامہ کاظمی اور دوسرے حضرات کی عبارتوں سے معلوم کر چکے ہیں کہ کائنات کی علت مادیہ اور علت غائیہ صرف حقیقت محمدیہ ہے علت مادیہ سے مراد مصدر کائنات ہے اور علت غائیہ سے مراد تخلیق کائنات کا مقصود ہے۔ اب ہم ان حضرات کی عبارتوں سے یہ تفصیل بیان کرتے ہیں کہ کائنات کے ذرے ذرے میں حقیقت محمدیہ داخل ہو کر اپنا تصرف کس طرح کرتی ہے۔ علامہ کاظمی نے جس طرح اس

تصرف کی بددیانت کو اپنی تحریر سے آراستہ کیا ہے۔ اس عقیدے کی اس سے بہتر ترجمانی نہیں ہو سکتی۔ آپ فرماتے ہیں :-

”اس حیثیت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل کائنات ہیں، آپ کی حیات مقدسہ وجود ممکنات کے آسمان کا چمکتا ہوا آفتاب ہے۔ مخلوقات کی تمام انواع و اقسام اور افراد بمنزلہ آئینوں کے ہیں۔ ہر آئینہ اپنے مقام پر مخصوص کیفیت اور جداگانہ قسم کی استعداد کا حامل ہے۔ اس لیے ہر فرد اپنے حسب حال اس آفتاب حیات سے اکتساب حیات کر رہا ہے۔ خلق و امر۔ اجسام و ارواح۔ ایمان و معانی۔ ارض و سما۔ تحت و فوق ان سب کا نور حیات اسی آفتاب حیات محمدی کی شعاعیں ہیں۔ البتہ عالم ممکنات کا اس معدن حیات سے قرب و بُعد اور افراد کائنات میں استعداد کی

لے معدن حیات سے قرب و بعد اور استعداد کی قوت و ضعف، ابن عربی اس کی اس طرح وضاحت کرتا ہے :-

”اول ما خلق المہباء واول ما ظہر فیہ حقیقتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبل سائر الحقائق۔ وکان اقرب الناس الیہ فی ذلک المہباء علی بن ابی طالب الجامع لاسرار الانبیاء اجمعین“ (فتوحات مکیہ) (باقی صفحہ آئندہ)

قوت و ضعف، مراتب حیات میں ضرور موجب تفاوت ہے۔
 نفس حیات سب میں پائی جاتی ہے لیکن ہر ایک کی حیات اس
 کی حالت کے مناسبت ہے۔ مومن ہو یا کافر۔ نیک ہو یا بد۔
 ہر ایک کا مبداء فیض ذات نبویہ کا وجود ہے۔ اور حضور ہی کے
 آفتاب حیات سے ہر ایک مومن میں حیات کی روشنی پائی جاتی ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فی باب السادس۔ (الیواقیت والجواهر ص ۲۴)
 (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے پہلے ہباء کو پیدا کیا۔ اس ہباء میں تمام حقائق سے
 قبل جس حقیقت کا ظہور ہوا وہ حقیقت محمدیہ تھی۔ اس ہباء میں حقیقت
 محمدیہ کے ساتھ قرب اور استعداد کے لحاظ سے سب انسانوں میں سے جو
 سب سے زیادہ قریب تھے وہ حضرت علیؑ تھے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ معدن حیات یعنی حقیقت محمدیہ سے سب
 سے پہلے جس کو فیض حیات حاصل ہوا وہ حضرت علیؑ تھے۔ آپ کی
 اس اولیت کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ سے فیض حاصل کرنے کی
 استعداد جس قدر حضرت علیؑ میں موجود تھی دوسرے تمام انسانوں میں وہ
 استعداد اس سے کمزور تھی۔ دیکھیے ابن عربی اس استعداد کے لحاظ سے
 حضرت علیؑ کو تمام نبیوں سے بھی زیادہ ترجیح دے رہے ہیں۔ دوسرے اس
 سے نبوت پر ولایت کی ترجیح ثابت ہو رہی ہے۔ اس سے ابن عربی کا
 تشیع صاف ثابت ہو رہا ہے۔ ہم اپنے دوسرے (باقی بر صفحہ آئندہ)

آفتاب حیات اگر غروب ہو جائے تو تمام آئینے اپنے نور سے محروم ہو جائیں۔ ان تمام آئینوں میں نور کا پایا جانا آفتاب کے چمکنے کی دلیل ہے۔ اسی طرح عالم ممکنات کے کسی ایک ایک ذرے میں نور حیات کا پایا جانا آفتاب حیات محمدی کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔“

(حیات النبی از علامہ کاظمی ص ۹)

جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی فرماتے ہیں :-
”اور نصوص متواترہ اولیاء کرام و ائمہ عظام و علماء اعلام سے مبرہن ہو چکا کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر۔ صغیر یا کبیر۔ جسمانی یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مقالے میں ابن عربی کا تشیع دلائل پر ثابت کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت محمدیہ کی ایک شاخ معدن تشیع سے نکلی ہے۔

۱۰ جناب موصوف بریلوی کی عبارت میں ذات نبویہ کے تصرف کے لیے سرالوجود۔ اصل الوجود۔ خلیفۃ اللہ الاعظم اور ولی نعمت عالم جیسے آفتاب استعمال کیے گئے ہیں۔ ان سب کا مفہوم حقیقت محمدیہ ہے۔ اور اس کے ماخذ پر لکھتے ہیں نصوص متواترہ اولیاء کرام و ائمہ عظام و علماء سے مبرہن ہو چکا ہے۔ اس مسلک کے حاملین علماء سے ہم التماس کرتے ہیں کہ حقیقت محمدیہ اور اصل الوجود کے ساتھ نصوص متواترہ کا کیا ربط ہے (باقی صفحہ آئندہ)

روحانی۔ دینی یا دنیوی۔ ظاہری یا باطنی۔ روز ازل سے اب تک
 اب سے قیامت تک۔ قیامت سے آخرت تک۔ آخرت سے
 ابتداء تک۔ مومن یا کافر۔ مطیع یا فاجر۔ ملک یا انسان۔ جن یا
 حیوان۔ بلکہ تمام ماسویٰ اللہ جسے جو کچھ ملی یا ملتی ہے یا ملے گی
 انہیں کے ہاتھوں پر بڑی اور بڑی ہے اور بڑے گی۔ یہ سب الوجود
 اور اصل الوجود خلیفۃ اللہ الاعظم اور ولی نعمت عالم ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تاکہ ہم بھی معلوم کر سکیں کہ اس اصل الوجود اور
 جوہر بسیط سے کافر کے وجود میں کس طرح نعمت داخل ہو رہی ہے۔ اور
 موصوف بریلوی کی سابقہ عبارت میں موجود ہے کہ اس نعمت سے مراد
 نعمۃ الایجاد اور نعمۃ الامداد ہے۔ اور یہ بات بھی ہمیں سمجھائیں کہ اس
 کافر کے وجود میں اس نعمۃ الامداد کا کیا مفہوم ہے۔ اسی طرح فاجر کے
 وجود میں نعمۃ الامداد سے کیا مراد ہے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ
 آپ جب کہ اصل الوجود ہیں تو جن کفار کو یہ نعمت الامداد حاصل ہے
 اس سے اس امت کے کافر مخصوص نہیں ہو سکتے بلکہ تمام سابقہ امتوں کے
 کافر شامل ہیں اور ان کافروں میں نمرود اور فرعون جیسے کافر بھی شامل ہیں
 مثلاً فرعون جیسے کافر پر نعمت الامداد سے کیا مراد ہے۔

۱۔ خلیفۃ اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ خدا کے نائب مطلق ہیں۔ اس خلافت
 اور نیابت کا مفہوم یہ ہے کہ ساری کائنات کا نظام (باقی بر صفحہ آئندہ)

صلی اللہ علیہ وسلم۔ (جزار اللہ عدوہ ص ۲۳ حوالہ فیصلہ کن
مناظرہ ص ۵۶)

بریلوی مسلک میں بہار شریعت ایک مشہور کتاب ہے۔ اس میں
خلیفۃ اللہ کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے نائب مطلق
ہیں۔ تمام جہان حضور کے تحت تصرف کر دیا گیا ہے جو چاہیں
کریں۔ جسے جو چاہیں دیں۔ جس سے جو چاہیں واپس لیں۔ تمام
آدمیوں کے مالک ہیں۔ تمام زمین ان کی ملک ہے۔ تمام
جنت ان کی جاگیر ہے۔ ملکوت السموات والارض حضور کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپ کے تصرف میں ہے۔ آپ ہمیں یہ سمجھائیں خدا
کی خلافت کا کیا مفہوم ہے اور یہ خلافت اپنے نائب مطلق میں کس طرح
منتقل کرتے ہیں۔ دوسرے اس خلافت کا تصرف ساری کائنات کے ساتھ
وابستہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ازل سے اب تک جب تک کائنات
موجود ہے تو خلافت کا تصرف بھی تا ابد قائم رہے گا کسی آن بھی یہ تصرف
آپ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تصرف بالاستقلال
ہے۔ اس میں مشیت ایزدی اور خدا کے جدید اذن کی ضرورت نہیں ہے۔
کیونکہ یہ تکوینی خلافت ہے تشریعی خلافت نہیں۔ اگر اس تکوینی خلافت میں
خدا کی مشیت اور اس کا اذن جدید مداخلت کرتا رہے تو (باقی صفحہ آئندہ)

زیرِ فرمان ہے۔ جنت اور دوزخ کی کنجیاں آپ کے دستِ اقدس میں دے دی گئیں۔ (ہمارے شریعت ص ۲۲ ج ۱)

علم غیب اور حقیقتِ محمدیہ

ہم پہلے مسئلہ حاضر و ناظر اور تصرف فی الکائنات کے بارے میں ان حضرات کی مستند عبارتوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ ان دونوں کا ماخذ حقیقتِ محمدیہ ہے۔ اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ کائنات کے کلی علم غیب کا ماخذ کیا ہے۔

جناب مفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی اہریزی سے اس مسئلہ کی ایک نفیس دلیل پیش کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ دلیل ایسی ہے کہ اس سے علم غیب کے بارے میں تمام اشتباہ دور ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کائنات کے نظام میں الٹ پلٹ ہوتا رہے گا۔ جناب بریلوی موصوف دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

”حضور کی مشیت بعینہ خدا کی مشیت ہے۔ اور خدا کی مشیت

بعینہ ان کی مشیت ہے۔ اور عطف کر کے کہیے تو دوئی سمجھی

جائے گی کہ اللہ کی مشیت اور ہے اور رسول کی مشیت اور۔“

(الامن والعلی ص ۲۲۵)

”هو عليه السلام لا يخفى عليه شيء من الخس
المذكورة في الآية وكيف يخفى ذلك والاقطاب
السبعة من امتهم يعلمونها وهم دون الغوث
فكيف بالغوث فكيف بسيدا الاولين والاخرين
الذي هو سبب كل شيء ومنه كل شيء۔

(جاء الحق ص ۱۶)

(ترجمہ) قرآن میں ہے کہ پانچ چیزوں کا علم کوئی نہیں جانتا۔ ہاں
حضور اقدس سے ان پانچ چیزوں کا علم مخفی نہیں رہ سکتا۔
آپ کی شان تو بہت اونچی ہے بلکہ آپ کی امت کے سات
اقطاب بھی ان پانچ چیزوں کا علم رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ اقطاب
غوث کے مقام سے کم درجہ رکھتے ہیں تو بتلایے اس علم میں
غوث کی شان کیا ہوگی۔ جب آپ کی امت کے غوث
اور اقطاب بھی ان چیزوں کا علم رکھتے ہیں تو حضور اقدس
سے ان پانچ چیزوں کا علم کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ اس لیے کہ آپ
سید الاولین والاخرین ہیں اور آپ کا وجود اقدس تخلیق
کائنات کا باعث ہے۔ صرف باعث ہی نہیں بلکہ اصل
کائنات ہونے کی وجہ سے تمام کائنات آپ کے وجود سے

ظاہر ہوئی ہے۔“ (جاء الحق ص ۱۶)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن میں جن پانچ چیزوں کے علم کی نفی کا بیان ہوا

ہے۔ قرآن کی اس آیت و معادری نفس میں جن نفوس سے اس علم کی نفی ہو رہی ہے ان نفوس میں حضور اقدسؐ تو کجا آپؐ کی امت کے اکابر اولیاء بھی داخل نہیں ہو سکتے۔ اس دلیل میں یہ بات پیش کی گئی ہے کہ جب ساری کائنات کا صدور آپؐ کے وجود سے ہوا ہے تو یہ پانچ چیزیں بھی اس کائنات میں داخل ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مصدّر اپنے مشتقات کا اور اصل اپنی فروعات کا علم نہ رکھتا ہو۔ عزرائیل اور اور موت کا وجود بھی کائنات میں داخل ہے۔ عزرائیل جب کسی کی روح نکالتا ہے یا اس سے پہلے جن جن کی روح نکال چکا ہے یا آئندہ زمانے میں نکالے گا ان تمام اوقات کا علم حضورؐ سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کہ عزرائیل اور زمانے کا اصل مصدر حضور اقدسؐ کا وجود ہے۔ اس سے دوسری بات بھی واضح ہو گئی کہ آپؐ کی حیات بالذات ہے اور موت کا وجود بالعرض۔ بالعرض کا مفہوم یہ ہے کہ موت اپنے وجود کو اس لیے قائم رکھے ہوئے ہے کہ اس کے وجود کی بقا حقیقت محمدیہ پر موقوف ہے اس لیے کہ آپؐ روح الاکوان ہیں اور موت کا وجود بھی اس اکوان میں داخل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی حقیقی حیات کو عزرائیل کا تصرف زائل نہیں کر سکتا۔ اور ساتھ ہی ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان حضرات کے نزدیک غوث اور قطب کا کیا مفہوم ہے۔

رحمۃ للعالمین کا مفہوم

رحمۃ للعالمین کی آیت بریلوی مسلک میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے اس آیت کی اس طرح تفسیر کی ہے جس میں بریلویت کے تمام اصولی عقائد سمٹ کر آگئے ہیں۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس آیت کی تفہیم کے لیے جو انہوں نے تفسیری حقائق بیان کیے ہیں آپ کے سامنے رکھ دیے جائیں۔ آپ اگر کچھ فہم رکھتے ہیں تو ان حقائق سے آپ اس مسلک کی حقیقت کا جلدی ادراک کر لیں گے۔

علامہ احمد رضا خاں بریلوی ذات نبویہ کے رحمت ہونے کا مفہوم

اس طرح بیان کرتے ہیں :-

”ہاں ہاں تمام نجدیہ دہلوی، گنگوہی، جنگلی کوہی سب کو دعوت عام ہے۔ چھوٹے بڑے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت قطعی الدلالتہ یا ایک متواتر حدیث یقینی والا فادہ چھانٹ کر لائیں جس سے صاف طور پر یہ ثابت ہو کہ تمامی نزول قرآن عظیم کے بعد اشیاء مذکورہ ماکان وما یکون سے فلاں امر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی رہا جس کا علم حضور کو نہ دیا گیا فان لم تفعلوا فاعلموا ان الله لا یهدی کید الخائنین منکرین کے پاس اگر اس کا معقول جواب ہو تو پیش کریں۔“

قرآن مجید میں ہے وَ سِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (میرا پروردگار علم کے لحاظ سے ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے) نیز فَقُلْ رَبُّكُمُ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ (پس کہہ دو کہ تمہارا رب وسیع رحمت کا مالک ہے) یہاں خدا کی شانِ علمی کو ہر چیز پر محیط کیا ہے۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کی رحمت کو بھی وسیع کہا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے وَ سِعَتْ رَحْمَتِي كُلَّ شَيْءٍ یعنی میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس طرح خدا کی صفتِ علم میں عمومیت پائی جاتی ہے ہو ہو وسعت کے لحاظ سے ایسی ہی عمومیت صفتِ رحمت میں بھی ہے۔ جہاں صفتِ رحمت ہر چیز کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ وہاں صفتِ علم بھی ہر چیز کو اپنی وسعت میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کی رحمت ہے کیا چیز اور اُس کا اس مسئلہ سے کیا تعلق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی رحمت حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس ہے۔ دیکھیے آیت وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ پس جس طرح خدا کی رحمت ہر جگہ موجود ہے اسی طرح آپ کی ذات بھی ہر جگہ موجود ہے اور ہر چیز کو اپنے سایہِ عاطفت میں لیے ہوئے ہے اور اس کے ساتھ ہی پہلو بہ پہلو خدا کی شانِ علمی بھی اپنی بہار دکھا رہی ہے۔ موجودات میں خدا کی صفتِ علم اور صفتِ رحمت کی یہ جلوہ گری اپنی وسعت کے

لحاظ سے بالکل یکساں ہے اس سے ہمیں یہ لازم تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جہاں آپ کی ذات موجود ہے وہاں آپ کا علم بھی موجود ہے۔ اور یہ تسلیم ہے کہ آپ کی ذات مقدس بلحاظ مجسمہ رحمت ہونے کے ہر جگہ موجود ہے (کیونکہ رحمت الہی کی وسعت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ ہر جگہ موجود ہو) اس لیے آپ کا علم بھی ہر جگہ موجود ہے اور ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور اس پر ہر وقت خدائی علم کی وسعت کا پیر تو پڑ رہا ہے۔“

اس کے بعد مولوی نبی بخش صاحب علامہ بریلوی کی اس عبارت کی اس طرح توضیح کرتے ہیں :-

”اسے مختصر الفاظ میں ہم یوں ادا کر سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی وسیع رحمت کا مظہر آپ کی ذات ہے اور ہر جگہ موجود ہے اور اس کے وسیع ذاتی علم کا پیر تو آپ کا عطائی علم غیب ہے۔ اس لیے یہ بھی ہر چیز کو اپنے دامن وسعت میں لیے ہے کیونکہ یہ دونوں صفتیں عمومیت کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ نظر بریں صورت اہل سنت والجماعت کا عقیدہ درست اور صحیح ہے۔ اس میں شرک کی کوئی شق نہیں ہے۔ ہاں اس عقیدے کی مخالفت حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعت شان سے عدم آگاہی کا ثبوت ہے جو گستاخی اور سوء ادب کی حدود سے گزر کر آدمی کو کفر کی منزل تک

پہنچا دیتی ہے۔“

(الامتیاز بین الحقیقت والمجاز ص ۹۳)

رحمۃ للعالمین کی آیت بریلویت کے بنیادی اصول

علامہ کاظمی صاحب نے اس آیت میں بریلویت کے بنیادی
اصولوں کو جس طرح جمع کر دیا ہے اس میں حقیقتِ محمدیہ کی پوری تشریح
ہو جاتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

”امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے نزدیک یہ

امر قطعی ہے کہ اس آیت کریمہ میں کافِ خطاب سے مراد حضور

سید عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

مقدسہ ہے۔ اور یہ امر بھی واضح ہے کہ رحمۃ للعالمین ہونا حضور

نبی اکرم کا وصفِ خاص ہے۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے علاوہ کوئی رحمۃ للعالمین نہیں ہو سکتا۔ جس کی دلیل یہ ہے

کہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی مدح میں وارد ہے اور

قاعدہ ہے کہ مقامِ مدح میں جو وصف وارد ہوگا وہ مدح کے

ساتھ خاص ہوگا کیونکہ تخصیص کے بغیر مدح ممکن نہیں۔ لہذا

ضروری ہوا کہ رحمۃ للعالمین ہونے کا وصف حضور علیہ السلام

کے لیے خاص ہو کسی مسلم ہستی کے کلام میں کسی دوسرے کے لیے اگر مسامحہ کے طور پر یہ لفظ یا اس کا ہم معنی کوئی کلمہ وارد بھی ہو تو اسے مبالغہ یا مجاز پر محمول کیا جائے گا بحقیقت و واقعیت سے اس کو کوئی تعلق نہ ہوگا۔

الْعَلَمِیْنَ سے مراد صرف انسان یا جن و ملائکہ ہی نہیں بلکہ کل ماسوی اللہ ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا جہت رسالت سے ہے اور رسالت کل مخلوق کے لیے عام ہے۔ جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ کَافَّةً (رواہ مسلم) (ترجمہ) میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ جب رسالت کل مخلوق کے لیے عام ہے تو رحمت بھی سارے جہانوں کے لیے عام اور اللہ کے سوا ہر ذرے کو شامل قرار پائی۔ اس کے بعد لفظ رحمت کی طرف آئیے۔ مفسرین کے نزدیک لفظ رحمت مفعول لہ ہو یا حال بہر صورت حضور علیہ السلام کا رحم قرار پاتے ہیں۔ کیونکہ مفعول لہ سبب فعل ہوتا ہے اور فاعل بھی سبب فعل ہے اس لیے حضور علیہ السلام کا رحم ہونا حال اور مفعول لہ دونوں کے مطابق ہے۔ خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کل مخلوقات ایک ایک ذرہ ایک

ایک قطرہ غرض اللہ کے سوا ہر شے کے لیے رحم فرمانے والے ہیں۔

کسی رحم کرنے والے کے لیے چار باتیں لازم ہیں :-
 نمبر ۱۔ سب سے پہلے یہ امر لازم ہے کہ رحم کرنے والا
 زندہ ہو مردہ نہ ہو۔ کیونکہ مردہ رحم نہیں کر سکتا وہ خود رحم کا
 طالب و مستحق ہوتا ہے۔ لہذا اگر حضور علیہ السلام معاذ اللہ
 زندہ نہ ہوں تو راجحاً للعالمین نہیں ہو سکتے۔ جب آیہ قرآنیہ
 سے حضور علیہ السلام کا راجحاً للعالمین ہونا ثابت ہو گیا
 تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا ثابت ہو گیا۔

نمبر ۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ صرف زندہ ہونے
 سے کسی پر رحم نہیں کیا جاسکتا، جب تک رحم کرنے والا
 مرحوم کے حال کا عالم نہ ہو کیونکہ بے خبر کسی پر کیا رحم کرے گا۔
 آیت قرآنیہ کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم راجحاً للعالمین
 ہیں تو جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالمین کا ماسوی
 اللہ جمیع کائنات و مخلوقات کو نہ جانیں اور جمیع ماکان و ما
 یکون کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہو تو اس وقت تک
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم راجحاً للعالمین نہیں ہو سکتے۔ جب
 حضور علیہ السلام کا راجحاً للعالمین ہونا ثابت ہے تو تمام کائنات
 کے احوال کا عالم ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

نمبر ۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ صرف عالم ہونے سے کسی پر رحم نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ رحم کرنے والا مرحوم تک اپنی رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار نہ رکھتا ہو اس سے معلوم ہوا قدرت و اختیار کا ہونا بھی رحم کرنے کے لیے ضروری ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات اور کل کائنات کے لیے علی الاطلاق راحم ہیں تو ہر ذرہ کائنات تک رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حاصل ہے۔

نمبر ۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ صرف قدرت و اختیار سے کام نہیں چلتا کسی رحم کرنے والے کے لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ رحم کرنے والا مرحوم کے قریب ہو اور مرحوم راحم کے قریب ہو۔ اس بات کو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھیے کہ مثلاً آپ تین فرلانگ کے فاصلے پر کھڑے ہیں۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں ایک خونخوار دشمن نے آپ کے مخلص دوست پر حملہ کر دیا۔ وہ چلا کر آپ سے رحم کی درخواست کرنے لگا۔ آپ اس کی مدد کے لیے دوڑے اور خلوص قلب سے اس پر رحم کرنے کے لیے آگے بڑھے مگر آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن نے اسے ہلاک کر دیا۔ اب غور کریں آپ زندہ بھی ہیں اور اس دوست کو بچشم خود ملاحظہ بھی فرما رہے ہیں۔

اس کے حال سے بھی واقف ہیں۔ رحم کرنے کی قدرت اور اختیار بھی آپ کو حاصل ہے لیکن اپنے اختیار سے رحم نہیں کر سکتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ وہ مخلص دوست آپ کے دور سے اور آپ اس سے دور ہیں۔ آپ اپنی حیات، قدرت و اختیار کے باوجود بھی اس پر رحم نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوا کہ رحم کرنے کے لیے رحم کا مرحوم کے قریب ہونا بھی ضروری ہے۔

اس آیت قرآنیہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام جہانوں اور مخلوقات کے ہر ذرے کے لیے رحم ہونا ثابت ہو گیا تو یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ تمام کائنات کے قریب ہیں اور ساری کائنات حضور کے قریب ہے۔

اگر یہاں یہ شبہ کیا جائے کہ ایک ذات تمام ایک شبہ کا ازالہ جہانوں کے قریب کیسے ہو سکتی ہے۔؟

ایک فرد کسی ایک سے قریب تو ہوگا، اس کے علاوہ باقی سب سے دور ہوگا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ فرد واحد افراد کائنات میں سے ہر ایک کے قریب ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن دو کے درمیان نزدیکی متصور ہے اگر وہ دونوں کثیف ہوں تو واقعی ایسا ہی ہوگا کہ فرد واحد افراد مختلفہ فی الزمان والمکان سے بیک وقت قریب نہیں ہو سکتا اور

دونوں لطیف ہوں یا دونوں میں سے ایک لطیف ہو تو جو
 لطیف ہوگا تو ایک وقت تمام موجودات کائنات سے قریب
 ہو سکتا ہے جس میں کوئی سستی یا عقو اس حالہ لازم نہیں آتا۔
 اس لیے حضور کا تمام افراد ممکنات سے قریب ہونا بالکل واضح
 اور روشن ہے۔ ہم کثیف سی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو
 لطیف ہیں لہذا حضور کا ہم سے قریب ہونا کوئی دشوار امر
 نہیں۔ آواز کی لطافت کا یہ حال ہے کہ جہاں تک ہوا جا سکتی
 ہے آواز بھی وہاں تک پہنچ سکتی ہے۔ لیکن حضور آواز اور
 ہوا سے بھی زیادہ لطیف ہیں۔ ہوا اپنے مقام محدود سے آگے
 نہیں بڑھ سکتی اور آواز ہوا سے آگے نہیں جا سکتی۔ لیکن
 جہاں آواز اور ہوا بھی نہ جا سکے، آواز اور ہوا تو کیا! یوں
 کھجے کہ جہاں حضرت جبریل کا بھی گزر نہ ہو سکے وہاں بھی حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ جاتے ہیں بلکہ جہاں زمانہ اور مکان بھی نہ پایا
 جا سکے وہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پائے جاتے ہیں نصیب
 نہ آئے تو شب معراج کا حال سامنے رکھ لیجئے جس سے آپ کو
 ہمارے بیان کی بوری تصدیق ہو جائے گی۔ لہذا ایک آیت
 سے پانچ مسئلے وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گئے۔ یعنی حضور
 علیہ السلام تمام عالموں کے لیے رحمت فرمانے والے ہیں لہذا
 زندہ ہیں۔ اور تمام کائنات کے حالات و کیفیات کے علم بھی ہیں

اور ساتھ ہی ہر عالم کے ہر ذرے تک اپنی رحمت اور نعمت پہنچانے کی قدرت اور اختیار بھی رکھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ تمام عالم کو محیط اور تمام کائنات کی ہر شے سے قریب بھی ہیں۔ نیز ایسے روحانی، نورانی اور لطیف ہیں کہ جس کی بنا پر ہم آپ کا کسی ایک چیز کے قریب ہونا دوسری سے بعید ہونے کو مستلزم نہیں۔ بلکہ بیک وقت تمام افرادِ عالم سے یکساں قریب ہیں۔“ (مقالات کاظمی ص ۹۹ ج ۱)

رحمتہ للعالمین کی آیت سے حاضر و ناظر کے فلسفہ کی تشریح !

علامہ کاظمی لکھتے ہیں :-

”حاضر و ناظر کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم کا ذرہ ذرہ روحانیتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ ہے۔
قال اللہ تعالیٰ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً
وَلِیلٍ لِّلْعَالَمِیْنَ ۝ (ترجمہ) اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو
(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مگر رحمت تمام جہانوں کے لیے۔
مندرجہ ذیل امور ملحوظ رکھنے کے بعد آیہ کریمہ کی روشنی میں،

۱۔ رحمتہ للعالمین ہونا حضور نبی کریمؐ کا وصف خاص ہے۔
 ۲۔ آیہ کریمہ **وَآتَىٰ فَضْلَهُ كَمَنْ عَلَى الْعَالَمِينَ** وغیرہ کے
 کلمہ العالمین کا عموم دلیل خصوص پائے جانے کی وجہ بالا جماع
 باقی نہیں رہا مگر آیت زیر بحث میں جو لفظ ”العالمین“ ہے
 اُس کا مختص نہیں پایا گیا اس لیے وہ اپنے عموم پر ہے ومن
 ادعی الخصوص فعليه البيان لہذا ہر فردِ عالم کا حضور صلی اللہ
 کے دامنِ رحمت میں ہونا ثابت ہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمتہ للعالمین ہونے کے معنی
 تفسیر روح المعانی میں اسی آیت کریمہ کے تحت اس طرح مرقوم
 ہے :- ”ہم نے آپ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) رحمت یا
 ذرا رحمت یا راحماً للعالمین ہونے کے حال کے سوا اور کسی حال
 میں نہیں بھیجا۔ اور اگر لفظ رحمت کو مفعول لہ کہا جائے تب
 بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سبب رحمت قرار پائیں گے۔ بہر
 نوع نبی اکرمؐ کی رحمت کا ہر فردِ عالم کے لیے عام ہونا ظاہر ہے۔
 جن حضرات نے العالمین کی تفسیر الناس یا ثقلین یا ذوی
 العلم سے کی ہے اُن کے کلام سے العالمین کی تخصیص پر استدلال
 صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اشرف العالمین چونکہ ہی انواع ثلاثہ
 ہیں۔ اس لیے اُن کے حق میں حضورؐ کا رحمت ہونا بقیہ العالمین
 کے حق میں حضورؐ کے رحمت ہونے کو مستلزم ہے۔ دلیل یہ

ہے کہ یہ تینوں اپنے ماسویٰ کے متبوع اور ان سب کا مجموعہ
اور خلاصہ ہیں۔ لہذا سب کے حق میں حضورؐ کا رحمت ہونا
ثابت ہوا۔ (روح المعانی ص ۹۵ ج ۱۷)

۴۔ یہ امر بھی روشن ہے کہ جب تک رسول کریم صلی
اللہ علیہ وسلم اصل کائنات اور تمام عالم پر فیض خداوندی کا
واسطہ نہ ہوں اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
رحمۃ للعالمین ہونے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ بنا بریں
جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم کی اصل قرار پائے تو تمام
عالم کے جمیع افراد حضورؐ کی فرع ہوئے۔ پس جس طرح درخت
کی ہر شاخ، ہر پتے بلکہ اس کے ہر جزو میں اصل ہی کا ظہور
ہوتا ہے اسی طرح تمام جہانوں یعنی ماسویٰ اللہ میں حضور علیہ
السلام کی نورانیت اور روحانیت مقدسہ جلوہ گر ہوگی۔
اور عالم کا ذرہ ذرہ روحانیت اور نورانیت نبی کریمؐ کی جلوہ
گاہ قرار پائے گا۔ آیت کریمہ کی تفسیر میں جلیل القدر مفسرین
کرام نے اسی مضمون کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے۔ علامہ آلوسی
تحریر کرتے ہیں :-

”تمام جہانوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ نبی کریمؐ کل ممکنات پر
ان کی قابلیت و استعداد کے موافق فیض الہی کا واسطہ

عظمیٰ ہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ اولِ مخلوقات ہے (کیونکہ اصل کا وجود فرع سے پہلے ہوتا ہے) حدیث شریف میں وارد ہے ”اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کا نور سب سے اول پیدا فرمایا۔“ اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔“ اور حضرات صوفیہ کرام قدس سرہم کا کلام اس بیان میں ہمارے کلام سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔

(روح المعانی ص ۹۴ ج ۱۷)

صوفیہ کے مشہور مفسر روز بہان نقلی لکھتے ہیں:-
 ”اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مگر رحمت تمام جہانوں کے لیے۔“ اے صاحب فہم و خرد! اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ہمیں بتایا کہ خالق کائنات نے اپنی کل مخلوقات میں جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مبارک ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے ایک جزو سے از عرش تا فرش تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا۔ لہذا عدم سے مشاہدہ قدم کی طرف ان (محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھیجنا جمیع مخلوقات کے لیے رحمت ہے۔ کیونکہ مصدرِ خلقت وہی ہیں، سب کا صدر و ظہور انہی کے نور سے ہے۔ لہذا ان کا ہونا مخلوق کا ہونا ہے

اور اُن کا وجود مبارک جمیع خلایق پر اللہ کی رحمت کا سبب ہے اس لیے کہ سب کے وجود کا سبب وہی ہیں۔ لہذا وہ ایسی رحمت ہیں جو سب کے لیے کافی ہیں۔ اور اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں (یہ بھی) سمجھا دیا ہے کہ قضاء قدرت میں تمام مخلوقات صورتِ مخلوقہ کی طرح بے جان اور بغیر روحِ حقیقی کے پڑی ہوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کر رہی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم میں تشریف لائے تو تمام عالم وجودِ محمدی سے زندہ ہو گیا۔ اس لیے کہ تمام مخلوقات کی روح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت تمام جہانوں کیلئے۔

(تفسیر عرائس البیان ص ۵۲ ج ۲)

آیہ کریمہ کی جو تفسیر ہم نے جلیل القدر علماء مفسرین سے نقل کی ہے اس کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی ہے کہ تمام افرادِ ممکنات کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رابطہ اور تعلق ہے جس کے بغیر حصول فیض ممکن نہیں اور جب سب کا رابطہ حضور سے ہے تو حضور علیہ السلام کسی سے دور نہیں۔ اور نہ کسی فردِ ممکن سے بے خبر ہیں۔ جب وہ رحمتہ للعالمین ہونے کی وجہ سے

روح دو عالم ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ عالم کا کوئی فرد یا جزو اس رحمت مقدسہ سے خالی ہو جائے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ للعالمین ہو کر روح کائنات ہیں۔ اور عالم کے ہر ذرے میں روحانیت محمدیہ کے جلوے چمک رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ آپ کی یہ جلوہ گری علم و ادراک اور نظر و بصر سے معرّی ہو کر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ روحانیت و نورانیت ہی اصل ادراک اور حقیقت نظر و بصر ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ عرش سے فرش تک تمام مخلوقات و ممکنات کے حقائق لطیفہ پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔ اس مضمون کو ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ امر خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ علماء عارفین اور اولیاء کاملین نے جو حقیقت محمدیہ کو تمام ذرات کائنات میں جاری و ساری بتایا ہے ان کی اصل ہی آیہ مبارکہ ہے۔“

(تسکین الخواطر از کاظمی ص ۴۱)

وحی سے قبل نبوت کی تشریح

ہم بار بار اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ نظریہ اصالت کے تحت بریلویت اور اس کے ہم نوا مسالک کا عقیدہ ہے کہ آپ کو نبوت اُس وقت مل چکی تھی جب کہ حضرت آدم اور اس کائنات کا وجود بھی موجود نہ تھا۔ اور جو نبوت قرآن اور وحی کے ذریعے نازل کی گئی ہے یہ نبوت اجراء قوانین کے لیے ہے نبوت کے نزول اور آغاز کے لیے نہیں ہے یعنی اس نبوت میں آپ حقیقتاً نہ وحی کے محتاج اور نہ نزول قرآن کے بلکہ جو کچھ اترنا تھا وہ سب کچھ نزول قرآن سے قبل آپ پر اتر چکا تھا۔

۱۔ نظریہ اصالت کا مفہوم یہ ہے کہ حضور افضل جمیع مخلوق الہی ہیں کہ اوروں کو فرداً فرداً جو کمالات عطا ہوئے حضور میں وہ سب کمالات جمع کر دیے گئے۔ اور ان کے علاوہ حضور کو وہ کمالات ملے جن میں کسی کا حصہ نہیں بلکہ اوروں کو جو کچھ ملا وہ حضور کے طفیل میں بلکہ حضور کے دست اقدس سے ملا۔ (بہار شریعت از امجد علی ص ۱۳ ج ۱)

۲۔ یہ نظریہ ابن عربی سے ماخوذ ہے اس نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ قرآن مجید دو مرتبہ اتر ہے۔ ایک مرتبہ آپ کی حقیقت محمدیہ پر اتر ہے اور دوسری مرتبہ آپ کے جسد عنصری پر اتر ہے۔ (الکبریٰ لا حمر)

اس کے دلائل اب مفتی صاحب کی زبان سے سنئے۔ جناب مفتی احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں :-

ایک شبہ۔ ہماری اس تحریر پر بعض حضرات کی طرف سے ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ جب رسول بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے سب کچھ لے سکتے ہیں تو پھر ان کے اور رب کے درمیان جبریل کا واسطہ کیوں رکھا گیا اور وحی کا سلسلہ کیوں قائم کیا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے :-

نَزَّلَ بِهَا الرُّوحُ الْاَمِينُ
عَلَى قَلْبِكَ
حضرت جبریل نے یہ قرآن آپ کے دل پر اتارا۔

ان آیات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم بلا واسطہ رب سے کچھ نہیں لے سکتے ایسے ہی رسول بلا واسطہ اُس سے نہیں لے سکتے۔ وہ حضرات ایک اور رسول کے حاجت مند ہیں جنہیں شریعت کی زبان میں روح القدس یا جبریل کہتے ہیں۔ اس لیے قرآن کریم نے حضرت جبریل اور ان کے معاونین فرشتوں کو رسول فرمایا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے

اس شبہ کا ازالہ کہ وحی کی آمد اور جبریل علیہ السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آنا قانون کے اجراء کے لیے ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے لیے۔ رب

تعالیٰ نے حضور کو پہلے ہی سب کچھ سکھا پڑھا کر بھیج دیا ہے۔
مگر قوانین الہیہ کا بندوں میں اجراء اُس وقت ہوگا جب
بذریعہ وحی وہ قانون نازل فرمایا جائے گا۔ اس کے چند دلائل
یہ ہیں :-

ایک یہ کہ رب العالمین نے قرآن کریم کی تعریف
اس طرح فرمائی :-

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یہ قرآن پر مہزگاروں کا ہادی
ہے۔

یعنی اے محبوب تمہارا ہادی نہیں۔ تم تو پہلے ہی ہدایت یافتہ
ہو۔ کہیں هُدًى تِلْكَ نہ فرمایا کہ یہ قرآن آپ کے لیے
ہدایت ہے۔“

نزل قرآن کا سلسلہ حضور صلی اللہ
دوسرے یہ کہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے چالیس
سال بعد شروع ہوا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس
سالہ زندگی صدق و امانت، راست گفتاری و پاکبازی کا
مرفع تھی۔ حتیٰ کہ کفار نے آپ کو امین و صادق الوعد کا
خطاب دے رکھا تھا۔ اگر آپ کی ہدایت نزول قرآن پر
موقوف ہوتی تو آپ کے یہ چالیس سال اچھے ماحول کے

مطابق عام اہل عرب کے مطابق گزرتے۔ اور احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اس دراز مدت میں کفر اور شرک تو کیا کبھی کھیل کود، تماشوں، شراب، جھوٹ وغیرہ کے قریب بھی نہ گئے۔

تیسرے یہ کہ جب پہلی وحی نازل ہوئی تو اس وقت سرکارِ غارِ حرا میں چھ ماہ سحرِ اعتکاف، نمازِ سجدہ و رکوع وغیرہ عبادات میں مشغول۔ غور کیجئے کہ اس زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عبادتیں کس سے سیکھی تھیں۔

چوتھے یہ کہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کا تحفہ معراج کی رات لامکان میں پہنچ کر عطا ہوا اور معراج کے سویرے فجر کی نماز نہ پڑھائی گئی۔ ظہر کے وقت سے متواتر دو روز تک جبریل امین حاضر ہوتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت کی نماز پڑھاتے رہے تب نماز پنجگانہ جاری کی گئی۔ مگر یہ بھی غور کیا کہ معراج کی رات فرش سے عرش پر جاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں سارے انبیاء کرام کو نماز پڑھائی اس طرح آپ امام ہوئے اور سارے انبیاء مقتدی۔ جن میں بعض مؤذن اور بعض مکبر بنے۔ غور تو کرو

نماز لینے جا رہے ہیں مگر نماز پڑھا کر جا رہے ہیں۔
 اور کن کو نماز پڑھانی کر ام کو جو اپنی امتوں کو
 نماز پڑھاتے، بتاتے، سکھاتے رہے۔ اور یہ مسئلہ
 معلوم ہونا چاہیے کہ نماز کا امام شرعاً وہ ہوتا ہے جو تمام
 مقتدیوں سے زیادہ نماز کے مسائل سے واقف ہوتا ہے
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بواسطہ
 پانچویں یہ کہ جبریل علیہ السلام نہ ہوتی تھی، وحی کا
 پیش تر حصہ وہ ہے جو بلا واسطہ جبریل حضور پر القاء
 ہوتا تھا۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ
 ”ہمارے محبوب اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے وہ
 سب وحی الہی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے“ اور
 ظاہر ہے کہ ہر کلام پر جبریل امین وحی لے کر نہ آتے تھے۔
 اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

ثُمَّ دَنَىٰ فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ
 فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ۔

”پھر ہمارے محبوب قریب سے قریب تر ہوئے چنانچہ

دو کمانوں میں ہو گئے۔ پھر رب نے اپنے بندے کو جو وحی کی سو کی۔“

ظاہر بات ہے کہ اس قرب خاص کے وقت جو وحی خاص کی گئی وہاں جبریل امین کا گمان و خیال بھی نہ پہنچ سکا۔
 غنچے مَا اَوْحٰی کے وہ چٹکے دنی کے باغ سے
 بلبلِ سدرہ تک ان کی بُوسے محرم نہیں
 بہر حال یہ ماننا ہی پڑے گا کہ رب العالمین اور محبوب کے درمیان
 جناب جبریل کی آمد و رفت اور وحی کا سلسلہ اجراء قوانین
 کے لیے ہے نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محض علم کے لیے۔ ورنہ
 پھر جیسے ہم حضور کے امتی ہیں حضور جبریل امین کے امتی
 ہوئے اور جیسے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں
 حضور جبریل امین کا کلمہ پڑھتے۔“

(رسالہ نعیمیہ ص ۲۵۳)



مقام نبوتہ اور اکابر علماء دیوبند

اکابر کی اغلاط کا تحفظ

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب فرماتے ہیں :-
 ” میرا عقیدہ اکابر دیوبند اعلیٰ اللہ مراتبہم کے متعلق یہ ہے کہ وہ جہانۂ علوم ہیں۔ ان کے کلام میں غلطی تو ہو سکتی ہے مگر ان کی غلطی پکڑنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اگر ان کے کلام کو صرف الفاظ میں لکھ کر کوئی شخص مفتی سے فتویٰ لے لے تو مفتی صرف ظاہر الفاظ پر حکم لگائے گا۔ مفتی کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ ہر کلام کی تحقیق کرتا پھرے کہ یہ کس کا کلام ہے۔ البتہ جب یہ تحقیق ہو جائے کہ یہ کلام اتنے بڑے شخص کا ہے تو مفتی کے ذمہ یہ بہت ضروری ہے کہ وہ صاحب کلام کا حال معلوم کر کے ضرورتاً دلیل کرے۔“

(اکابر علماء دیوبند اتباع شریعت کی روشنی میں ص ۱۸)

اس کتاب میں مقام نبوت کے بارے میں ہم نے دلائل کے ساتھ اکابر دیوبند کا عقیدہ واضح کر دیا ہے۔ اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مفتی صاحبان ان کے

کلام میں کس طرح تاویل کرنا چاہتے ہیں۔

اکابر علماء دیوبند کا اغلاط سے رجوع کرنا

اکابر علماء دیوبند نے مقام نبوت کی تعبیر کو جس طرح اپنے عقائد میں بیان کیا ہے، اس تعبیر کا بنیادی ماخذ حقیقت محمدیہ کا وہی نظریہ ہے جسے وحدۃ الوجود اور فلسفہ لولاک سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں ہم کچھ عبارتیں نقل کر رہے ہیں، تاکہ اس نظریے کی تفہیم میں مزید اضافہ ہو سکے۔ ساتھ ہی ہم ان اہل علم سے جو علماء دیوبند کے مسلک کے ساتھ وابستہ ہیں، دوبارہ درخواست کرتے ہیں کہ جس بنیادی ماخذ پر ہم نے علمی گرفت کی ہے اگر ہماری

۱۔ ہم پہلے ایسی تحریروں کو جمع کر کے ملک کے بڑے بڑے علماء کی خدمت میں بھیج چکے ہیں اور ان کی خدمت میں درخواست کی ہے کہ ایسی تحریروں میں آپ کے نزدیک جو نسی تاویل ہو سکتی ہے اسے واضح کر دیں تاکہ ملت اسلامیہ کی اکثریت ایسے فاسد عقائد سے محفوظ رہ سکے اور جو حضرات ایسی تحریروں کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہیں انہیں علمی اطمینان حاصل ہو سکے۔ لیکن ابھی تک کسی صاحب نے ہماری اس درخواست کا جواب نہیں دیا بلکہ اٹا ہمارا تشنیع اور تکفیر کی راہیں تلاش کر رہے ہیں۔ ۵

فقیہ شہر کو جب کوئی مشغلہ نہ ملے
تو نیک بخت گلے میرے آن پڑتا ہے

اس تحریر میں آپ کو کہیں علمی لغزش محسوس ہو تو تحریر کے ذریعے ہمیں ضرر آگاہ کریں تاکہ ہم اپنی غلطی کا ازالہ کر لیں۔ اگر ہماری گرفت واقعی حقائق کی صحیح توجہ دہانی کر رہی ہے۔ یہ بات چونکہ عقائد سے تعلق رکھتی ہے اس لیے آپ حضرات پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ایسے عقائد سے رجوع کر کے ملت اسلامیہ کی اکثریت کو آخروی گرفت سے بچالیں۔ اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں:-

مولوی احمد رضا خان کی تکفیر کے بعد محدث خلیل احمد سہارن پوری نے اس کے جواب میں اکابر علماء دیوبند کے جو متفقہ عقائد مرتب کیے تھے، جس کا نام المہند علی المفند ہے اور جس پر تمام اکابر علماء دیوبند نے متفقہ طور پر تصدیق کی تھی، اس کی تمہید میں یہ واضح طور پر درج کیا تھا:-

فلو ادعی احد من العلماء انا غلطنا فی حکم فان کان من الاعتقاد یا فعلیہ ان یثبت بنص من ائمة الکلام وان کان من الفرعیات فیلزم ان ینبئ بنیانہ علی القول الراجح من ائمة المذاهب فاذا فعل ذلك فلا یكون منا ان شاء الله تعالى الا الحسنی لقبول بالقلب واللسان و زیادة الشکر بالحنان واسرکان۔ (المہند علی المفند ص ۳)

”پس اگر کوئی عالم ثابت کرے کہ ہم نے کسی شرعی حکم میں غلطی کی ہو اگر وہ غلطی عقائد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے تو اس عالم پر لازم ہے کہ ائمہ کلام کی تصریح سے اپنا دعوے ثابت کرے۔ اگر وہ مسئلہ فروعیات سے تعلق رکھتا ہے تو ائمہ مذاہب کے راجح قول کے ساتھ اپنے دعوے کی بنیاد

ثابت کرے۔ جب ان میں سے کسی غلطی کو بھی وہ دلائل کے ساتھ ثابت کرے گا تو ان شاء اللہ ہماری طرف سے خوبی ہی ظاہر ہوگی یعنی دل اور زبان کے ساتھ اپنی غلطی قبول کر لیں گے اور ساتھ ہی قلب و اعضاء کے ساتھ اس کا شکریہ بھی ادا کریں گے۔“

ہر وہ عالم جو مسلک علماء دیوبند کے ساتھ وابستہ ہے اس تحریر کے بعد اس پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ جن عقائد پر دلائل کے ساتھ جرح و انتہا کی گئی ہے اپنے اکابر کے فرمان کے مطابق ایسے مجروح عقائد سے واضح طور پر رجوع کر لیں۔ اور اگر ہماری جرح پر کوئی علمی خامی محسوس ہوتی ہو تو حقائق علیہ کے ساتھ اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

ان دونوں باتوں میں سے اگر کسی بات کو بھی آپ اختیار نہ کریں گے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نہ اپنے اکابر کے فرمان کا احترام کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی آپ لوگ حق بات کو قبول کرنا چاہتے ہیں۔

دیوبندی مسلک کا مفہوم

محدث خلیل احمد سہارن پوری المہند علی المفند کے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

”ہمارے مشائخ اور ہماری ساری جماعت فروعاً میں امام اعظمؒ کی مقلد ہے۔ اصول اور عقائد میں امام ابو الحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی کی متبع ہے۔ اور سلاسل صوفیہ میں نقشبندیہ چشتیہ۔“

قادریہ اور سہروردیہ کے ساتھ ہمیں انتساب حاصل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم دین کے بارے میں ایسی کوئی بات بھی نہیں کہتے جس پر قرآن و سنت کی دلیل موجود نہ ہو۔ یا اس پر اجماع امت یا کسی امام کا قول ثابت نہ ہو۔ بایں ہمہ ہم دعویٰ نہیں کرتے کہ قلم اور زبان کی لغزش سے ہم بالکل مبرا ہیں۔ اگر ہم پر یہ ظاہر ہو جائے کہ ہم عقائد میں یا فروع میں کوئی غلطی کر رہے ہیں تو اپنی غلطی سے رجوع کر لینے میں ہم کو حیا مانع نہیں ہوتی۔ ہم صریحاً اس غلطی سے رجوع کا اعلان کر دیتے ہیں۔“

(المہند علی المفند ص ۲۹)

اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ عقائد کے بارے میں جہاں صریح غلطی پائی جاتی ہو اس سے فوراً رجوع کر لینا چاہیے۔ مولانا محمد یوسف بنوری لکھتے ہیں :-

”اکابر دیوبند کا مسلک وہی رہا جو حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا تھا۔ حدیث کے بعد فقہ و اجتہاد کی اہمیت کے پیش نظر امام اعظم کو امام تسلیم کر لیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ ارباب قلوب کے علوم تصوف کا صحیح امتزاج کر لیا جائے اور ایک طرف امام ابن تیمیہ کی جلالت قدر کا اعتراف ہو تو دوسری طرف شیخ محی الدین ابن عربی کے کمالات کا اعتراف ہو۔“

(مسلک علماء دیوبند ص ۵)

محدث سہارن پوری کی تحریر کی تلخیص یہ ہے کہ اکابر علماء دیوبند فرماتے ہیں امام اعظمؒ کے مقلد ہیں اور عقائد میں اشعری اور ماتریدی کے متبع ہیں اور سلاسل تصوف میں صوفیہ کے سلاسل اربعہ کے ساتھ وابستہ ہیں اور اور دین میں وہی بات کہتے ہیں جو قرآن و سنت سے ثابت ہو۔ اگر عقائد و فروع میں کہیں غلطی ہو جائے تو اس سے فوراً رجوع مکرر لیتے ہیں۔ مولانا بنوری نے اس کے ساتھ دوسرا اضافہ اس طرح کیا ہے کہ اکابر دیوبند کا مسلک وہی ہے جو حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کا ہے۔ اور اعتدال کی راہ ایسی ہو کہ ایک طرف تو ابن تیمیہ کی جلالت قدر کا اعتراف ہو تو دوسری طرف ابن عربی کے کمالات کا اعتراف ہو۔ یہاں بنوری صاحب نے اجتماع الضدین کی منطق اختیار کی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ابن عربی نظریہ وحدۃ الوجود کا زبردست داعی ہے اور ابن تیمیہ اس نظریے کی وجہ سے ابن عربی کو صاف کافر کہتے ہیں۔ دوسرے ابن تیمیہ ذات نبویہ کے توسل کو ناجائز قرار دیتے اور اکابر دیوبند توسل کو اپنے عقائد میں ضروری شمار کرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن تیمیہ کے نظریات کو مسلک علماء دیوبند میں شامل کرنا ایک غیر مناسب بات معلوم ہوتی ہے۔ ہاں اس مسلک میں ابن عربی کو شامل کرنا بالکل درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ صوفیہ سلاسل کے اکثر مشائخ وحدۃ الوجودی تھے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز دہلوی بھی نظریہ وحدۃ الوجود کے

زبردست حامی تھے اور حضرت مجدد الف ثانی کا نظریہ وحدۃ الشہود
ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کا بالکل مخالف نہیں ہے بلکہ شاہ ولی اللہ
کے نزدیک ایک تعبیر کے دو عنوان ہیں، ان میں صرف لفظی اصطلاحوں کا
فرق ہے لیکن بنیادی تفہیم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ شاہ رفیع الدین محدث
دہلوی نے اپنی کتاب دفع الباطل میں تصریح کی ہے کہ نظریہ وحدۃ الوجود
کے بغیر مدارج ایمانیہ کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب
جو سارے اکابر دیوبند کے شیخ ہیں نظریہ وحدۃ الوجود کے اعتقاد اور حالاً
داعی ہیں۔

قاری محمد طیب صاحب مسلک علماء دیوبند کے اجزاء کو اس طرح جمع
کر کے بیان کرتے ہیں :-

”نقل و عقل کے لباس میں پیش کرنے کا مکتب فکر علماء دیوبند کو
حکمت ولی اللہی سے ملا۔ اصول دین کو معقول سے محسوس بنا کر دکھانے
کا فکر انھیں حکمت قاسمیہ سے ملا۔ فروع دین میں رسوخ و استحکام
پیدا کرنے کا جذبہ انھیں حضرت گنگوہی کی حکمت عملی سے ملا۔ سلوک
میں عاشقانہ جذبات و اخلاق کا دالہانہ جوش و خروش انھیں حضرت
حاجی امداد اللہ سے ملا۔ تصوف کے ساتھ اتباع سنت کا شوق
انھیں حضرت مجدد الف ثانی اور سید احمد شہید بریلوی سے ملا۔
حدیث کے ساتھ فقہ فی الدین کی نسبت اور استناد انھیں حضرت
شاہ عبدالغنی نقشبندی سے ملا، اور دین و سیاست کا علمی و عملی

امتزاج انھیں خاندان ولی اللہ کے مجاہدین سے ملا۔ اس طرح اس مسلک میں یہ سارے عناصر بیک وقت جمع ہو گئے۔“

(مسلک علماء دیوبند ص ۹۲)

قاری محمد طیب صاحب اسی کتاب کے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-
 ”حضرت نانوتوی نے حکمت شرائع پر قلم اٹھایا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ نے حکمت تشریع پر۔ اس لیے اسلام کا اجتماعی فکر تو علماء دیوبند کو حضرت شاہ ولی اللہ سے پہنچا اور کلامی اور عقل و نقل کی آمیزش سے ایک جدید علم کلام کا ذوق انہیں بانی دارالعلوم حضرت نانوتوی سے ملا جس سے مسلک میں جامعیت اور اجتماعیت پیدا ہو جانا قدرتی تھا۔“ (ص ۶۵)

قاری صاحب اس تحریر میں سابقہ اجزاء کی تلخیص کو صرف شاہ ولی اللہ اور حضرت نانوتوی کے نظریات میں جمع کر رہے ہیں۔ اب اس آخری تحریر میں مسلک علماء دیوبند کا لب لباب بیان کرتے ہیں:-

”اس جامع اور معتدل مسلک کا اصطلاحی الفاظ میں خلاصہ یہ

ہے کہ علماء دیوبند دیناً مسلم ہیں، فرقہ کے لحاظ سے اہل سنت و الجماعت ہیں۔ مذہباً حنفی ہیں۔ مشرباً صوفی ہیں۔ ہدایا ماتریدی ہیں۔ سلوکاً چشتی ہیں بلکہ جامع سلاسل ہیں۔ فکر اولی اللہی ہیں۔ اصولاً قاسمی ہیں۔ فروغاً گنگوہی ہیں اور نسبتاً دیوبندی ہیں۔“

(مسلک علماء دیوبند ص ۷۷)

قاری صاحب کے اس لب لباب کا آخری لب لباب ان دو جملوں میں بند ہے کہ علماء دیوبند اصولاً قائمی ہیں اور فروغاً گنگوہی ہیں۔ حضرت محمد انور شاہ کشمیری کے بیان میں علماء دیوبند کے مسلک کو جس طرح واضح کیا گیا ہے اس کے بعد کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مولانا محمد انور لائل پوری لکھتے ہیں :-

”سنہ ۱۳۳۷ھ میں جب علامہ رشید رضا مصری دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہند کے حکم سے حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نے عربی زبان میں ایک مبسوط تقریر فرمائی تھی، اس میں فرمایا تھا :-

ہم نے عقائد میں تو امام تسلیم کیا ہے حضرت مولانا نانوتوی کو اور فروع میں امام تسلیم کیا ہے مولانا رشید احمد گنگوہی کو اور دونوں سے ہم کو صاف اور مبہض علم ملا۔ تو اب معلوم ہوا کہ دیوبندیت منحصر ہے ان دونوں بزرگوں کے اتباع میں، اب ایک کے تو اتباع کا دعویٰ کرنا اور ایک میں نقائص نکالنا یہ کوئی دیوبندیت نہیں۔“

(خلاصہ عقائد علماء دیوبند ص ۱۷۹)

اور یہی بات قاری طیب صاحب لکھ رہے ہیں کہ علماء دیوبند اصولاً نانوتوی ہیں اور فروغاً گنگوہی ہیں۔ ان دونوں حضرات کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ دیوبندیت کے عقائد کا آخری کنارہ نانوتوی صاحب کے نظریات پر موقوف ہے۔ باقی رہا محدث سہارن پوری اور قاری طیب کا یہ لکھنا کہ ہم

عقائد میں ماتریدی ہیں، یہ اس لیے ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں بھی حنفی مذہب کے لوگ رہتے ہیں وہ عقائد کے لحاظ سے ماتریدی کہلاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں تمام بریلوی حنفی مسلک کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں وہ بھی اپنے مدارس میں وہی شرح عقائد پڑھاتے ہیں جو دیوبندی مسلک کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے لیکن بریلویت ماتریدی عقیدے کی وجہ سے مشہور نہیں ہے بلکہ ان نظریات کی وجہ سے ہے جنہیں مولوی احمد رضا بریلوی نے اپنے مخصوص فلسفے میں مدون کیا ہے۔ اسی طرح دیوبندیت بھی ماتریدی عقیدے کی وجہ سے شہرت نہیں رکھتی بلکہ اس مخصوص نظریات کی وجہ سے ہے جسے جناب نانوتوی صاحب نے اپنی مخصوص کتابوں میں ظاہر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب محمد انور شاہ کشمیری واضح الفاظ میں تسلیم کر رہے ہیں کہ ہم عقائد میں حضرت نانوتوی کو اپنا امام تسلیم کرتے ہیں۔ اور قاری طیب صاحب فرما رہے ہیں کہ اکابر دیوبند اصول میں نانوتوی ہیں اور فروغ گنگوہی ہیں۔ نانوتوی صاحب عقائد میں جن نظریات کی وجہ سے امام تسلیم کیے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:-

۱۔ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بالذات ہے اور باقی تمام انبیاء کی نبوت بالعرض۔

۲۔ ذات نبویہ کی حیات، موت کے وقت زائل نہیں ہو سکتی۔ آپ کی موت ساتھ حیات ہے زائل حیات نہیں ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ان دونوں نظریات کی وضاحت نانوتوی صاحب کی اپنی اصل تحریروں کی روشنی میں کی جائے اور ساتھ ہی ان نظریات کے اصل

ماخذ کی بھی نشان دہی کر دی جائے تاکہ ارباب علم پر واضح ہو سکے کہ نانوتوی صاحب کے ان نظریات کا اصل مفہوم کیا ہے۔ جناب نانوتوی صاحب اپنی مشہور کتاب آب حیات میں تحریر کرتے ہیں :-

”واسطہ فی العروض ہونے کی پوری پوری صفت تو خداوند کریم ہی میں ہے اس وجہ سے اسے مالک حقیقی سمجھنا چاہیے۔ دوسرے ترتیب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالکیت سمجھیے کیونکہ اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محققین کے نزدیک وسیلہ تمام فیوض اور واسطہ فی العروض تمام عالم کے لیے ہیں۔ چنانچہ آپ کے لیے مقام وسیلہ کا ملنا بھی عقل کے نزدیک اسی طرف مشیر ہے۔ اور یہاں سے سمجھ میں آتا ہے کہ عجب نہیں جو روایت لولاک لما خلقت الافلاک صحیح ہو کیونکہ اس کا مضمون صحیح ہی معلوم ہوتا ہے۔“ (آب حیات ص ۱۸۴)

نانوتوی صاحب کی یہ عبارت تو کجا بلکہ ساری کتاب ہی دقیق ہے۔ آپ صرف اس عبارت کو دیکھیں جس کی آسان تلخیص یہ ہے کہ محققین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمام کائنات کے فیوضات کا وسیلہ اور تمام عروض کا واسطہ ہیں۔ اس کا ماخذ لولاک کی حدیث ہے۔ کیونکہ اس میں چونکہ ذات نبویہ کو کائنات کی علت غائیہ بیان کیا گیا ہے اس لیے اس حدیث کا مفہوم صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نانوتوی صاحب جس نظریہ کے تحت ذات نبویہ کو فیوضات الہیہ کا واسطہ بنا رہے ہیں اس کا ماخذ لولاک کی حدیث ہے۔ جو محدثین کے نزدیک بالاتفاق موضوع ہے۔

علماء دیوبند جناب نانوتوی صاحب کو عقائد میں چونکہ اپنا امام تسلیم کر رہے ہیں اس لیے مدنی صاحب الشہاب الثاقب میں لکھ رہے ہیں :-
 ”کہ ہمارے تمام اکابر کا عقیدہ ہے کہ ذات نبویہ ازل سے
 ابتداءً واسطہ فیوضات الہیہ ہیں۔ اور اسی واسطے کا نام حقیقت
 محمدیہ ہے۔“

اور نانوتوی کا یہ شعر بھی اسی نظریے کی ترجمانی کر رہا ہے :-
 جلو میں تیرے سبب عدم سے تا وجود
 بجائے تم کو اگر کھیسے مبدأ الآثار
 (الشہاب الثاقب ص ۲۲۶)

آپ کی ذات چونکہ مبدأ الآثار (مصدر کائنات) ہے اس لیے کائنات
 کی ہر چیز جو عدم سے باہر آئی ہے اس کا حقیقی باعث آپ کی ذات ہے اور
 حقیقت محمدیہ کا مفہوم بھی یہی ہے۔

کائنات کی علت غائیہ کے تحت نانوتوی صاحب ذات نبویہ کا
 اسم مبارک بھی اسی لقب سے موسوم کر رہے ہیں :-

”اور روح پاک حضرت لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اگلی قیوم ارواح

۱۔ قیوم ارواح مومنین کا مفہوم حقیقت محمدیہ ہے کیونکہ تدبیر کائنات میں وہی
 واحد واسطہ ہے۔ دوسرے یہ بھی یاد رہے کہ خدا کے سوا قیوم کا اسم استعمال
 کرنا یہ اکابر نقشبندیہ سے ماخوذ ہے۔ اور اس قیومیت کا مفہوم بھی حقیقت محمدیہ ہے۔

مؤمنین ہے تو باعتبار جہت وجود قیوم ہے۔ دونوں جہتوں کے اعتبار سے قیوم نہیں ہے۔“
دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”اور روح مقدس حضرت لولاک صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت فرق ہے۔ ذات خداوندی قیوم جہتین سے ہے اور روح پاک نبوی قیوم جہت واحد ہے“ (آب حیات ص ۱۱)

”بشہادت جملہ خاتم النبیین تمام زمینوں میں ہمارے ہی نبی پاک شاہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہوگی اور وہاں کے انبیاء آپ ہی کے درہوزہ گر ہوں گے۔“ (تخذیر الناس ص ۱۲)

آپ ان عبارتوں کے سیاق و سباق پر پریشان نہ ہوں، آپ صرف یہ دیکھیں کہ جناب نانوتوی صاحب ذات نبویہ کو حضرت لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کیوں لکھ رہے ہیں۔ مقام رسالت کی وجہ سے انبیاء کے القاب چونکہ توفیقی ہوتے ہیں۔ اس لیے ذات نبویہ پر ایسے اسماء کا اطلاق قطعاً درست نہیں ہے۔ حضرت لولاک کا مفہوم وہی ہے جو عیسائیوں کے نزدیک کلمہ اللہ کا مفہوم ہے۔ اور ابن عربی اسے حقیقت محمدیہ اور عقل اول کے ساتھ موسوم کرتا ہے۔ اور عبد الکریم جیلی جو فلسفہ ابن عربی کا شارح ہے وہ اپنی اصطلاح میں اسے انسان کامل کہتا ہے۔ روافض اور صوفیہ اسے عالم صغیر کہتے ہیں اور احمد رضا بریلوی اسے خلیفۃ اللہ الاعظم کے لقب کے ساتھ استعمال

لے امام ماوردی نے احکام السلطانیہ میں واضح کیا ہے کہ کسی کو خدا کا خلیفہ کہنا کفر کے مترادف ہے۔

کرتا ہے۔ جناب بریلوی نے یہ نظریہ ابن حجر مکی اور دوسرے وجودی علماء سے مانخو کیا ہے۔

روح نبویہ کا مربی خدا کا اسمِ علیم ہے اور نبوۃ بالذات کا فلسفہ

کائنات میں تکوینی تصرف کے واسطے میں مشرکین کے دو تصور پائے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ اپنے الوہی اختیار کسی کو تفویض کر دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ خدا کی کوئی صفت کسی منظر میں متشکل ہو کر خود تصرف کرتی ہے۔ عیسائیت کا یہی عقیدہ ہے کہ خدا کی صفت کلام متجسد ہو کر حضرت عیسیٰ کے روپ میں تصرف کرتی ہے۔ اور پہلا نظریہ صابئہ کے قدیم فرقے نے اختراع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا اور کائنات کے درمیان روحانیات کا واسطہ ہے۔ خدا نے اپنے اختیارات ان روحانیات کو

اسمِ علیم روح نبوی کا مربی ہے۔ یہ بحث نظریہ وحدۃ الوجود کے تنزلاتِ ستہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ نانو توی صاحب چونکہ ابن عربی کے نظریہ وجودی کے حامل تھے اس لیے وہ ان کی خفیہ تعبیروں کو اپنے نظریے کی بنیاد بنا رہے ہیں۔

تفویض کر دیے ہیں۔ یہ روحانیات شمس و کوکب کے مظاہر ہیں ظاہر ہو کر کائنات کا تکوینی نظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ جس ستارے کو جو کام سپرد کیا گیا ہے اس ستارے کو اس کا رتبہ النوع کھتے ہیں۔ مقدس ہستیوں کو جو خدا کی ذات و صفات کا مظہر کہا جاتا ہے اس نظریے کا ماخذ بھی یہی نظریہ ہے۔ ان دونوں نظریوں کا خلاصہ یہی ہے کہ یا تو خدا کی کسی صفت کو متجسد کر لیا جاتا ہے یا خدا کی کسی صفت کا کسی وجود کو مظہر بنالیا جاتا ہے اور اس کے تصرف کو مظہر عون الہی کا لقب دے دیتے ہیں۔ جناب نانوتوی صاحب نبوت بالذات ثابت کرنے کے لیے چونکہ نبوت کی ذاتی نوع کو ذات نبویہ پر ختم کرنا چاہتے ہیں اس لیے وہ اپنے اس فلسفے کا ماخذ ابن عربی کے مخصوص نظریے کو ٹھیراتے ہیں اور اس کی تائید کے لیے قرآن و حدیث سے بھی کچھ شواہد پیش کرتے ہیں۔ اب ہم ان کی دوسری اصل عبارتیں پیش کرتے ہیں۔ جناب نانوتوی صاحب اپنی مشہور کتاب آبجیات میں نبوت بالذات والعرض کی اس طرح تصریح کرتے ہیں :-

”اب سنیے! وصف نبوت میں بھی یہی تقسیم ہے کہیں نبوة

ذاتی ہے اور کہیں عرضی ہے۔ سو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تو ذاتی ہے اور سوا آپ کے اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت عرضی ہے۔ دلیل نقلی تو اس کے لیے آیت واذا اخذنا اللہ میثاق النبیین ہے۔ اس لیے کہ سب کی نبوت اگر اصلی ہے تو پھر سب متساوی الاقدام ہیں اس صورت میں مقتضائے حکمت

حکیم مطلق یہ ہونا تھا کہ کوئی کسی کا تابع اور مقتدی نہ ہوتا۔ اور اقتدار و
اتباع کو لازم ہے کہ مقتدی فاعل اور مقتدی مفعول سے درجہ سافل
میں ہو اور اتصاف ذاتی اس بات کو مقتضی ہے کہ سب ایک درجہ
میں ہوں۔ (آب حیات ص ۲۵۲)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

”و یتم نعمتہ علیٰ تویوں سمجھ میں آتا ہے کہ اسمِ علیم
مرتبٰی روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہو اس لیے کہ سورہ فتح میں اتمامِ نعمت
خاص آپ کے لیے ہے اور سورہ مائدہ میں و اتممت علیکم
نعمتی اگرچہ خطاب عام ہے مگر مقصود بالذات آلِ حضرت صلی
اللہ علیہ وسلم ہیں اور سب آپ کے طفیلی ہیں اور آپ امام ہیں“
(آب حیات ص ۱۵۳)

ایک دوسرے مقام پر اس طرح تصریح کرتے ہیں :-

”اب یہ گزارش ہے کہ حدیثِ علمت علم الاولین والآخرین
اگر ذوقِ فہم ہو تو دو باتوں پر دلالت کرتی ہے ایک تو یہ کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم جامعِ جمیع علوم سابقہ و لاحقہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ
پہلے اور کوئی نبی جامعِ جمیع علوم مذکورہ نہیں۔“ (آب حیات ص ۱۵۳)

اسمِ علیم مرتبٰی روحِ محمدی کی دوسری تشریح اس طرح کرتے ہیں :-

”اور یہ بات جب ہی متصور ہے کہ اسمِ علیم مرتبٰی روح
پُر فتوح حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہو کیونکہ اگر سمیع یا بصیر

اسماء علیہ میں ہے مربی روح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا تو علوم باقیہ
سے آپ محروم رہتے اور اتمام نعمت نہ ہوتا ہاں اسمِ علیم جمیع اسماء علیہ کو
مشتمل اور محیط ہے۔ (آب حیات ص ۱۵۴)

ایک مقام پر اس طرح لکھتے ہیں :-

”اور ان سب کے بعد حدیث بعثت لاقتم مکارم الاخلاق
اور حدیث ختم بی النبیون وختم بی الرسل مضامین مسطورہ بالا کی
مصدق ہے پر شرط یہ ہے کہ فہم سلیم اور ذہن مستقیم چاہیے بالجملہ آیات
مذکورہ کو باہم ملائیے تو یہ بات خود بخود ڈپکتی ہے کہ مربی و استاد نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم اسمِ علیم ہے جو جمیع علوم کو محتوی اور مشتمل ہے اور
مربی و استاد انبیاء گزشتہ اور اسماء علی ہیں جو بہ نسبت اسمِ علیم خاص ہیں“
(آب حیات ص ۱۵۴)

کتاب ہذا کے ص ۱۵۵، ص ۱۵۶ میں فانوس زجاجی اور شمع کا فوری کی جو مثال
دج ہے اس میں اس نظر سے کی اچھی طرح تشریح ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ
دوسری مثال فاعل مطلق اور قابل مطلق، فاعل خاص اور قابل خاص کی مثال
بھی دج ہے۔ ان دونوں مثالوں سے نبوت بالذات اور واسطہ فیوضات
الہیہ کی پوری تفہیم ہو جاتی ہے۔ اہل علم اصل کتاب کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں
نا تو تو صاحب اپنی کتاب تحذیر الناس میں مربی روح نبوی کے فلسفے اور ماخذ کی
اس طرح تشریح کرتے ہیں :-

”جب نبوت کمالاتِ علمی سے ہوئی اور دربارہ علم رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم موصوف بالذات ہوئے تو دربارہ نبوت بھی آپ موصوف بالذات ہوں گے اور آیت واذا اخذ الله ميثاق النبيين لما اتيتم في جو لفظ مصدق لما معكم ہے تو اس سے بعد لحاظ اس بات کے یہ خطاب تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ہے اور کلمہ ما اس جگہ عام ہے کہ تمام علوم اور کتب کو شامل ہے اور یہ بات اور بھی موجہ ہو جاتی ہے کہ نبوت کمالات علمی سے ہے اور آپ جامع العلوم ہیں اور باقی انبیاء جامع نہیں ہیں۔ غرض جو بات حدیث علت علم الاولین والآخرین سے ثابت ہوئی تھی مع شے زائد آیت مذکورہ سے ثابت ہے۔ سو ایک تو یہ ہی بات ہے کہ نبوت کا کمال علمی میں سے ہونا اس سے ظاہر ہے کیونکہ رسول کی صفت میں یہ فرمانا کہ مصدق لما معکم جو لاجرم من جملہ کمالات علمی ہے۔ کیونکہ تصدیق علم ہی سے متصور ہو سکتی ہے۔ یہ اس جانب مشیر ہے کہ اس رسول کا علم ایسا عام ہوگا۔ پھر بایں ہمہ لفظ رسول ہے بایں نظر کہ زبان عربی میں پیغمبر (پیغام بر) کو کہتے ہیں کہ پیغام منجملہ اوامر و نواہی ہوتا ہے جو بے شک از قسم علوم ہے اس پر دل ہے اور عہد کا لینا آپ کا نبی الانبیاء ہونا ثابت ہے۔ علاوہ بریں حدیث کنت نبیا واد مربین الماء والطين بھی اس جانب مشیر ہے

۱۴ نبی الانبیاء کا ماخذ عہد انبیاء ہے۔ ۱۵ فصوص الحکم ص ۱۵ میں ہے (بقیہ صفحہ آئندہ)

کیونکہ فرق قدم نبوت اور حدوث نبوت باوجود اتحاد نوعی خوب جب ہی چسپاں ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ یہ وصف ذاتی ہو اور دوسری جگہ عرضی اور فرق قدم و حدوث اور دوام و عروض فہم تو اس حدیث سے ظاہر ہے ہر کوئی سمجھتا ہے اگر نبوت کا ایسا قدیم ہونا کچھ آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہ ہوتا تو آپ مقام اختصاص میں (یعنی کنت نبیاً) یوں نہ فرماتے۔

علاوہ بریں حضرات صوفیہ کرام کی یہ تحقیق کہ مربی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تعین اول صفت علم ہے اور بھی اس کی مؤید ہے۔
(تحدیر الناس ص ۶)

یہ مقالہ ہم چونکہ اہل علم کے لیے لکھ رہے ہیں اس لیے جناب نانوتوی صاحب کی عسیر الفہم عبارتوں کی مکمل تشریح یہاں بیان نہیں ہو سکتی۔ ہم صرف یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جناب نانوتوی صاحب کا یہ فلسفہ جس میں آپ ذات نبویہ کی نبوت بالذات اور دوسرے انبیاء کی نبوت بالعرض

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کنت نبیاً کا مفہوم یہ ہے کہ آپ عالم ارواح میں حقیقی نبی تھے۔

۱۔ حق تعالیٰ نے غیب ہویت سے تعین اول یعنی وحدت میں اپنے پر اپنی تجلی فرمائی یہ علم ہے۔ سر دلبران ص ۲۴۹ قرآن و تصوف از میر ولی الدین صاحب ص ۱۷ تعلیمات غوثیہ وغیرہ میں تعین اول کی بحث موجود ہے اور یہ بحث وحدۃ الوجود سے تعلق رکھتی ہے

ثابت کرنا چاہتے ہیں اس فلسفے کا ماخذ کیا ہے اور اس نظریے کی تائید میں جن آیات اور احادیث کو بطور شواہد و دلائل پیش کیا گیا ہے ان سے ایسے نظریے کا استخراج کرنا کس قدر کمزور معلوم ہوتا ہے۔ اب نانو تووی صاحب کی درج بالا عبارتوں میں جہاں جہاں یہ لکھا ہوا ہے کہ ”اسمِ علیمِ ربی روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے“ اس جملے کے سیاق و سباق کی عبارتوں کو پڑھیں کہ وہ کس طرح اس بات کو بعض آیات اور حدیث سے مؤید کر رہے ہیں اس سے تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہی بات ان آیات اور حدیث میں صاف صاف موجود ہے۔ لیکن تحذیر الناس میں لکھتے ہیں کہ ”علاوہ بریں حضرات صوفیہ کی یہ تحقیق کہ ربی روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تعینِ اول صفتِ علم ہے اور بھی اس کی مؤید ہے“ (تحذیر الناس ص ۷) اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے اسمِ علیم کہ روحِ محمدی کا ربی بنا کر اس سے آپ کی ذات کو مصدرِ علم بنانا پھر نبوت کو کمالاتِ علمی کا محور بنا کر اس سے نبوة بالذات کا نتیجہ اخذ کرنا اس فلسفے کا تمام تر ماخذ صوفیہ و وجودیہ کا نظریہ حقیقتہً محمدیہ ہے جس کا نانو تووی صاحب نے خود اعتراف کر لیا ہے کہ یہ تحقیق حضرات صوفیہ کی ہے۔ باقی رہا اس نظریے پر بعض آیات اور حدیث کو بطور شواہد پیش کرنا ہم ایسے شواہد کو تحریف کے مترادف سمجھتے ہیں نہ کہ اسے قرآن و حدیث کی صحیح تعبیر۔ آپ صرف لولاک کی موضوعِ حدیث کو دیکھ لیجیے کہ کس طرح اسے اس نظریے کا بنیادی محور ٹھہرایا جا رہا ہے حالانکہ جس طرح اس حدیث کے الفاظ موضوع ہیں، اس کا مطلب اس سے

بھی زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ اس حدیث سے آپ کی ذات کو علت غائیہ ثابت کیا گیا ہے۔ حالانکہ افعال الہیہ پر تعلیل کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ فعل کی علت اپنے فعل کے استکمال کا موجب ہوتی ہے اور ایسی بات قدرت الہیہ کی مشیت کے خلاف ہے۔ دوسرا نقص یہ ہے کہ جب ہم تخلیق کائنات کے لیے کوئی علت غائیہ بنائیں گے تو لازماً اس کے ساتھ کوئی علت مادیہ بھی بنائیں گے یہی وجہ ہے کہ جن جن مذاہب اور ادیان میں تخلیق کائنات کے لیے علل تجویز کیے گئے ہیں انہیں خدا کے ساتھ روح، مادہ یا کائنات کو بھی قدیم کہنا پڑا ہے۔ اب ہم جناب نانوتوی صاحب کی دوسری عبارتیں نقل کرتے ہیں جن میں نبوۃ بالذات کے نظریے کو مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہے۔ اس میں ہم اہم عبارتوں کے صرف اقتباس درج کریں گے۔ ان عبارتوں کی تفہیم اور ان میں باہمی ربط کے بعد ان سے مطالب کا استخراج کرنا یہ بات ہم اہل علم پر چھوڑتے ہیں کیونکہ اس مقالے کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ اس نظریے کے عواقب سے اہل علم کو آگاہ کیا جائے، تاکہ اس کے مہلک اثرات آنے والی فسلوں میں نہ پھیل سکیں۔

نبوة بالذات کے دوسرے شواہد اور ختم نبوة کا مفہوم

مولانا نانوتوی صاحب اپنی مشہور کتاب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں :-
 ” تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ
 موصوف بالذات پر ختم ہوتا ہے۔ جیسے موصوف بالعرض کا وصف
 موصوف بالذات مکتب ہوتا ہے۔ موصوف بالذات کا وصف
 جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم
 ہے کسی غیر سے مکتب اور مستعار نہیں ہوتا۔ مثال درکار ہے تو لیجیے
 زمین و کوہسار اور در و دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا
 نور کسی اور کا فیض نہیں ہے اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے
 اتنی ہی تھی الغرض یہ بات بدیہی ہے کہ موصوف بالذات
 سے آگے سلسلہ ختم ہو جاتا ہے سو اسی طور رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمائیے یعنی آپ موصوف بوصف

لے دیکھیے نانوتوی صاحب ختم نبوت کا یہ مفہوم بیان کر رہے ہیں کہ موصوف
 بوصف نبوت بالذات تو آپ ہیں اور باقی تمام انبیاء موصوف بوصف نبوت
 بالعرض ہیں۔ یعنی ان تمام نبیوں کی نبوت آپ کا فیض ہے۔ آپ پر سلسلہ نبوت
 ختم ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ موصوف بوصف نبوة بالذات کا (باقی آگے)

نبوت بالذات ہیں اور سو آپ کے اور نبی موصوف بوصف بالعرض۔ اور وہ کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں ہے۔ آپ پر سلسلہ نبوت مختتم ہو جاتا ہے عرض آپ جیسے نبی الامتہ ہیں ویسے نبی الانبیاء بھی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ شہادت و اذ اخذ اللہ میثاق النبیین۔ اور انبیاء کرام سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کے اقتداء اور اتباع کا عہد لیا گیا۔ ادھر آپ کا یہ ارشاد علمت علم الاولین والآخرین بشرط فہم اسی جانب مشیر ہے۔ شرح اس معنی کی یہ ہے کہ اس ارشاد سے ہر خاص و عام کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اوّلین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور۔ لیکن وہ سب علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں مجتمع ہیں۔ سو جیسے علوم سمع اور ہیں اور علم بصر اور۔ پرہاں ہمہ قوت عاقلہ اور نفس ناطقہ میں یہ سب علوم مجتمع ہیں، ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ

البقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اطلاق آپ کے وجود بشری پر نہیں ہو سکتا لازماً اسے دوسرے وجود پر ماننا پڑے گا جو وجود کہ حضرت آدم سے قبل ہوگا۔ یعنی اس وصف کا اطلاق صرف روح نبوی پر ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اس روح کی نبوت کو نبوت بالذات کی وجہ سے حقیقی نبی ماننا پڑے گا۔ لہٰذا اس آیت سے یہ ثابت کرنا کہ آپ نبی الانبیاء ہیں تحریف معنوی کے مترادف ہے اور نہ اس آیت سے نبوت بالذات کی دلیل کا استخراج ہو سکتا ہے۔

علیہ وسلم اور انبیاء باقی کو سمجھیے۔ پھر ظاہر ہو کہ سمع و بصر اگر مدد رک و عالم ہیں تو بالعرض، ورنہ مدد رک حقیقی اور عالم حقیقی وہ عقل اور نفس ناطقہ ہی ہے۔ اسی طرح عالم حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور باقی انبیاء اور اولیاء اور علماء گزشتہ و مستقبل اگر عالم ہیں تو بالعرض ہیں۔
(تخذیر الناس، ص ۴، ۵)

مرتبہ ختم نبوت کا مفہوم

مولانا نانوتوی اپنی کتاب تذخیرہ الناس میں لکھتے ہیں :-
” اطلاق خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلہ نبوت آپ پر ختم ہوتا ہے جیسا انبیاء گزشتہ کا وصف نبوت میں آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آپ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا۔ اس میں انبیاء گزشتہ ہوں یا کوئی اور۔“

۱۔ علمت علم الاولین والآخرین سے یہ کہاں ثابت ہو رہا ہے کہ جو اولین اور آخرین کے علوم ہیں ان کے علوم ذاتی نہیں ہیں حالانکہ اولین میں انبیاء کے سارے علوم بھی شامل ہیں۔ کیا ہم ان کے علوم وحی کو ذاتی علوم نہ کہیں گے۔ دوسرے قرآن میں ہے کہ آپ کو بعض نبیوں کا علم نہیں ہے۔ جب ان کے ذاتی وجود کا آپ کو علم نہیں ہے تو ان کے علوم کا آپ کو کیسے علم حاصل ہو جائے گا۔

اور اسی طرح اگر فرض کیجیے آپ کے زمانے میں بھی اس زمین پر یا کسی
اور زمین میں یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصف نبوت
میں آپ کا محتاج ہوگا۔“ (تخذیر الناس ص ۱۲)

دوسری جگہ ہے :-

”غرض اختتام اگر باس معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا
خاتم ہونا انبیاء کے شتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض
آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور
باقی رہتا ہے۔“ (تخذیر الناس ص ۱۳)

نبوت کون و مکان کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں :-
”تاکہ اشارہ شناسان حقیقت کو یہ معلوم ہو کہ آپ کی نبوت

۱۔ مرتبی ختم نبوت کے بارے میں جو ان عبارتوں میں تشریح کی گئی ہے وہ یہ
ہے کہ نبوت ایک جنس ہے جسے آپ کی ذات پر ختم کر دیا گیا ہے۔ اس جنس کے
اختتام کا نام ختم نبوت ہے۔ اب جس نبی کو بھی نبوت کا فیض ملے گا آپ کی
ذات سے ملے گا۔ اس میں زمانی تقدم و تاخر کی شرط نہیں ہے۔ اس صورت
میں آپ کو نہ صرف انبیاء کے افراد خارجی پر تفوق حاصل ہوگا بلکہ افراد مقدمہ پر بھی
آپ کو فضیلت حاصل ہوگی۔ آپ کی نبوت سے فیض لینے کی مثال ایسی ہے
جیسے آئینہ کو سوچ کے سامنے کر دیا جائے۔ آئینہ سوچ سے روشنی حاصل کر کے
دیوار پر روشنی کا عکس ڈالتا ہے۔

کون و مکان زمین و زمان کو شامل ہے۔“ (تخذیر الناس ص ۱۸)

ختم مرتبی کی اہم شریعت اس طرح کرتے ہیں :-

”ہاں اگر خاتمیت بمعنی اوصاف ذاتی بوصف نبوت لیجیے

جیسا کہ اس عاجز نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی

اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کی افراد

خارجی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی افراد مقدہ پر بھی آپ

کی فضیلت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی

صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ

فرق نہ آئے گا۔ (تخذیر الناس ص ۲۴)

۱۵ آپ کی نبوت کون و مکان زمین و زمان کو شامل ہے۔ اس میں حقیقت

محمدیہ کی طرف اشارہ ہے۔ آپ سے قبل جتنے رسول گزرے ہیں، ان

سب کی نبوت کو بالعرض کے درجے میں داخل کر دیا گیا ہے۔ عرض وہ ہوتا

ہے جس کا وجود کسی جوہر کے ساتھ وابستہ ہو، تو اب کون و مکان کا وہی نبی

ہوگا جس کی نبوت ذاتی ہو۔ دوسرے جب انبیاء گزشتہ اور افراد مقدہ نبوتہ کا فیض

لینے کے لیے آپ کے دروازہ گھر ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی روح پر ہی ذاتی

نبوت کا اطلاق ہو سکتا ہے آپ کے وجود بشری پر ذاتی نبوت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

قابل گرفت یہی بات ہے، اگر اہل علم اس پر ذرا غور فرمالیں۔

دوسرے نبیوں کی نبوت بالعرض کا مفہوم نانوتوی صاحب اس طرح بیان کرتے ہیں :-

” اور انبیاء علیہم السلام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لے کر اپنی امتوں کو پہنچاتے ہیں غرض بیچ میں واسطہ فیض میں مستقل بالذات نہیں۔ مگر یہ بات وہی ہے جو آئینے کی نور افشانی میں ہوتی ہے۔ غرض جیسے آئینہ آفتاب اور اس دھوپ میں واسطہ ہوتا ہے جو اس کے وسیلہ سے ان مواضع میں پیدا ہوتی ہے جو خود مقابل آفتاب نہیں ہوتی پر آئینہ مقابل آفتاب کے مقابل ہوتی ہیں ایسے ہی انبیاء باقی بھی مثل آئینہ بیچ میں واسطہ فیض ہیں۔ غرض اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ہے کوئی ذاتی کمال نہیں۔“

(تکذیر الناس ص ۲۸)

مرتبہ ختم نبوت کی مزید تشریح

مولانا نانوتوی کے زمانے میں مولانا عبد العزیز صاحب نے مرتبہ نبوت کی بحث پر چند اشکال وارد کیے تھے۔ آپ نے ان اشکال کا جو جواب دیا ہے وہ جواب مع اشکال مناظرہ عجیبہ کی کتاب میں درج ہے۔ اس بحث و محیص کی وجہ سے مرتبہ نبوت کے ماخذ کی حقیقت زیادہ واضح ہو گئی ہے۔ لہذا ہم اس کتاب سے چند اقتباس نقل کر رہے ہیں تاکہ مرتبہ نبوت کی تفہیم میں مزید

اضافہ ہو سکے۔

مولانا عبد العزیز صاحب نے مرتبی اور ذاتی نبوت پر جو اہم اعتراض کیا ہے

وہ یہ ہے :-

”جب کہ موصوف بالذات موقوف الیہ بالعرض ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ مقدم بالذات یا مقدم بالزمان ہوتا تاخر زمانی اس کو کیسے لازم ہے۔ آپ یہ فرمائیں کہ مقدم بالذات کو کیوں کرتاخر بالزمان لازم ہے۔“ (مناظرہ عجیبہ ص ۹)

جناب نانوتوی صاحب اس اشکال کا اس طرح جواب دیتے ہیں :-
 ”مولانا صاحب، حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلم ہے اور یہ بات بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ آپ اول المخلوقات ہیں علی الاطلاق کیسے یا بالاضافۃ جو جیسے اس تقدیم و تاخر کے اجتماع کا تسلیم کرنا آپ کے ذمہ لازم ہے اسی طرح موصوف بالذات بالنبوت کا تقدم اور پھر تاخر دونوں مجتمع ہو سکتے ہیں۔“

اب سنیہ کہ روح پر فتوح محمدی جو اصل موصوف نبوت ہے اور احوال انبیاء باقیہ کے لیے موقوف علیہ ہے اس وجہ سے آپ کو تقدم بالخلق لازم ہوا۔ مگر روحانی مخلوقیت کو تولد جسمانی لازم نہیں، اور اگر آپ کے نزدیک لازم ہے تو پھر ثابت کیجیے اور اول بالخلق اللہ نوری وغیرہ مضامین کی تغلیط کیجیے“ (مناظرہ عجیبہ ص ۹، ۱۰)

مولانا عبد العزیز کا اعتراض کافی وزنی معلوم ہوتا ہے کہ موصوف بالذات موقوف الیہ بالعرض ہوتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقدم بالذات یا مقدم بالزمان ہو اسے تاخر زمانی لازم نہیں ہو سکتا۔ اب مولانا نانوتوی کا جواب ملاحظہ کیجیے، کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلم ہے اور یہ بات بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ آپ اول المخلوقات ہیں۔ دوسرے روح نبوی جو اصل موصوف نبوت ہے تمام انبیاء کی ارواح کی موقوف علیہ ہے اس وجہ سے آپ کو تقدم بالخلق لازم ہوا۔ اس جواب میں اب مولانا نانوتوی کا مرکزی فلسفہ سمجھیے جس میں پہلے وہ خود گرفتار تھے اب اپنے جواب میں دوسروں کو بھی گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض کرنے والے مولوی عبد العزیز نے بھی پہلے اس نظریے میں گرفتار تھے اس لیے انہوں نے نانوتوی صاحب کے اس جواب پر اعتراض نہیں کیا بلکہ دوسرے اشکال پیش کر کے مرتبی نبوة کی بنیادی بحث کو الٹا کھزور کر دیا ہے۔ اب ہم اصل بات کو واضح کرتے ہیں :-

خاتمیت زمانی کا سب کے نزدیک مسلم ہونا تو نص قطعی سے ثابت ہے۔ لیکن نانوتوی صاحب کا یہ کہنا کہ ”آپ اول المخلوقات ہیں یہ یہ بات بھی سب کے نزدیک مسلم ہے“ یہ بات کس نص سے ثابت ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عقیدہ میں آپ کی یہ اولیت بھی ختم نبوت کے برابر سمجھی جائے گی۔

اسی طرح اس کا انکار بھی ختم نبوت کے اعتراض کے مترادف ہوگا۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسے عقیدے کا کوئی بھی قائل نہیں کہ آپ کی اولیت کے عقیدہ کو ختم نبوت کے عقیدے کے برابر سمجھا جائے۔ نانوتوی صاحب دوسرا ثبوت یہ دے رہے ہیں کہ آپ کی روح ارواح انبیاء باقیہ کے لیے موقوف علیہ ہے اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش کر رہے ہیں اول ما خلق اللہ نوری وللخلق کلہم من نوری۔ ارباب تحقیق جانتے ہیں کہ یہ حدیث اور اس قسم کی دوسری احادیث موضوع ہیں۔ ایسی حدیثوں پر اعتماد کر کے مرتبی نبوت جیسے عقیدے کی بنیاد رکھنا کس قدر ظلم ہے۔ دوسرے اس حدیث کے مفہوم سے آپ کی روح صرف انبیاء کی ارواح کی موقوف علیہ نہیں بن سکتی بلکہ ہر ذی روح کی موقوف علیہ بن جائے گی۔ آپ سیدھی بات کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ذات نبویہ کا وجود ذاتی ہے اور باقی تمام کائنات کا وجود بالعرض۔ کائنات میں چونکہ انبیاء بھی شامل ہیں اس لیے جب ان کا وجود بالعرض ہے تو ان کی نبوت بھی بالعرض بن جائے گی۔ اب جس کا وجود بالذات ہوگا تو اس وجود کے جتنے اعراض ہوں گے لازماً اس وجود کو اپنے اعراض سے تقدم ذاتی حاصل ہوگا۔ یہ وہی خام نظریہ ہے جس کے تحت ذات نبویہ کو کائنات کی علت غائیہ اور علت مادیہ بنایا گیا ہے اور نبوت بالذات اس عقیدے کا ایک ادنیٰ جزو ہے۔ اس عقیدے کے تحت نانوتوی صاحب تو ذات نبویہ کے تقدم بالخلق کو ثابت کر رہے ہیں۔

۱۔ نانوتوی صاحب دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم (باقی آئندہ صفحہ پر)

نانو تووی صاحب اپنے اس نظریے کی دوسری جگہ مزید تشریح کرتے ہیں :-
 ”اس بارے میں میرا نظریہ یہ ہے کہ اولیت زمانی یا آخریت زمانی
 بحیثیت جہات مختلفہ خاتمیت مرتبی کے اجزاء ہیں۔ میں اصل کمال معلول
 اور مسببات کو گردانتا ہوں اور دوسرے حضرات اس کے عکس دوسری
 بات کو لیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں میرے نزدیک اولیت شفاعت
 اولیت مخلوقیت اور خاتمیت کی بنا پر اولیت ذاتی اور خاتمیت مرتبی
 ہونا آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال ذاتی کی وجہ سے ہے۔
 اولیت اور آخریت اس کے مقتضیات میں سے ہے۔ آپ کی
 اولیت اور آخریت وجہ کمال اور مقتضاء علت نہیں ہے۔ اس
 کی مثال یوں سمجھیے کہ تخم اور جڑ کو وجہ اولیت ذاتی کے اولیت
 زمانی ہوتی ہے کیونکہ اس کا ظہور اس علت اور سبب کی وجہ سے
 ہوتا ہے اور پھل کا آخر میں ظہور اس کی ذاتی خوبی کی وجہ سے ہوتا
 ہے اور مقصود ہاتھ آجاتا ہے کہ علت سے انتہا پیدا ہوتی ہے۔
 اس کے برعکس معاملہ نہیں ہوا کرتا۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ تقدیم زمانی
 سے اصل مقصد ہاتھ آیا۔ ثمر جو کہ مقصود ہے علت غائی تاخر
 زمانی سے حاصل ہوتی ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ کمال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اول مخلوقات ہیں بدیل اول ما خلق اللہ نوری اور
 آخر الانبیاء بدیل خاتم النبیین۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۱۲۵)

ذاتی کو اصل قرار دیں یا تاخیر زمانی کو کمال کی علت کہیں۔“ اے

(مناظرہ عجیبہ منشا)

اس تحریر میں جناب نانوتوی صاحب نے اپنے نظریے کی مکمل تلخیص بیان کر دی ہے۔ لیکن تفہیم و تمحیص کی خاطر ہم آپ کی دوسری عبارتیں بھی

اے نانوتوی صاحب کی اس تحریر میں پوری وضاحت کر دی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مصدر کائنات اور علت غائیہ ہے۔ تخم اور جڑ کی مثال وہی ہے جو وجودیہ صوفیہ کی اکثر کتابوں میں موجود ہے۔ علامہ سید احمد کاظمی بھی ذات نبویہ کو مصدر کائنات ثابت کرنے کے لیے یہی مثال پیش کر رہے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

”ہمارا مسلک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبدأ کائنات اور منشا کائنات ہیں، آپ اصل ہیں اور ساری کائنات اس اصل کی فرع۔ فرع کہتے ہیں شاخ کو اور اصل کہتے ہیں جڑ کو۔ بتاؤ جس درخت کی جڑ نہ ہو تو اس کی شاخیں باقی رہیں گی۔ میرا ایمان ہے اگر آپ کی ذات نہ ہو تو کائنات زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر وہ مر گئے تو ہم کیسے زندہ رہ گئے۔“ (ذکر حبیبہ کاظمی ص ۱۱)

اگر آپ تدبیر کریں تو نانوتوی اور کاظمی فلسفے میں سر مو بھی فرق نہیں پایا جاتا۔ دوسرے نانوتوی صاحب اور کاظمی صاحب جس نظریے کی وضاحت کر رہے ہیں اسے فلسفہ اصالت کہتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب اس فلسفے کو اچھی طرح سمجھ لیں تو انھیں معلوم ہو جائے کہ یہ حضرات امت مسلمہ کو کس خطرناک اُدی میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔

نقل کرتے ہیں۔ تاکہ اس نظریے کا بنیادی ماخذ زیادہ اُجاگر ہو جائے۔ نانوتوی صاحب کا عقیدہ ہے کہ اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت کے ساتھ موصوف بالذات غیر مکتسب من الغیر ہیں۔ اس پر جو اشکال وارد ہوتا تھا آپ اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں:

”اور وہ بالذات وجود ہر بالعرض کے لیے چاہیے۔ یہاں وجود ہے جو ذات بحت سے صادر ہوا ہے اس وجہ سے اس کو لازم ذات خداوندی کہنا ضروری ہے۔ اور اسی وجود کو محققین صوفیہ کرام صادر اول، وجود منبسط اور نفس رحمانی کہتے ہیں۔ اس وجود کو تو عین ذات خداوندی کوئی نہیں کہتا۔ اگر بعض اکابر نے اسی کو ذات قرار دیا ہے تو وجہ اس کے اس کے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ان کا ادراک کسی وجہ سے نہیں منتهی ہوا۔

(مناظرہ عجیبہ ص ۱۳ و ص ۱۴)

ہم نے اس مقالے کے شروع میں لکھ دیا ہے کہ نانوتوی صاحب کے فلسفہ کا بنیادی ماخذ ابن عربی کا نظریہ وحدۃ الوجود ہے۔ وحدۃ الوجود کی بنیادی اینٹ، تعین اول یعنی حقیقت محمدیہ پر رکھی گئی ہے۔ اس حقیقت محمدیہ کو جس کا دوسرا نام تعین اول ہے وجودیہ صوفیہ کے نزدیک اسے متعدد ناموں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ تنزل اول۔ صادر اول۔ جوہر بسیط۔ عقل اول۔ نفس کلیہ وغیرہ۔ یہ سب اسی حقیقت محمدیہ کے اسماء ہیں۔ سابقہ اوراق میں نانوتوی صاحب کی عبارتوں میں جہاں یہ آیا ہے کہ اسم علیم روح محمدی کا مزی ہے یہ بات بھی حقیقت محمدیہ سے تعلق رکھتی ہے۔ وحدۃ الوجود کی بحث چونکہ غیر الفہم ہے

اس لیے ہم اس بحث کو یہاں نہیں چھیڑنا چاہتے۔ اس جگہ صرف اس بات کو واضح کرنا مقصود ہے کہ نانوتوی صاحب کا نظریہ نبوت بالذات ہو یا حیات بالذات اس کا بنیادی ماخذ کیا ہے۔ جناب نانوتوی صاحب نے تحذیر الناس میں جس بحث کو چھیڑا ہے وہ اصل میں حضرت ابن عباسؓ کے ایک اسرائیلی اثر کا جواب ہے جس میں ہے کہ خدا نے سات زمینیں پیدا کی ہیں۔ جیسے اس زمین میں حضرت آدم اور ابراہیم علیہما السلام وغیرہ اور آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں ایسے ہی باقی چھ زمینوں میں بھی ان پیغمبروں کے ہم نام اور ہم مثل پیغمبر پیدا ہوئے ہیں۔ اس اثر کے ظاہری مفہوم سے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثلیت اور آپؐ کی ختم نبوت پر صرف اتنا تھا، نانوتوی صاحب نے ایسے اشتباہ کو دور کرنے کے لیے بنیادی طور پر نبوة بالذات کا فلسفہ اختراع کیا، انہوں نے اس فلسفے کے تحت کافی خام جواب دیے ہیں ان میں سے ایک جواب یہ دے رہے ہیں :-

”اور جو لوگ اس اثر ابن عباسؓ کے منکر ہوئے اور تغلیط المفسر حدیث اور تکذیب حضرت ابن عباسؓ بلکہ تکذیب سید الناس صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف نہ کیا یہ بات کوئی نہ سمجھے کہ جیسے عکس آئینہ کو ہو ہو

اس اثر ابن عباسؓ ایک اسرائیلی روایت ہے بڑے بڑے محدثین نے اس اثر کو موضوع کہا ہے لیکن نانوتوی صاحب کا حال دیکھیے کہ اس اثر کا انکار ان کے نزدیک ذات نبویہ کی تکذیب کے مترادف ہے۔

مشابہ اور مماثل ذی عکس سمجھتے ہیں اسی طرح اگر انبیاء خاتمان آراضی سافلہ کو
 عکس مشابہہ سمجھ لیں تو کلام میں کچھ تجوز نہ آجائے گا اور کسی قسم کی تحریف
 معنوی یا لفظی نہ ہونے پائے گی بلکہ معنی لفظی مطابق ہوں گے تو بخیر رہیں گے
 ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل ہونا اور اوروں کا عکس اور ظل ہونا
 ثابت ہو جائے گا جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت
 روشن ہو جائے گی اور خلافت مشارالہ فی آیت انی جاعل فی
 الاسلام خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے تمام شیون
 خداوندی میں مسلم ہو جائے گی بایں وجہ کہ خلیفہ اور نائب میں وہ بات
 ہونی چاہیے جو مستخلف اور منیب میں ہو۔ خلافت خداوندی کو لازم
 ہے کہ کمالات خداوندی حصہ رسد بقدر خلافت خلیفہ میں ہوں۔ اس کے

۱۔ خاتمان آراضی سافلہ سے مراد، وہ نبی ہیں جو ان چھٹے زمینوں میں آں حضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نام خاتم الانبیاء کہلاتے ہیں۔ نانوتوی صاحب ایسے
 نبیوں کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس یا ظل ثابت کر رہے ہیں۔ گویا
 وہ عکسی ظلی بروزی نبی ہیں۔ تحذیر الناس میں بھی دو سکر نبیوں کو آپ کا
 ظل اور عکس کہا گیا ہے۔ نبوت کی تعریف کا اندازہ لگائیے کہ اسے ظلی
 اور عکسی اصطلاحوں میں استعمال کر کے اجماع نبوت کا ایک وسیع
 باب کھول رہے ہیں۔

تحت سو منظر تمام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اگر خدا کے منظر نہ ہوئے تو اور کون ہوگا۔

۔ ہر حال اس شان کی خلافت کسی اور کو نہ ملی اس باب میں خلافت عطا ہوئی تو آپ کو عطا ہوئی۔ اس کی صوت یہی ہے کہ انبیاء کا آپ کی نسبت سے مستفید ہونا تو جملہ خاتم النبیین سے ثابت ہے۔ اور امت کا مستفید ہونا النبی ادنیٰ بالمؤمنین سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور سو اس امت کے اور امتوں کا بواسطہ اور انبیاء کے مستفید ہونا ثابت ہوتا ہے۔

غرض جہاں جہاں مادہ ایمانی ہے اور یہ مادہ سبھی میں ہے۔ ورنہ کفار کے حق میں تکلیف ایمان اس طرح من جملہ کالیف لایطاق ہو جاتی ہے جیسے باصرہ کو تکلیف استماع اور باصرہ کو تکلیف ابصار وہاں وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ہے۔ بالجملہ اس شان میں بھی آپ خلیفہ خداوندی ہیں۔ سو اس میں ایسی کون سی گناہ کی بات ہے جو اس شد و مد سے انکار ہے۔ کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ

کہ آپ خدا کے خلیفہ ہیں۔ نا تو تو ہی صاحب اس کو یوں بیان کر رہے ہیں وہ آیت جو خلافت آدم میں موجود ہے اس سے ہر نبی کا خلیفہ ہونا ثابت ہے۔ اور یہ خلافت حصہ رسد کے مطابق ملے گی۔ آپ کی ذات چونکہ سب سے زیادہ اکمل ہے اس لیے آپ تمام شئون ذاتیہ اور (باقی صفحہ آئندہ پر)

علیہ وسلم کی افضلیت مطلقہ اور خلافت تامہ خوش نہیں آتی۔“

(مناظرہ عجیبہ ص ۲۸، ۲۹، ۳۰)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صفاتیہ کے خلیفہ ہونگے۔ خلیفہ میں ان صفات کا ہونا ضروری ہے جو اس کے مستخلف اور منیب میں موجود ہوں۔ اب آپ کی اس خلافت خداوندی سے دوسروں کو فیض دیا جائے گا۔ آپ چونکہ خاتم النبیین ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ تمام کمالات نبوت کا مصدر ہیں۔ اب جس نبی کو بھی نبوت کا فیض ملے گا آپ سے ملے گا۔ اور النبی اولی بالمومنین سے ہر مومن کے ساتھ آپ کی اقرابت ثابت ہو رہی ہے اس لیے ہر مومن اس شعبہ سے مستفید ہوگا۔ اور دوسری امتوں کو جو فیض ملے گا اس میں انبیاء کا واسطہ بالعرض ہوگا۔ مادہ ایمان صرف مسلمان میں نہیں بلکہ ہر کافر میں بھی موجود ہے اگر ان میں یہ مادہ موجود نہ ہو تو ان کو ایمان کی دعوت دینا تکلیف مالا یطاق کے مترادف ہوگا۔ ہر کافر اور مسلمان کے اندر جو ایمان کا مادہ پایا جاتا ہے ان سب کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ہے۔ ان مدارج کی وجہ سے آپ خلیفہ خداوندی کہلاتے ہیں۔ میں نے نانوتوی صاحب کی عبارت کو ذرا سہل کر دیا ہے۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ نانوتوی صاحب کس انداز سے ذات نبویہ کو مصدر کائنات ثابت کر رہے ہیں یہ نظریہ حقیقت محمدیہ کے ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے، آپ کی قرآنی نبوت سے یہ نظریہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ حقیقت محمدیہ چونکہ ساری کائنات میں جاری ہے۔ ہر یوی اس جاری ہونے کو حاضر ناظر وغیرہ (باقی بر صفحہ آئندہ) لے افضلیت مطلقہ سے مراد نظریہ اصالت ہے اس کا دوسرا مفہوم (باقی آئندہ صفحہ)

نانوتوی صاحب کی اپنی اصل کتابوں سے ہم نے یہاں جتنے اقتباس کرنا چاہے کیے ہیں، بعض باتوں کا طریق بیان اتنا دقیق ہے کہ سچے ذہن رکھنے والے علماء کا فیہرہ پشاور ہو جاتے ہیں۔ اس بنا پر بعض علماء یوں کہہ دیتے ہیں کہ نانوتوی صاحب کی تحریر اتنی بلند و بالا ہے کہ اسے ان خصوصیات ہی سمجھ سکتے ہیں اس لیے ان کی کتابوں کو ہاتھ تک نہ لگایا جائے، اور جو کچھ آپ لکھ گئے ہیں اسے عربی اثر ہی سمجھا جائے۔ ایسی باتیں یا جمود پر محمول ہو سکتی ہیں یا عصبیت کے تحت اپنے اکابر کے مخصوص نظریات کا تحفظ کرنا مقصود ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے اپنی حد تک اچھی طرح سمجھ کر لکھا ہے۔ اگر کسی اقتباس کے مفہوم میں ہمیں غلط فہمی ہو گئی ہے تو جو عالم ہمیں ہماری کسی علمی لغزش آگاہ کر دیں گے، ہم اپنی غلطی کا فوراً ازالہ کر دیں گے۔ دوسری صورت میں اگر ہماری بات صحیح معلوم ہوتی ہے تو آپ حضرات کو بھی اللہ کا عدل میں پیش ہونا ہے اس لیے آپ لوگوں کو بھی حق قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہیے

(بقیہ حاشیہ مسلسل صفحہ گزشتہ) سے تعبیر کرتے ہیں۔ نانوتوی صاحب اور آپ کا حزب اسے دوسکر رنگ میں آپ کا فیض ہر مومن اور کافر میں تقسیم کر رہے ہیں۔ اہل علم کو چاہیے کہ ایسے نظریات پر اچھی طرح غور کریں، اور جہاں جہاں مقام نبوت کی جرح ہو رہی ہو ایسے نظریات کی واضح طور پر تردید کریں۔

(بقیہ حاشیہ ۱ صفحہ گزشتہ) مصدکائیات ہے اس سے آپ صرف تمام نبیوں کی اصل ثابت نہیں ہوتے بلکہ تمام کائنات کی اصل ثابت ہوتے ہیں۔ اس نظریے سے نہ مقام نبوت محفوظ رہتا ہو اور نہ خدا کی الوہیت بچ سکتی ہے۔ (اسدی)

نانو تووی صاحب کی وہ عبارتیں جو کافی حد تک عبیر فہم ہیں ہم چاہتے تو انھیں عام فہم عبارتوں میں لکھ دیتے۔ ہم نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ نبوت بالذات اور حیات بالذات بنفسہ ایسا فلسفہ ہے کہ اسے کتنا ہی تفصیل سے لکھا جائے پھر بھی عوامی اذہان کی دسترس سے بالکل باہر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مقالے میں ہمارا خطاب چونکہ اہل علم کی طرف سے ہے اس لیے ان کے ساتھ ہی اس موضوع کی افہام و تفہیم کے لیے چھیڑ چھاڑ کی گئی ہے۔ ہاں جب اس مقالے کو ہم تسبیل کی صورت میں شائع کریں گے تو پھر تفہیم کے لیے آسان طرز اختیار کر لیں گے۔ اب ہم نانو تووی صاحب کے فلسفہ حیات الہی کے اہم اقتباس درج کرتے ہیں:-

حیاتِ انبیاء علیہم السلام کا فلسفہ

حیاتِ انبیاء کے موضوع پر جناب نانو تووی صاحب کی آپ حیات ایک مشہور علمی کتاب ہے۔ اس کی وجہ تصنیف خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز قبر میں زندہ ہیں اور مثل گوشہ نشینوں اور چلہ کشوں کے عزت گزین ہیں۔ جیسے ان کا مال قابلِ اجر اے حکم میراث نہیں ہوتا ایسے ہی آپ کا مال محلِ نوریت نہیں ہے۔ اگر اس بحث کو ذرا دلائل کے ساتھ لکھا جائے تو ردِ افض کی طرف سے

۱۔ اس عبارت میں نانو تووی نظریے کی مکمل تلخیص ہے۔ دراشت کے فعل کا (باقی صفحہ آئندہ)

جو فدک کے بارے اعتراض کیے جاتے ہیں، ان کا کافی حد تک جواب ہو جائیگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عدم اقتضار اس صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ انبیاء کو زندہ تصور کیا جائے۔ ان کی حیات ظاہر بینوں کی نظروں سے مستور ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح ان کی موت ان کی حیات کو زائل نہیں کر سکتی، ان کی موت ان کی حیات کی سائر تو ہو سکتی ہے لیکن یہ موت ان کی حیات کی رافع اور دافع نہ ہوگی۔ اپنی قبروں میں وہ اس طرح رہتے ہیں جس طرح گوشہ نشین اپنے علیحدہ مکانوں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ میراث کا جاری نہ ہونا یہ تو نبوت کے خصائص کی وجہ سے ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ ان کی حیات باقی ہے۔ اگر میراث کا دنیوی عمل ان کی حیات پر موقوف ہے حالانکہ یہ ایک معمولی عمل ہے جب کہ سارے نبیوں کو ان کی قبروں میں مکمل حیات لازم ہے۔ تو پھر اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جو اعمال حیات کی وجہ سے ضروری ہوتے ہیں، ان اعمال کے تمام لوازم ان پر عائد ہو جائیں۔ دوسرا آپ کا مطلب یہ ہے کہ میراث کا یہ معمولی مال خدا کے نزدیک اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کی خاطر انبیاء کو زندہ رکھا جاتا ہے تاکہ ان کے غریب وارث اور ان کی غریب بیوہ عورتیں اس مال کو ورثے میں تقسیم نہ کر لیں۔ اگر حیات انبیاء کی علت غائیہ یہی ہے حالانکہ مال تو فانی چیز ہے جو تھوڑے عرصے میں ختم ہو گیا ہوگا تو مال کے فنا ہونے کے بعد اب ان کی حیات کی کون سی تاویل کی جائے گی۔ اسی طرح ان کی عورتوں کا نکاح ثانی بھی اگر حیات انبیاء پر موقوف ہے تو جب وہ تمام عورتیں فوت ہو جائیں گی تو اب (باقی صفحہ آئندہ)

نانوتوی صاحب کا مقصد یہ ہے کہ جب آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں دنیا جیسی حیات کے ساتھ زندہ ہیں تو اس حیات کی وجہ سے آپ کی میراث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بس اتنی بات پر آپ نے ایک طویل کتاب لکھ ڈالی ہے۔ پھر اس کتاب کو اپنے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے تحسین بھی کی اور ساتھ ہی خصوصی دعائیں بھی دیں۔ پھر اس پر حضرت گنگوہی کا یہ ارشاد کہ اس سے زیادہ تحقیق نہیں ہو سکتی۔ ان دونوں بزرگوں کی تصدیق نے اس کتاب کے اہم مضامین کو اور نانوتوی صاحب کے نظریے کو چارچاند لگا دیا۔ اس کے بعد دیوبند کے جتنے اکابر علماء اور محدثین گزرے ہیں یہ سب حضرات نانوتوی صاحب کے اس نظریے کو عقیدے کے طور پر پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ اب ہم جناب نانوتوی صاحب کی اس کتاب سے اہم اقتباس نقل کرتے ہیں، تاکہ ان کی اصل عبارتوں سے اس فلسفہ کی وضاحت ہو جائے کہ موت کے بعد آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کیوں زائل نہیں ہوتی۔ نانوتوی صاحب لکھتے ہیں:-

”اس سے ظاہر ہے کہ انبیاء بدستور زندہ ہیں کیونکہ عدم اقتضار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ان کی حیات کی کون سی علت پیش کی جائے گی کہ ان کی عورتوں کے فوت ہونے کے بعد اب ان نبیوں کو قبروں میں کیوں زندہ رکھا جا رہا ہے۔

دفعِ فعل وراثت زوالِ حیات کی صورت میں تو متصور ہی نہیں
متصور ہے تو حیات میں متصور ہے لیکن انبیاء کی زندگی زیر پرده
عارض ظاہر بینوں کی نظر سے مستور ہے۔ مثلِ امت ان کی موت
میں زوالِ حیات نہیں — ان کی موت ان کی حیات کی سائر
ہوگی۔ یعنی یہ موت رافع اور دافع نہ ہوگی۔ (آبِحیات ص ۳)

نانو تو می صاحب کے نزدیک جس وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی موت
ان کی حیات کو زائل نہیں کر سکتی وہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کی ذات
مصدرِ کائنات ہے جس کا دوسرا نام رُوح الاکوان ہے۔ رُوح الاکوان وہ
ہستی بن سکتی ہے جس کی حیات ذاتی ہو۔ باقی ساری کائنات کا وجود
چونکہ آپ کی وجہ سے قائم ہے اس لیے اس کائنات میں جو چیز بھی داخل
ہوگی اس کی حیات بالعرض ہوگی۔ لہذا موت کا وجود بھی مخلوق ہونے کی
وجہ سے اس کائنات میں داخل ہے لہذا اس کا وجود بھی بالعرض ہوگا۔ اس
لیے جب موت ذات نہویہ پر تصرف کرے گی تو آپ کی حیات ذاتی کو
موت کا یہ تصرف زائل نہیں کر سکتا۔ اس تصرف کے بعد آپ کی حیات
مستور تو ہو جائے گی لیکن آپ کے وجود سے زائل نہ ہوگی۔ بخلاف
دوسرے لوگوں کے کہ ان کی حیات چونکہ ذاتی نہیں بلکہ عرضی ہے اس
لیے ان کی حیات پر جب موت کا تصرف ہوتا ہے تو ان کی مکمل حیات
زائل ہو جاتی ہے۔ حیات زائل نہ ہونے کا فلسفہ تو اسی قدر تھا۔ لیکن
اس کے لیے شواہد کی ضرورت تھی سو وہ کون سی بات ہے جو تاویل کے

ساتھ قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو سکتی ہو۔ آپ فرقہ باطنیہ ابا حنیہ کی تفسیریں پڑھ کر دیکھ لیجیے وہ کون سی ناجائز بات ہے جسے انہوں نے قرآن کے شواہد کے ساتھ حلال ثابت نہ کر رکھا ہو۔ اب نانوتوی صاحب کی عبارت پڑھیے کہ وہ اپنے فلسفہ حیات بالذات کو کس طرح خام شواہد کے ساتھ ثابت کر رہے ہیں۔ آپ اب حیات کے ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

”جملہ النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم جملہ وازواجہ امہاتہم کے لیے بمنزلہ علت ہے اور جملہ وازواجہم اس کے لیے بمنزلہ معلول ہے اور جملہ وہواب لہم کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو اول ثانی کے لیے علت یا ثانی جملہ اول جملہ کے لیے تفسیر ہے پھر جملہ وازواجہم جملہ وہواب لہم پر متفرع اعمیٰ یہ علت ہے تو وہ معلول ہے اب ناظرین کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا ذاتی ہونا تو بوجہ ابوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو لوازم منشائیت روحانی سے ہے ثابت ہو گیا۔“ ۱۷

۱۷ تفسیر مدارک میں جملہ وازواجہ امہاتہم ایک اور جملہ وہواب لہم بھی ہے (آب حیات ص ۱۵۹)

۱۸ اہل علم کو چاہیے کہ اس بحث کی تفہیم کے لیے آب حیات کا مکمل مطالعہ کریں، تاکہ اس کے سیاق و سباق ملانے سے بات اچھی طرح ذہن نشین ہو سکے۔ کیونکہ نانوتوی صاحب کی تحریر ایسی ہے کہ نہ تو اسے قدیم اردو کہہ سکتے ہیں (باقی صفحہ آئندہ)

پہنچد سطور کے بعد لکھتے ہیں :-

”وجہ اس فرق کی وہی تفاوتِ حیات ہے یعنی حیاتِ نبوی بوجہ ذاتیت قابلِ زوال نہیں اور حیاتِ مومنین بوجہ عرضیت قابلِ زوال ہے اس لیے موت کے وقت حیاتِ نبوی زائل نہ ہوگی ہاں مستور ہو جائے گی اور حیاتِ مومنین ساری یا آدھی زائل ہو جائے گی۔ سو در صورتِ تقابلِ عدم و ملکہ۔ اس استتارِ حیات میں آپ کی ذات کو تو مثلِ آفتاب سمجھیے کہ وقتِ کسوف اوٹ میں حسبِ مزعوم حکما اس کا نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا۔ یا مثلِ شمع چراغِ خیال فرمائیے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور نہ مولویانہ ادبی رنگ۔ اگر ہم ایک ایک جملے کی توضیح کرنے لگ جائیں تو خدا جانے کتنے ورقوں کے پھرے سیاہ کرنے پڑیں گے لہذا ہم ان کی تفہیم اور توضیح اہل علم کے سپرد کر رہے ہیں۔ ہم تو صرف ناٹوئی فلسفہ کے ماخذ کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس فلسفے کے تحت مقامِ نبوت کو کس کس سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا کافی صدمہ ہے کہ ہم سے قبل کتنے جلیل القدر عالم گزرے ہیں کسی کے ذہن میں اتنا بھی نہ آیا کہ اس فلسفے کے عواقب کتنے خطرناک ہیں اگر وہ ایسے نظریات کی تنقیح کر جاتے تو ہمارے سر سے کافی بار اتر چکا ہوتا۔ ہاں اس وقت بھی صاحبِ تحقیق اہل علم کافی موجود ہیں دیکھیے عظمتِ رسالت کی بات ہے کیا یہاں بھی سکوتِ مناسبت معلوم ہوتا ہے یا ایسے مسموم نظریات کی تنقیح کر کے امتِ مسلمہ کو پچانا فرض ہے۔

جب اس کو کسی ہانڈی یا ٹکے میں رکھ کر اوپر سے سرپوش رکھ دیجیے تو اس کا نور بالبدایت مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا۔ اور دربارہ زوال حیات مومنین کو مثل قمر خیال فرمائیے کہ وقت خسوف اس کا نور زائل ہو جاتا ہے۔ یا مثل چراغ سمجھیے کہ گل ہونے کے بعد اس میں نور بالکل نہیں رہتا البتہ روغن یا قندیلہ یا کسی قدر تھوڑی دیر قندیلہ کے سکر میں آتش باقی رہ جاتی ہے۔ اور در صورت تقابل تضاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استتار حیات کو ایسا سمجھیے جیسے معمولی برودت آب سرد گرم کرنے کے وقت حرارت آتش سے دی جاتی ہے اور زوال حیات مومنین کو ایسا سمجھیے کہ خاک و تھیر و چوب وغیرہ اول کسی وجہ سے مثل نزول برف وغیرہ سرد ہوں پھر بوجہ حرارت آفتاب گرم ہو جائیں۔ آب سرد کی معمولی سردی جو وقت نہ ہونے اسباب حرارت کے ہوتی ہے آگ سے گرم کرنے کے بعد زائل نہیں ہوتی۔ البتہ زیر پردہ حرارت مستور ہو جاتی ہے ورنہ زوال محض ہو تو یہ برودت معمولی پھر صفت ذاتیہ نہ ہوگی بلکہ صفت عرضیہ ہوگی جس کے لیے کوئی موصوف بالذات سوائے آب ضرور ہے کیونکہ ہر بالعرض کے لیے ایک موصوف بالذات واجب ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ برودت معمولی کے لیے سبب خارجی نہیں بلکہ بعد مفارقت

عہ برودت آب کی تشریح جمال قاسمی میں بھی موجود ہے۔ (جمال قاسمی ص ۷۷)

اسباب حرارت عارضہ مثل نار و آفتاب جو پھر سردت ہی عائد
 حال آب ہو جاتی ہے۔ اس سے صاف روشن ہے کہ یہ صفت
 کسی سبب خارجی سے حادث نہیں ہوتی اقتضائے ذات آب
 ہے اور خاک پتھر چوب وغیرہ میں ظاہر ہے کہ دونوں حالتیں (سرمو
 گرم) خارج ہی سے آئی ہیں خدا داد ہیں خانہ زاد نہیں، ایک جاتی ہے
 تو دوسری اس جگہ آ جاتی ہے۔“

(آب حیات، ص ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱)

اور منشائیت روحانی کا مفہوم نا نو قوی صاحب اس طرح بیان
 کرتے ہیں:-

”آیت النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم جس تفسیر سے لیجیے:-

مثل آفتاب نیمروز اہل نظر کے لیے اس بات پر شاہد ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منشاء وجود اور واح مومنین ہیں اور مابین روح

نبوی اور ارواح مومنین وہ رابطہ اور ارتباط ہے کہ منشاء انتزاع

اور انتزاعیات میں ہوا کرتا ہے۔“ (آب حیات ص ۱۲۸)

دوسرے مقام پر اس طرح تشریح کرتے ہیں:-

”ایسے ہی موت نبوی اور موت مومنین میں فرق ہے اور

اور بوجہ فرق بین الموتین وہی فرق بین الحیاتین میں اسی بنا پر

لازم ہے کہ نوم نبوی اور نوم مومنین میں فرق ہو اس لیے کہ النوم

اخت الموت، چنانچہ خداوند کریم نے بھی اپنے کلام پاک میں موت

اور نوم کو ایک مسلک میں کھینچا ہے اور ایک ذیل میں داخل کیا ہے
 فرماتے ہیں اللہ یتوفی الا نفس حین موتہا والقی لم تمت فی
 مناء ہا۔ جب دونوں کی حقیقت توفی اور امساک ہوئی چنانچہ ارسال کا
 تقدم امساک پر دال ہے جیسے موت کا تقدم حیات پر دلالت کرتا
 ہے تو پھر جو حال وقت امساک موت ہوگا وہی حال وقت امساک
 نوم ہوگا جس کی موت کے وقت استتار حیات ہوگا اس کی نوم کے
 وقت بھی استتار ہی ہوگا۔ فرق ہوگا تو شریعت استتار وضع
 استتار ہو۔ یا یوں کہیے کہ موت میں سترہ قوی اور کثیف ہو
 اور نوم میں سترہ ضعیف اور لطیف ہو اور جہاں وقت موت
 انقطاع حیات ہو وہاں وقت نوم بھی انقطاع حیات ہو۔ فرق ہو
 تو یہ ہو کہ موت میں انقطاع تام ہو اور نوم میں من وجہ انقطاع ہو
 اور اس صورت میں حسب قرار داد سابق وقت استتار حیات
 میں اور قوت آجائے اور خواب اور وحی بیداری میں کچھ فرق نہ ہو
 چنانچہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس عاجز کی تصدیق
 کرتی ہے فرماتے ہیں تنام عیناں ولا ینام قلبی لیکن اس
 قیاس پر دجال کا بھی یہی ہونا چاہیے اس لیے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

لے نانوتوی صاحب دجال کے بارے میں لکھ رہے ہیں کہ دجال بھی متصف بچہ
 بانہات ہوگا۔ کاظمی صاحب اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ (باقی صفحہ آئندہ)

وہ ہوتے ہوتا ہے۔ ارواح متصف بیات بالذات ہوگا اس وجہ سے اس کی حیات قابل انفکاک نہ ہوگی اور موت و نوم میں استتار ہوگا انقطاع

رہیقہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ چونکہ اصل کائنات ہے اس لیے بالنسبۃ الی الخلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم متصف بیات بالذات قرار پائیں گے۔ آپ کے مقابلے میں کسی دوسرے کو متصف بیات بالذات قرار دینا بارگاہ رسالت میں انتہائی سوراہی ہے بالخصوص دجال لعین کے حق میں۔ اس قائل نے اتنا نہیں سوچا کہ ذات نبویہ کی روح اقدس روح الارواح اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ تمام عالم ممکنات کے لیے منشاء وجود ہے۔ اور دجال منشاء ارواح کفار نہیں بلکہ منشاء کفر ارواح کفار ہے۔ ارواح کفار نے عالم ارواح میں کفر نہیں کیا بلکہ اس عالم تکلیف میں آنے کے بعد ان سے کفر سرزد ہوا اور دجال منشاء ارواح نہیں بلکہ ارواح کفار کے کفر کا منشاء اور کفر خود موت ہے۔ (حیات البنی از کاظمی ص ۸۳ و ۸۴) اس کا یہ مطلب نہیں کہ نانوتوی صاحب ذات نبویہ کو اصل کائنات اور روح الارواح نہیں مانتے بلکہ ان کی تحریروں میں صاف لکھا ہے کہ آپ کی ذات مبدأ الآثار اور فیوضات الہیہ کا واسطہ ہے اس نظریے کے تحت متصف بیات بالذات صرف ذات نبویہ ہی ہو سکتی ہے۔ آپ کے سوا دوسری مخلوق اس اختصاص میں داخل نہیں ہو سکتی۔ چونکہ ابن صیاد جس پر دجال ہونے کا شبہ ہوتا تھا، اس کا قول بھی ہے تنام عینای ولاینام قلبی۔ نانوتوی صاحب دجال کی اس منامی کیفیت کو نوم نبوی پر محمول کرتے ہوئے لکھ رہے ہیں کہ دجال کی موت و نوم میں (باقی صفحہ آئندہ)

نہ ہوگا۔ (آب حیات۔ ص ۱۶۹) نانوتوی صاحب حدیث ردائے علی لوجی کی تشریح سے دیکھیے اپنے فلسفہ مبداء الآثار کی کس طرح توضیح کر رہے ہیں :-

” اس حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ و تجلیات سے جو بوجہ محبوبیت نامہ آپ کو حاصل رہتی ہے ہوش فرمادیتا ہے یعنی مبداء انکشاف نبوی کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا مبدل بانقباض ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہو جاتا ہے اور اپنی ذات و صفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات و صفات سے اطلاع ہو جاتی ہے۔ ہاں ایک شبہ باقی ہے کہ کوئی وقت ایسا نہ گزرتا ہوگا کہ کوئی نہ کوئی آپ پہ سلام عرض نہ کرتا ہوگا اس صورت میں استغراق برائے نام ہی رہا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) استتار ہوگا انقطاع نہ ہوگا۔ کاظمی صاحب اس پر گرفت کرتے ہیں متصف بحیات بالذات وہ ہستی ہو سکتی ہے جو اصل کائنات ہو۔ دجال اس عارضی صفت کی وجہ سے متصف بحیات بالذات نہیں ہو سکتا۔ آپ کے سوا دوسری مخلوق میں ایسا عقیدہ رکھنا بارگاہ رسالت میں سوراہی ہے۔

اے مولوی احمد سعید چتر ڈرگڑھی نے آیت اللہ یتوقی الانفس کو دلیل بنا کر موت انبیاء کا اثبات کیا ہے اور مفیٹ شائع کر کے علماء کو سوال کیا ہے۔ نانوتوی صاحب کی تحریر میں اس کا جواب موجود ہے۔ دیکھیے اب ایسے حضرات نانوتوی صاحب کو کسی تکفیر میں داخل کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ روح پُر فتوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جب منبع
اور اصل ارواح باقیہ خصوصاً ارواح مومنین امت ٹھہری تو جو نسا
امتی آپ پر سلام عرض کرے گا تو اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا۔

ارتداد جملہ شعب غیر متناہیہ اور بھی ہیں۔ (آبجیات ص ۱۷۵، ۱۷۶)

اہل علم نا نو توئی صاحب کے ان الفاظ کہ آپ منبع اور اصل ارواح باقیہ مع
ارواح مومنین، اور شعب غیر متناہیہ کے مفہوم میں غور کریں۔ ان کے فلسفہ کا
بنیادی مانہ یہی ہے کہ آپ جب منبع ارواح یا روح الارواح اور مبداء الآثار ہیں
تو اس سے صرف آپ کی حیات بالذات اور نبوت بالذات ہی ثابت
نہیں ہوتی بلکہ بریلویت کا سارا شرک اس سے آسانی کے ساتھ استخراج ہو سکتا
ہے۔ جیسا کہ شیخ تاج الدین اور ابوالفضل فیضی نے ابن عربی کی فصوص الحکم
سے اسی نظریے کے تحت دین الہی کے تمام اصول وضع کر کے اکبری دور کے
مسلمانوں کو الحاد کی وادی میں دھکیل دیا تھا۔ اب ہم نا نو توئی صاحب کی ایک
اہم عبارت نقل کر کے اقتباس کی عبارتوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ آپ بحال قائمی

۱۔ منبع ارواح باقیہ : آپ نے دیکھ لیا ہے کہ نا نو توئی صاحب کے فلسفہ کا بنیادی
مانہ کیا ہے۔ منبع الارواح کا مفہوم مصدر کائنات ہے اور بریلویت کا سارا مدار
اسی نظریے پر ہے ہمارے نزدیک نا نو توئی صاحب اور بریلویت کے بنیادی عقائد میں کچھ بھی
فرق نہیں۔ آپ ہماری تلخ نوائی سے قبل ان دونوں مسالک کے نظریات کا تحقیقی تجزیہ کریں
اس کے بعد آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ہم کن اہم حقائق کی نشان دہی کر رہے ہیں۔

میں لکھتے ہیں :-

”انبیاء علیہم السلام کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا اور دوسروں کے اموال میں جاری ہونا اس پر شہادہ ہے کہ ارواح انبیاء علیہم السلام کا ان کے ابدان سے اخراج نہیں ہوتا مثل نور چراغ اطراف و جوانب سے سمیٹ لیتے ہیں۔ ان کے سوا دوسروں کی ارواح کو ان کے ابدان سے خارج کر دیتے ہیں اس لیے سماع انبیاء علیہم السلام بعد وفات زیادہ تر قرین قیاس ہے۔ اور اسی لیے ان کی زیارت وفات کے بعد بھی ایسی ہے جیسے ایم حیات میں احیاء کی زیارت ہوا کرتی ہے۔ اور اس وجہ سے یوں نہیں کہہ سکتے کہ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مثل زیارت مسجد زیارت مکان ہے۔ اور اسی وجہ سے بحکم لائت شد والرحال وہاں اہتمام سے جانا ممنوع ہے بلکہ وہ زیارت مکان نہیں زیارت ممکن ہے۔“

(جمال قاسمی ص ۱۷۱)

یہ عبارت ذرا عام فہم بھی ہے۔ دوسرے نانوتوی صاحب کے عقیدہ حیات انبیاء کی مع دلائل تلخیص بھی ہے۔ ہم ذرا اسے آسان کر کے لکھ دیتے ہیں۔ یہ بات مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت کے بعد ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ یہ بات اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ موت کے وقت انبیاء علیہم السلام کے ابدان سے ان کی روح خارج نہیں ہوتی۔ اگر روح خارج ہو جاتی تو ان کو ہم اموات میں داخل کر کے ان کی میراث جاری کر دیتے۔

باقی رہی یہ بات کہ اگر ان کی ارواح ابدان سے خارج نہیں ہوتیں تو پھر کہاں جاتی ہیں۔ اس کا جواب یہ دیتے ہیں جیسے چراغ پر سرپوش رکھ دیا جائے۔ چراغ کی روشنی جو باہر پھیلی ہوئی تھی وہ سمٹ کر اس سرپوش میں بند ہو جاتی ہے۔ جب انبیاء کی روح مرنے کے بعد ان کے ابدان میں ویسے ہی موجود ہے جیسے موت سے قبل موجود تھی تو اس سے زندگی کے تمام لوازم بھی ثابت ہو جائیں گے۔ جیسے سُننا حیات کے لوازم سے ہے پس اس سے انبیاء علیہم السلام کا قبروں میں سماع بھی ثابت ہو گیا۔ اب وفات کے بعد جو ان کی قبروں کی زیارت کی جائے گی، اس زیارت کو ہم قبور کی زیارت نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ زیارت ایسی ہوگی جیسے انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں ان کی زیارت کی جاتی تھی۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نانو تووی صاحب نے جو اس طریقے سے حیات انبیاء کی توجیہ کی ہے یہ ان کا اپنا علمی تفرد ہے ہم اس تفرد کو نہیں مانتے۔ وہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اس نظریے اور تفرد کا مأخذ وہ فلسفہ ہے جس کے تحت ذات نبویہ کو روح الاکوان مبدأ الآثار کہا جاتا ہے۔ اسی فلسفہ سے جس طرح نانو تووی صاحب نے حیات انبیاء کا نظریہ اختراع کیا ہے اسی طرح وہ اسی فلسفہ سے ہی نبوت بالذات کا نظریہ بھی اختراع کر رہے ہیں۔ حیات انبیاء کی اس توجیہ کی تردید میں صرف اتنا فرق ہوگا کہ سماع اموات کی نفی ہو جائے گی۔ لیکن نبوت بالذات کے عقیدے سے تو نبوت کا سرے سے وجود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کے نتیجے میں توحید کے نظریے میں تغیر داخل ہو جاتا ہے۔ اس سے

معلوم ہوا کہ نانوتوی صاحب کا سب سے خطرناک وہ فلسفہ ہے جس کے تحت وہ ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کے تعین اول یعنی حقیقت محمدیہ کو حیات انبیاء اور نبوت بالذات کے لباس میں دوبارہ زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اس نظریے کا اچھی طرح قلع و قمع نہ کیا گیا تو خطرہ ہے کہ پوری ملت اسلامیہ کہیں ایسے نظریات کی وجہ سے وحدت ادیان کے الحاد میں دوبارہ داخل نہ ہو جائے جیسا کہ دور اکبری میں مسلمانوں کی اکثریت الحاد کی قبر میں مدفون ہو گئی تھی۔

علماء دیوبند کے عقائد پر حقیقت محمدیہ کے اثرات

مولانا نانوتوی صاحب کی تحریروں کے بعد اب ہم دوسرے اکابر علماء دیوبند کے وہ عقائد تحریر کرتے ہیں جن کی بنیاد حقیقت محمدیہ پر رکھی گئی ہے عبارتوں کے اقتباس میں تالیفی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ جتنا مواد ملتا گیا اسے اختصار کے ساتھ دج کر دیا گیا ہے۔

ہم اپنی تحریروں میں اس بات کو بار بار دہراتے چلے آ رہے ہیں کہ ہم کسی مسلک کے خلاف نہ تو تحقیق کی روش اختیار کر رہے ہیں اور نہ کسی مسلک کے اکابر پر افتراء بازی کا کوئی حرف استعمال کر رہے ہیں بلکہ ان کی تحریروں میں جن مخصوص نظریات کی وضاحت کی گئی ہے انھیں انصاف

کے ساتھ من وعن آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے سامنے اس وقت اہل علم کی کمی نہیں ہے ان کی خدمت میں التماس ہے کہ آپ ہماری ان تحریروں کا اچھی طرح تجزیہ کریں اگر واقعی ان میں کہیں خامی نظر آتی ہو تو حقائق و دلائل کے ساتھ اس کی وضاحت کر دیں تاکہ ہم دوسرے ایڈیشن میں ان خامیوں سے نزوح کر سکیں اور جہاں صحیح بات لکھی ہے اسے انصاف کے ساتھ قبول کر لیں۔

دوسری عرض یہ ہے کہ اگر یہ تحریریں عقائد سے تعلق نہ رکھتیں تو ہم انہیں قطعاً ہاتھ نہ لگاتے۔ لیکن ان تحریروں میں مقام نبوت کی ایسی تصریح کی گئی ہے کہ جس سے صرف رسالت کا بنیادی مفہوم ہی مجروح نہیں ہوتا بلکہ توحید کا اصل مقصد بھی متزلزل ہو جاتا ہے۔ بعض اہل علم ہم پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ اکابر کی جس اہم غلطی پر آپ نے گرفت کی ہے کیا یہ لوگ ایسی صریح غلطی سے واقف نہ تھے کہ وہ انہیں بند کر کے ایسی باتیں لکھتے چلے گئے۔ محترم! واقعی وہ لوگ علم کے سمنہ تھے اور یہ بھی ہم مانتے ہیں کہ تصوف میں انہیں ولایت الکبریٰ کا مقام بھی حاصل تھا۔ یہ سب کچھ ہونے کے بعد آپ یہ بتلاتے ہیں کہ وہ لوگ معصوم بھی تھے کہ ان سے کسی غلطی کا صدر نہ ہو سکتا ہو۔ اگر ایسی تحریروں کے بعد بھی وہ آپ کو معصوم نظر آتے ہیں تو پھر ہم پر ناراض ہونے کی کون سی بات ہے۔ آپ آج ہی سے ان کی عصمت کا تحفظ شروع کر دیں اسی طرح ہمیں بھی اجازت دیجیے کہ ہم بھی اپنے معصوم حقیقی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا

تحفظ کرتے رہیں۔

قل کل یعمل علیٰ آپ فرمادیجئے ہر شخص اپنے طریقے پر
شا کلتہ فریکم اعلم کام کر رہا ہے سوتہارا رب خوب جانتا
ہم ہوا ہدیٰ سبیلہ ہے اس کو جو زیادہ ٹھیک رستہ پر ہو۔

حضرت مدنی صاحب اپنی مشہور کتاب الشہاب الثاقب میں تحریر کرتے ہیں :-

”اب اس کے مقابلے میں ان ہمارے حضرات اکابر کے اقوال عقائد کو ملاحظہ فرمائیے۔ (یہ جملہ حضرات اکابر علماء دیوبند) ذات حضور پُر نور علیہ السلام کو ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک واسطہ فیوضات الہیہ و میزاب رحمت غیر متناہیہ اعتقاد کیے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل سے اب تک جو رحمتیں عالم پر ہوئی ہیں اور ہوں گی، عام ہے کہ وہ نعمت وجود کی ہو یا اور کسی قسم کی۔ ان رب میں

آپ کی ذات پاک ایسی طرح پر واقع ہوئی ہے کہ جیسے آفتاب سے نور چاند میں آیا ہو۔ اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں۔ غرض کہ حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام واسطہ جملہ کمالات علم و عالمیاں ہیں۔ یہی معنی لولاک لما خلقت الافلاك۔ اول ما خلق الله نوری اور انانبی الانبیاء وغیرہ کے ہیں۔ اس احسان و انعام عام میں جملہ عالم شریک ہے۔ علاوہ اس کے آپ کی ذات مقدسہ کو ارواح مومنین سے وہ خاص نسبت ہے کہ جس کی وجہ سے آپ باپ روحانی جملہ مومنین کے ہیں۔ اور یہ احسان بھی ابتداء عالم سے آخر تک کے مومنین کو عام ہے علاوہ اس کے مومنین امت مرحومہ کے ساتھ ماسوا اس کے اور بھی خاص علاقہ ہے جو کہ اور ام کے مومنین کو نہیں۔ حضرت سرور کائنات علیہ السلام کے احسانات غیر متناہیہ کی تفصیل اگر معلوم کرنی ہو تو رسالہ آب حیات۔ رسالہ قبلہ نما۔ واجوبہ اربعین و تحذیر الناس وغیرہ دیکھیے۔ اس کے بعد قصائد قاسمیہ سے حضرت نانوتوی کے چند اشعار نقل فرماتے ہیں :-

تو فخر کون و مکان بد زمین و زماں	ایسے شکر پیغمبریں شرابدار
جلو میں تیرے رعب عدم سنا بوجہ	بجائے تم کو اگر کہیے مبد الاکمار
لگاتا ہاتھ نہ پتلے کو بوجہ البشر کے خدا	اگر وجود نہ ہوتا تمہارا آخر کار

(الشہاب الثاقب ص ۲۲۶)

مولانا نانوتوی قصیدہ دربارہ توسل مشائخ سلسلہ علیہ چشتیہ
صابر یہ میں فرماتے ہیں :-

بذاتِ پاکِ خود کاں اصلِ ہستی ست
از وقائمِ بلند ی ہا و پستی ست

مثالی او نہ مقدور بہمان است
کہ کنش برتر از کون و مکان است

(الشہاب الثاقب ص ۲۳۵)

حضرت نانوتوی صاحب تحذیر الناس میں ختم نبوت کی اس طرح
تشریح فرماتے ہیں۔ حضرت مدنی صاحب لکھتے ہیں :-

”حضرت مولانا نانوتوی کی مراد پر حضور علیہ السلام کو فقط

اس طبقہ کے انبیاء کا خاتم نہیں کہا جائے گا بلکہ آپ کی نبوت نہ مانا

اور ذاتاً ختم کرنے والی ساتوں طبقات کے انبیاء کے واسطے ہوگی۔

(اور جتنے انبیاء کہیں گزرے ہیں سب کے سب حقیقت محمدیہ

سے اس طرح مستفیض ہوں گے جس طرح نیشین کشتی کشتی سے

اور نجوم ہائے آسمان آفتاب سے کہیں بھی ہوں)۔“

(الشہاب الثاقب ص ۲۵۸)

حضرت مدنی صاحب اپنی مشہور کتاب نقش حیات میں تحریر کرتے

ہیں :-

”حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب آل حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں وہ بلند پایہ مضامین ارشاد فرماتے ہیں جن کے حریم مُتعلّے تک جلیل القدر علماء کا طائر فکر بھی پرواز نہیں کر سکا تھا۔^۱ اجوبہ اربعین حصہ دوم ص ۱۲۸ میں فرماتے ہیں :-
 ”اور سر اس میں یہ ہے کہ افاضہ وجود و کمالات وجود مخلوقات کی جانب اگرچہ خزانہ خداوندی ہی سے ہوتا ہے مگر بشہادت آیت النبی اولی بالمومنین اور آیت خاتم النبیین چنانچہ تقریرات مرقومہ بالا سے واضح ہو چکا اور نیز بشہادت دیگر آیات تائید تحقیقات ارباب مکاشفات، وہ سب افاضہ بواسطہ حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ہوتا ہے جیسے شب کو بواسطہ قمر افاضہ نور آفتاب ہوا کرتا ہے“ (اجوبہ اربعین ص ۱۲۸ ج ۲)
 تمام انبیاء علیہم السلام کے جملہ کمالات اور علوم بلکہ نبوت رسالت کو

۱۔ حضرت مدنی صاحب جس نظریے کی توضیح کر رہے ہیں ان سب کا ماخذ حضرت نانوتوی کی تصانیف ہیں۔ ایسے نظریات کو جس طرح نانوتوی صاحب نے بیان کیا ہے حضرت مدنی صاحب لکھتے ہیں کہ وہاں تک جلیل القدر علماء کا طائر فکر بھی پرواز نہیں کر سکا۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں جس سے بڑے بڑے علماء مصنفین کی تحریریں خالی ہیں۔ البتہ ابن عربی اور علامہ سبکی کی کتابوں میں یہ نظریہ موجود ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ابن عربی اور علامہ سبکی کے نظریات کا ماخذ کیا ہے اور ان میں وہ کون سا راز پوشیدہ ہے جسے دوسرے جلیل القدر علماء بھی ادراک نہیں کر سکے۔

بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے حاصل ہونا نہایت
مفصل طریقہ پر ثابت فرماتے ہیں۔ کمالات ولایت و قرب وغیرہ
تو درکنار نفس و وجود و جملہ عوالم و عالمیاں کو بھی آپ ہی کے ذریعے
ثابت فرما رہے ہیں۔ قصیدہ مدحیہ میں ارشاد فرماتے ہیں ۵
جلو میں تیرے سب کے عدم سے تا۔ بوجہ
بجا ہے تم کو اگر کھجے مبد۔ الاثنا

یہ اشعار کسی آل فل مارنے والے۔ اطرائے مانج کرنے والے۔ فی کل ادا
یہیون کے مصداق مبالغ اور مفرط۔ غالی شاعر کے نہیں بلکہ ایک خدا
رسیدہ محقق۔ مجسمہ معرفت و حقیقت۔ امام اہل صدق و صفا و خواص
بحر طریقت۔ امام اہل کشف و شہود۔ عارف بے بدل اور فاضل
کے ہیں۔ جو کہ حقیقت اور واقعیت کے سوا کسی غلط مجاز اور مبالغہ کا
روادار نہیں۔ (نقش حیات ص ۱۴، صفحہ ۱۱ ج ۱)

نبوت بالذات اور ختم نبوت کی تشریح جناب مدنی اس طرح فرماتے
ہیں :-

”موصوف بالذات ایک اور اول ہوتا ہے اس کے ذریعے
سے اوصاف متعدی ہو کر دوسروں تک بعد میں پہنچتے اور انکو
موصوف بالوصف کر دیتے ہیں۔ جیسے عالم اسباب میں موصوف
بالنور بالذات آفتاب ہے۔ اس کے ذریعے تمام کواکب متصف
بالنور ہیں۔ یہی حال وصف نبوت کا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی

علیہ وسلم اس سے متصف بالذات ہیں اسی وجہ سے آپ کو سب سے پہلے نبوت ملی۔ جیسا کہ ارشاد ہے کنت نبیا و آدم منجدل بین الماء والطين جس طرح شہنشاہی عہدوں میں وزارتِ عظمیٰ پر تمام عہدہ ہائے شہنشاہی ختم ہو جاتے ہیں اسی طرح آپ پر تمام مراتب قرب خداوندی ختم ہو جاتے ہیں۔ یقیناً جو تحقیق حضرت مولانا نانوتویؒ نے اس رسالہ تحذیر الناس میں ارشاد فرمائی ہے وہ نہایت اعلیٰ اور احکم اور نہایت دقیق و پُر مغز ہے جس سے بڑے بڑے علماء مصنفین کی تحریریں خالی ہیں۔ البتہ شیخ اکبر ابن عربی اور علامہ سبکی کی تصانیف میں اس مضمون کا پتہ چلتا ہے۔“

(نقش حیات ص ۱۱ ج ۲)

بخاری کی شرح تقریر بخاری جسے مولانا کفیل احمد کیرانوی نے مرتب کیا

اس میں حضرت مدنی صاحب فرماتے ہیں :-

”اہل تصوف نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ تقسیم وجود اور

افاضہ وجود بھی مخلوقات پر بواسطہ حقیقت محمدیہ کے ہے جس طرح

قمر آفتاب سے نور لیتا ہے ٹھیک اسی طرح آپ واسطہ فی العروض

ہیں۔ افاضہ وجود علی الانسان کے لیے آپ نے فرمایا انا انا قاسم

واللہ یعطی۔ اگرچہ آپ اس وقت اس جہان سے غائب ہیں

لیکن افادہ کمالات آپ ہی کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے

انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا گیا تھا آپ کی نبوت کا۔ کیونکہ خود

انبیاء کرام کو جو فیض نبوت حاصل ہوتا تھا اس میں واسطہ آپ ہی ہوتے تھے۔“ (تقریر بخاری ص ۱۱ ج ۱۔ مطبوعہ دیوبند)

تقریر بخاری میں دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

”پانچویں وجہ یہ ہے کہ حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ محمدیہ

میں وہی مناسبت ہے جو اصل اور نقل میں ہوتی ہے۔ عالمِ روحانیت میں حقیقتِ محمدیہ اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ منظرِ تجلی اول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اور منظرِ تجلی عکس اول کعبۃ اللہ۔ اسی وجہ سے تمام موجودات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ مناسبت کعبہ سے ہے۔“

(تقریر بخاری ص ۱۵ ج ۱)

حقیقتِ محمدیہ کی تشریح اور عقیدہ

مولانا محمد طاہر قاسمی جو حضرت نانوتویؒ کے نمبرہ ہیں انھوں نے عقائد میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام عقائد الاسلام قاسمی ہے۔ اس میں لکھتے ہیں :-

”سب سے اول حق تعالیٰ نے نورِ عقل کو پیدا کیا جس کا دوسرا نام حقیقتِ محمدیہ ہے۔ اس کو تمام عالم کے لیے مدبر اور وجہ شرافت بنایا اسی لیے تمام فرشتوں کو اس کے آگے بھٹک جانے کا

حکم ہوا۔ خدا کے بعد عقل اول یعنی حقیقت محمدیہ کا درجہ ہے۔ اس لیے جس مخلوق میں یہ نور عقل (حقیقت محمدیہ) نہیں جھلکتا وہ مخلوق عالم کی صف اول میں جگہ نہیں پاسکتی۔ معلوم ہوا کہ نور محمدی بلحاظ خلقت سب مخلوق سے اول ہے اور بلحاظ ظہور سب سے آخر ہے اسی لیے نور محمدی کا اول و آخر نور خدا تو ہو سکتا ہے اور کسی کے نور نبوت کا یہ منصب نہیں ہو سکتا۔ اور نہ آپ کے بعد کسی نبوت کا وجود تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اگر تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے منکر گروہ نے حقیقت محمدیہ کی اولیت سے بھی انکار کر دیا ہو۔

(عقائد الاسلام قاسمی ص ۳۳)

مولانا محمد طاہر قاسمی حیات نبویہ کے بارے میں لکھتے ہیں :-

”ہمارا عقیدہ یہ بھی ہونا چاہیے کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ سلامت ہیں۔ چونکہ اس عالم میں موت کے قانون سے کسی کا استثناء نہیں اس لیے بعد وفات آپ کا نور پاک اس عالم سے اس طرح اوجھل اور مستور ہے جس طرح سے ایک روشنی کے چراغ پر کوئی سرپوش ڈھک دیا جاتا ہے۔ چونکہ آپ کا نور پاک سب سے پہلے پیدا ہوا اس لیے اس نور پاک کا اپنے جسم پاک سے اتنا اتصال کچھ خلاف عقل بھی نہیں۔“

(عقائد الاسلام قاسمی ص ۳۴)

کتاب المہند جو علماء دیوبند کے عقائد میں ایک مشہور کتاب ہے۔ اور

ایسی مستند ہے کہ اس پر اکابر علماء دیوبند اور بعض عرب کے علماء کی تصدیقات بھی درج ہیں۔ اس کتاب میں ختم نبوت کے بارے میں اکابر علماء دیوبند کا عقیدہ اس طرح درج کرتے ہیں :-

”مولانا نونوتوی نے اپنی وقتِ نظر سے اپنے رسالہ تحذیر

الناس میں ختم نبوت کی اس طرح تشریح فرمائی ہے۔

خاتمیت ایک جنس ہے جس کے تحت دو نوع داخل ہیں۔

۱۔ ایک خاتمیت باعتبار زمانہ۔ کہ آپ کی نبوت کا زمانہ تمام نبیوں

کی نبوت کے زمانہ سے مؤخر ہے۔ آپ بحیثیت زمانہ سب کی نبوت

کے خاتم ہیں۔

۲۔ دوسری خاتمیت بطور ذات جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ

کی نبوت ایسی ہے جس پر تمام نبیوں کی نبوت ختم اور منتهی ہوئی

ہے۔ جس طرح آپ زمانہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں اسی

طرح نبوت بالذات کے طور پر بھی خاتم النبیین ہیں کیونکہ جو چیز

بالعرض ہوتی ہے وہ بالذات چیز پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے آگے

سلسلہ نہیں چل سکتا۔ جب کہ آپ کی نبوت بالذات ہے اور

اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت بالعرض۔ اس لیے سارے

نبیوں کی نبوت آپ کی نبوت کے واسطے سے ہے اور آپ ہی

فردِ اکمل اور دائرہ رسالت و نبوت کے مرکز اور عقدِ نبوت کا

واسطہ ہیں۔ پس آپ زمانہ و ذاتاً خاتم النبیین ہیں۔ آپ کی

محض زمانہ کے اعتبار سے نہیں اس لیے کہ اس میں کوئی بڑی فضیلت نہیں ہے کہ آپ کا زمانہ تمام نبیوں کے زمانے سے متاخر ہے۔ بلکہ کامل فوقیت اور غایت رفعت اس وقت ثابت ہوگی جب کہ آپ کی خاتمیت ذات اور زمانہ دونوں کے اعتبار سے ہو۔ ورنہ زمانہ کے اعتبار سے خاتم الانبیاء ہونے سے آپ کی سیادت و رفعت کمال کو نہ پہنچے گی۔ اس دقیق مضمون میں جس طرح جلالت و عظمت نبوی کا بیان ہے یہ مولانا نانوتوی کا مکاشفہ ہے۔ یہ وہی تحقیق ہے جس طرح ہمارے محققین شیخ عبد القدوس گنگوہی، شیخ اکبر ابن عربی اور علامہ تقی سبکی نے تحقیق فرمائی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ تحقیق ایسی ہے کہ بہت سے علماء متقدمین اور اذکیاء متبحرین بھی ایسی تحقیق کا ادراک نہیں کر سکے۔ (ترجمہ اردو المہند المسمی بہ عقائد علماء دیوبند۔ مطبوعہ دیوبند ص ۱۴)

اے مولانا نانوتوی نے جس طرح ختم نبوت کی تشریح فرمائی ہے، حضرت مدنی اور مولانا خلیل احمد نے اعتراف کیا ہے کہ ایسی تحقیق علماء متقدمین اور اکابر مصنفین بھی نہیں کر سکے۔ ہاں ایسی تحقیق کا ماخذ ابن عربی، علامہ سبکی اور شیخ عبد القدوس کی کتابوں میں مل سکتا ہے۔ مولانا سید احمد رضا بجنوری، محدث دیوبند لکھتے ہیں: ”مولانا نانوتوی نے جس نظریے کی تحقیق (باقی صفحہ آئندہ پر)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ الہند کے مترجم قرآن کے حاشیہ پر
 ولكن رسول الله وخاتم النبيين کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-
 ”بلکہ بعض محققین کے نزدیک تو انبیاء سابقین اپنے اپنے
 عہد میں بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت عظمیٰ ہی سے
 مستفید ہوتے تھے۔ جیسے رات کو چاند اور ستارے سورج کے
 نور سے مستفید ہوتے ہیں حالانکہ سورج اس وقت دکھائی نہیں دیتا
 اور جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر
 ختم ہو جاتے ہیں اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و
 کمالات کا سلسلہ بھی روح محمدی پر ختم ہو جاتا ہے۔ بدین لحاظ
 کہہ سکتے ہیں کہ آپ ربی اور زانی ہر حیثیت سے خاتم النبیین ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اب حیات میں کی ہے اس مضمون کی تائید دوسرے
 اسلاف سے بھی ملتی ہے۔ مثلاً سیدنا شیخ عبد العزیز دباغ کی اہمیزہ وغیرہ
 (نطق النور ص ۱۱۶) اس سے ثابت ہوا کہ حضرت نانوتوی کے نظریات کا ماخذ
 ابن عربی۔ علامہ سبکی۔ عبد القدوس گنگوہی اور عبد العزیز دباغ کی علمی تحقیق ہے
 یہ چاروں حضرات نظریہ وحدۃ الوجود کے ناسر اور داعی ہیں۔ عبد القدوس
 گنگوہی علماء دیوبند کے سلسلہ چشتیہ کے مشہور شیخ ہیں۔ یہ شیخ نظریہ وحدۃ الوجود
 اور سماع میں بہت مبالغہ کرتے تھے۔ علامہ سبکی عطار اللہ اسکندری شاذلی کے
 مرید تھے۔ شیخ ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کے داعی تھے۔ (باقی صفحہ آئندہ پر)

اور جن کو نبوت ملی ہے آپ ہی کی مہر لگ کر ملی ہے۔“
(قرآن مجید مترجم وحشی از شیخ الہند ص ۵۵)

مولانا قاری طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند فلسفہ نانوتوی کے شارح اور عقائد علماء دیوبند کے آخری ترجمان تھے، اب ہم ان کی علمی تحریروں کے اقتباس درج کرتے ہیں۔ آپ اپنی مشہور کتاب آفتاب نبوت میں تحریر کرتے ہیں :-

”بلکہ آپ کا اصل امتیازی وصف یہ ہے کہ آپ نور نبوت میں سب انبیاء کے مرتبی، ان کے حق میں مصدر فیض اور ان کے انوار کمال کی اصل ہیں۔ اس لیے اصل میں نبی آپ ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اصل سے نہیں بلکہ آپ کے فیض سے نبی ہوئے ہیں۔ پس آپ ان سب حضرات انبیاء کے حق میں مربی اور اصل نور ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے کو نبی الامت ہی نہیں بلکہ الانبیاء بھی فرمایا ہے جیسا کہ روایات حدیث میں مصرح مری جیسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس سے معلوم ہوا کہ اس نظریے کا انتہائی ساحل ابن عربی کا فلسفہ ہے۔ ائمہ سلف اور متقدمین کا عقیدہ ویسے نظریات سے خالی ہے۔ اگر کوئی صاحب نبوت بالذات اور نبوت بالعرض اور حقیقت محمدیہ صبی اصطلاحیں ابن عربی کے ماقبل متقدمین اسلاف کی کتابوں میں دکھادیں تو ہم ان کے بے حد متحیر ہونگے۔ لے بعض محققین سے مراد حضرت نانوتوی اور (باقی صفحہ آئندہ)

آپ امت کے حق میں نبی امت ہونے کی وجہ سے مرتی ہیں یہی
 ہی نبیوں کے حق میں بوجہ نبی الانبیاء ہونے کے مرتی ہیں۔ حضور
 کی شان محض نبوت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوت بخشی بھی نکلتی ہے کہ
 جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہوا فرد آپ کے سامنے آگیا نبی
 ہو گیا۔ اسی طرح نور نبوت آپ ہی سے اور آپ ہی پر لوٹ کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس کے مؤید علماء ہیں۔ نبوت بالذات اور ربی ختم
 نبوت کو جس طرح علامہ شبیر احمد عثمانی اختصار کے ساتھ واضح کیا ہے مانو تو ی
 فلسفے کی تفہیم میں اب کسی قسم کی بھی الجھن باقی نہیں رہتی۔ اس تحریر کا آخری
 جملہ ... ”اور جن کو نبوت ملی ہے آپ ہی کی مہر لگ کر ملی ہے“ اس میں ابن
 عربی کے نظریہ حقیقت محمدیہ کی پوری ترجمانی کی گئی ہے۔ ابن عربی اپنی مشہور
 کتاب فصوص الحکم میں لکھتے ہیں فکل نبی من لدن آدم الی اخر نبی
 ما منہم احد یاخذ الا من مشکاة خاتم النبیین وان تاخر وجود طینتہ
 فانه بحقیقتہ موجود (فصوص الحکم فص شیش ص ۶۹) (ترجمہ)
 حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک ہر نبی کو خاتم النبیین کی مشکاة
 سے نبوت ملی ہے اگرچہ آپ کا عنصری وجود سب سے متاخر ہو کیونکہ آپ اپنی
 حقیقت سب سے قبل موجود تھے۔ اور فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں ان مستملہ جمیع
 الانبیاء والمرسلین من روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم (الیواقیت والجواہر ص ۲۴)
 روح محمدی سے مراد حقیقتہ محمدیہ ہے۔

ختم ہو گیا اور یہی شانِ خاتم کی ہوتی ہے کہ اسی سے اس کے وصفِ خاص کی ابتدا بھی ہوتی ہے اور اسی پر انتہا بھی ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہم آپ کو وصفِ نبوت کے لحاظ صرف نبی ہی نہیں کہیں گے بلکہ خاتم النبیین کہیں گے کہ آپ ہی پر تمام انوارِ نبوت کی انتہا ہے جس سے آپ منتہائے نبوت ہیں آپ ہی سے نبوت چلتی ہے اور آخر کار آپ پر ہی عود کرتی ہے۔ پس آفتاب کی تمثیل سے آفتابِ نبوت

نبوت کا مبداء بھی ثابت ہوتا ہے اور منتہا بھی۔ نبوت میں اول بھی نکلتا ہے اور آخر بھی۔ فاتح بھی اور خاتم بھی۔ چنانچہ آپ نے اپنی نبوت کی اولیت کا ان الفاظ میں اعلان فرمایا ہے کنت نبیاً و آدم بین الروح والجسد۔ میں نبی بن چکا تھا جب کہ آدم ابھی روح و جسم کے درمیان ہی میں تھے۔ یعنی ان کا خمیر ہی کیا جا رہا تھا اور ان کی تخلیق مکمل بھی نہیں ہوئی تھی جس سے واضح ہے کہ آپ انبیاء کے حق میں بمنزلہ اصل کے ہیں اور باقی انبیاء آپ کی نسبت بمنزلہ فرع کے ہیں کہ ان کا علم اور خلق آپ کے فیض سے طور پذیر ہوا۔ آفتابِ نبوت ص ۸۲

از قاری طبیب

مصدر کائنات اور فلسفہ لولاک کی قاری طبیب صاحب اس طرح

وضاحت فرماتے ہیں:-

”اگر آپ دنیا میں تشریف نہ لاتے تو نہ صرف یہی کہ آپ
 نہ پہچانے جاتے بلکہ عالم کی کوئی چیز بھی اپنی غرض و غایت کے
 لحاظ سے نہ پہچانی جاتی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ
 ہوتا۔“ (آفتاب نبوت از قاری طیب ص ۹۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق میں حقیقۂ محمدیہ کا تصرف

حقیقت محمدیہ کو مصدر کائنات اس لیے کہتے ہیں کہ کائنات کی ہر چیز
 حقیقت محمدیہ سے نکلی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق پر بعض
 لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ باپ کے بغیر پیدا ہونا خلاف فطرت ہے۔
 جناب قاری طیب اس لاینحل عقدے کو اس طرح حل فرماتے ہیں:-

”حضرت عیسیٰ شبیہ محمدی کی اولاد ہیں۔ چنانچہ بتصریح
 قرآن جبریل علیہ السلام نے کامل الخلقۃ کی صورت میں نمایاں
 ہو کر مریم پاک کے گریبان میں پھونک مار دی جس سے وہ حاملہ
 ہوئیں تو اس وقت حضرت جبریل صورت محمدی میں تھے اور
 ہر صورت اپنے مناسب ہی حقیقت کا تقاضا کرتی ہے۔ اس
 لیے یہ صورت محمدی کمالات محمدی کی متقاضی تھی، اگر وہ

اس وقت جبریل کا چولہ پہنے ہوئے تھی اور انہوں نے گویا اس صورت میں حقیقتِ محمدیہ کی نوعیت کو لے کر مریم پاک کے گریبان میں پھونک ماری جس سے مسیح علیہ السلام کا ماں کے پیٹ میں وجود ہوا۔ جس کے معنی یہ ہوتے گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت میں بواسطہ شبیہ محمدی خود حقیقتِ محمدیہ کی نوعیت شامل تھی۔“

(آفتاب نبوت از قاری طیب ص ۴۷)

صفحات گزشتہ پر جو قاری طیب کی عبارت درج ہے اس کی

وضاحت :-

”نبی الانبیاء کا مفہیم یہ ہے کہ آپ نبیوں کے مربی ہیں“

از قاری طیب ص ۶

علم ارواح میں آپ کی ذات نبیوں کی روحوں کی کس طرح تربیت فرماتی تھی شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ التالیف قلب الالبیف بکتابۃ فہرس التوالیف میں اس تربیت کی اس طرح تشریح فرماتے ہیں :-

”سارے پیغمبر نیچے اتر کر حضور کے مدرسہ میں حاضر ہوئے

اور آپ کے مکتب میں شاگرد بنے۔ ہر ایک نبی نے علم کی ایک کتاب اور دین کا ایک باب حضور سے پڑھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر دنیا کو فیض دینے کے لیے مسند نبوت پر

جاگزیں ہوئے اور اللہ کے احکام کی مخلوق کو تعلیم دی۔ ان رسولوں میں سب سے پہلے حضرت آدم تھے جو والد ہونے کے باوجود اپنے سچے فرزند کے مدرسہ میں باادب و ذرا فوہیے تمام زبانیں اور چیزوں کے نام حضور سے سیکھے پھر خلافت الہیہ کی مسند پر جاگزیں ہوئے اور ملائکہ مقربین کی تعلیم و تربیت فرمانے لگے جس سے حضرت آدم کا حق استاد ی سارے فرشتوں پر ثابت ہوا اور آخر کار ان کے مسجود بن گئے۔“

(حوالہ رسالہ نور از مفتی احمد یار گجراتی ص ۴)

اسی طرح اس کی مختصر بحث مدارج النبوة میں درج ہے
”حضور کی شان محض نبوت ہی نہیں بلکہ نبوت بخش بھی

نکلتی ہے۔“ از قاری طیب ص ۶

اس کا مفہوم واضح ہے۔ نبوت عطا کرنے کا اختیار آپ کے قبضہ میں ہے۔ جب عطا کرنے کا اختیار آپ کے قبضہ میں ہے تو نبوت کے لیے کسی کا انتخاب کرنا بھی آپ کے اختیار اور مرضی پر موقوف ہوگا۔ جب عطا کرنے کا اختیار ہے تو نبوت سلب کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔
”خاتم کی شان یہ ہے کہ نور نبوت آپ سے ہی چلا اور

آپ پر لوٹ کر ختم ہو گیا۔“ از قاری طیب ص ۶

اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی نبوت اصل میں مصدر نبوت ہے اسے ذاتی نبوت بھی کہتے ہیں۔ تمام نبیوں کی نبوت کا اجمار اسی مصدر

نبوت سے ہوا ہے۔ اسے زبانی ختم نبوت کہتے ہیں۔ اجراء کے بعد نبوت کے جتنے حصے نبیوں میں پھیل کر منتشر ہو گئے تھے جب آپ عنصری وجود میں ظاہر ہوئے وہ تمام منتشر حصے لوٹ کر دوبارہ آپ کی ذات میں جمع ہو گئے۔ اسے یہ لوگ ختم زبانی کہتے ہیں۔ المہند میں ہے باقی تمام نبیوں کی نبوت بالعرض ہے اور آپ کی نبوت بالذات۔ جو چیز بالعرض ہوتی ہے وہ بالذات چیز پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے آگے سلسلہ نہیں چل سکتا۔ (ص ۵)

ان اوراق میں تفصیل کے ساتھ بحث نہیں ہو سکتی۔ اختصار کے ساتھ عرض یہ ہے کہ بالذات نبوت سے جب بالعرض نبوت کا اجرا ہو سکتا ہے۔ اس اجرا کے بعد جتنے انبیاء اپنی بالعرض نبوت کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ اس اجرا کا قانون ان ہی انبیاء کی تعداد تک محدود ہے۔ یا اس بالذات نبوت میں اس سے زیادہ استعداد بھی موجود ہے کہ دوسرے بالعرض نبیوں کے لیے بھی گنجائش ہو سکتی ہے۔ اگر گنجائش موجود ہے تو دوسرے افراد کی نبوت بالعرض کا احتمال بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اگر گنجائش موجود نہیں تو آپ کو نبوت بخش کہنا غلط ہو جائے گا جس سے آپ کی بالذات نبوت میں بھی نقص آجائے گا۔ نبوت بالعرض کا اجرا جب حضرت آدم سے شروع ہوتا ہے تو آپ کی نبوت بالذات کے مرتبے کو آپ کی روح پر ماننا پڑے گا۔ ورنہ ان متاخر انبیاء کو نبوت بالعرض کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ اب سوال یہ ہے اس وقت جو آپ کی روح کو نبوت

بالذات کا مرتبہ حاصل ہے۔ آپ اس نبوت کو شرعی نبوت کہیں گے یا غیر شرعی۔ اگر آپ اسے شرعی نبوت کہیں گے تو اس روحانی نبوت پر قرآن کا نزول بھی ماننا پڑے گا۔ اور اگر آپ اسے غیر شرعی نبوت کہیں گے دنیا میں جتنے انبیاء مبعوث ہوئے ہیں وہ سب کے سب شرعی نبوت کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے۔ آپ کی اس غیر شرعی نبوت سے ان نبیوں کی شرعی نبوت کا کیسے اجراء ہو سکتا ہے۔ قاعدہ ہے جو مادہ مصدر میں ہوتا ہے وہ مادہ اس کے تمام مشتقات میں موجود ہونا ضروری ہے دوسرا سوال یہ ہے۔ یہ ظاہر ہے جس وقت آپ کی روح کو نبوت بالذات کا درجہ ملا تھا، اس کے ساتھ قرآن نازل نہیں ہوا تھا۔ اور جب آپ کے وجود عنصری کو نبوت ملی تھی تو اس نبوت کے ساتھ قرآن بھی نازل ہوا تھا جس نبوت کے ساتھ قرآن نہیں اترنا تھا اس نبوت کو آپ حضرات نبوت بالذات کہتے ہیں اور جس نبوت کے ساتھ قرآن اترتا ہے بھلا آپ اس نبوت کو کیا کہیں گے۔

بعض کہتے ہیں کہ نبوت کا آغاز تو عالم ارواح میں ہو چکا تھا لیکن اس کا اظہار اس وقت کیا گیا ہے جس وقت آپ کے وجود عنصری پر قرآن نازل ہوا تھا۔ یہ عجیب جواب ہے۔ دیکھیے اظہار نبوت کے لیے تو سارا قرآن اتارا جائے اور آغاز نبوت کے لیے جو نبوت بالذات کے درجے میں داخل ہے اس کے لیے ایک نص قطعی بھی نہ اتاری جائے۔ دوسرا آپ کہتے ہیں کہ آپ عالم ارواح میں تمام نبیوں کے

مربی تھے۔ اگر آپ عالم ارواح میں نبیوں کی تعلیم و تربیت کرتے تھے آپ یہ بتلائیں یہ تعلیم نبوت کے علوم سے تعلق رکھتی تھی یا کوئی دوسری تعلیم تھی۔ دوسرا یہ کہ یہ تعلیم آپ وحی کے ذریعے کرتے تھے یا غیر وحی کے ذریعے۔

حیاء بالذات کا مفہوم

حضرت نانوتوی لکھتے ہیں :-

”حیات نبوی اور حیات مومنین میں فرق ہے۔ یعنی حیات نبوی بوجہ ذاتیت قابل زوال نہیں۔ اور حیات مومنین بوجہ عرضیت قابل زوال ہے۔ اس لیے موت کے وقت حیات نبوی زائل نہ ہوگی بلکہ مستور ہو جائے گی۔“

(آب حیات ص ۶)

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے چونکہ یہ حضرات آپ کی ذات کو حقیقہ محمدیہ کی وجہ سے روح الاکوان اور معدن حیات کہتے ہیں۔ کائنات کے

سے تمام نبیوں کے مربی تھے۔ آفتاب نبوت از قاری طیب۔ عقیدۃ الامتہ از خالد محمود ص ۴۸۔

سے مطالع المسرات میں ہے ہو صلی اللہ علیہ وسلم فرح الاکوان و حیاتہا و سر وجودہا و لولہ لاذہبت و تلاشت۔ حضور اقدس (باقی بر صفحہ آئندہ)

اندر ہر چیز اپنا ایک وجود رکھتی ہے۔ وہ اس لیے وجود رکھتی ہے کہ حقیقت محمدیہ اس کے وجود کو قائم اور باقی رکھے ہوئے ہے۔ اسی طرح موت کا بھی ایک وجود ہے اس کے وجود کا بقا بھی حقیقت محمدیہ پر موقوف ہے۔ اس لیے موت کا وجود بالذات نہیں بلکہ وجود بالعرض ہے اور ذات نبویہ چونکہ روح الاکوان ہے اس لیے آپ کا وجود حیات بالذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس لیے موت کا تصرف بوجہ عرضیت کے ذات نبویہ کی حیثیت کو سلب نہیں کر سکتا چونکہ دوسرے انسانوں کی حیات بالعرض ہے۔ اس لیے ان کی حیات موت کے وقت زائل ہو سکتی ہے۔ یہی مفہوم ہے حیات بالذات کا کہ آپ کی حیات موت کے وقت زائل نہ ہوگی بلکہ مستور ہو جائے گی۔ یہی عقیدہ علماء دیوبند کے عقائد میں شامل ہے۔ وہ اس کا اس طرح مفہوم ادا کرتے ہیں :-

”آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اور آپ کی یہ حیات دنیا جیسی ہے“ (المہندی عقائد علماء دیوبند ص ۱)

مرتبی نبوت کے نبوت بالعرض کا انجرام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تمام عالم کی روح اور باعث حیات ہیں۔ تمام کائنات کے وجود کا اصلی سبب آپ ہیں۔ حضور نہ ہوں تو یہ سارا جہان نیست و نابود ہو جائے۔

حضرت نانوتوی کی ایک عبارت پر مرزا نبیت اور احمد رضا بریلوی کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے بعد دوسرے نبی بھی آسکتے ہیں۔ پھر اس پر طرفین کے درمیان مناظروں، تقریروں اور تحریروں کے ذریعے اتنی لمبے ہوئی رہی کہ جس کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جو اس میدانِ کارزار میں زور آزمائی کرتے رہے ہیں۔ وہ عبارت یہ تھی جو حضرت نانوتوی کی تحذیر الناس میں درج ہے۔ حضرت نانوتوی خاتمیت مرتبی کی تشریح کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں :-

”بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“

(تحذیر الناس ص ۲۴)

یہ صحیح ہے کہ مخالفین کی طرف سے جو اس عبارت پر گرفت کی گئی ہے وہ بالکل خام ہے۔ ان کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ خاتمیت مرتبی کو خاتمیت زمانی پر محمول کر کے گرفت کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ خاتمیت زمانی کے بعد اگر کوئی دوسرے نبی کے آنے کا قائل ہو تو حضرت نانوتوی اس کا صریح انکار کرتے ہیں۔ مولانا محمد منظور نعمانی احمد رضا بریلوی کے اعتراض کا جواب اس طرح دیتے ہیں :-

”ان دونوں فقروں میں حضرت نانوتوی صرف خاتمیت ذاتی کے متعلق فرما رہے ہیں کہ یہ ایسی خاتمیت ہے کہ اگر بالفرض

آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد اور کوئی نبی ہو تب بھی آپ کی اس خاتمیت میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ رہی خاتمیت زمانی اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں اور نہ کوئی ذی ہوش یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے ہونے سے خاتمیت زمانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔“ (فیصلہ کن مناظرہ از مولانا محمد منظور نعمانی ص ۴۹)

علامہ خالد محمود صاحب مرزائیوں کے اعتراض کا اس طرح جواب دیتے ہیں :-

”یہ عبارت بھی ختم زمانی کے بیان میں نہیں بلکہ ختم نبوت ذاتی اور مرتبی کے بیان میں ہے یعنی اور کسی نئے نبی کی آمد پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت مرتبی کے خلاف نہیں۔“

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

”ختم نبوت مرتبی تو آپ کو اس وقت حاصل تھی جب کہ حضرت آدم علیہ السلام بھی خلعت نبوت سے سرفراز نہ ہوئے تھے۔ اور اس ختم نبوت مرتبی کے ہوتے ہوئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام یکے بعد دیگرے تشریف لاتے رہے معلوم ہوا کہ ختم نبوت مرتبی اپنی ذات کے اعتبار سے انبیاء کرام مانع نہیں۔“ (عقیدۃ الامتہ فی معنی ختم النبوة ص ۵۵ و ۵۶)

اب رہا یہ کہ حضرت نانوتومی کے نزدیک ختم نبوت مرتبی کا کیا مفہوم ہے۔ علامہ خالد محمود اس مفہوم کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں:-

”یہ مرتبہ آپ کو اس وقت بھی حاصل تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی روح و جسم کے درمیان تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس جہان میں بھی تمام انبیاء کی روحوں کی استداد تھی اور علوم الہیہ کا ان پر فیضان فرما رہی تھی۔ آپ اُس جہان میں بالفعل نبی تھے اور باقی نبیوں کی نبوت صرف اللہ کے علم میں تھی ظاہر نہ تھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح رب العزہ کے سامنے ایک نور کی صورت میں تھی جب یہ نور اللہ کی تسبیح کرتا تو تمام فرشتے تسبیح پڑھتے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام مراتب نبوت ختم تھے۔ اور اس ختم نبوت مرتبی کے ہوتے ہوئے تمام انبیاء کرام یکے بعد دیگرے نازل ہوئے۔“

(عقیدۃ الامۃ از خالد محمود ص ۵۷)

مولانا محمد منظور نعمانی خاتمیت مرتبی کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں:-

”اس کا مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہیں اور دوسرے

انبیاء علیہم السلام بالعرض اور آپ کے واسطے سے۔ یعنی حضور
 علیہ السلام کو بغیر کسی واسطے کے کمالات نبوت عطا فرمائے گئے
 اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضور سرایا نور کے واسطے سے
 اللہ تعالیٰ نے آپ کو بالذات نبی بنایا۔ آپ اپنی نبوت میں
 کسی دوسرے نبی کے محتاج نہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو
 نبی بالعرض بنایا یعنی ان کو کمالات نبوت محمدیہ کے واسطے سے
 عطا فرمائے۔ اور وہ اپنی نبوت میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے محتاج ہیں۔ اور ان کی نبوت آپ کی بارگاہ نبوت سے مستفاد
 ہے۔“ (سیف یمانی از مولانا منظور نعمانی ص ۳۲)

ان عبارتوں کے بعد یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہے کہ حضرت نانوتوی
 جس خاتمیت محمدی کے بعد کسی نبی کے ہونے کا امکان ظاہر کر رہے ہیں،
 اس خاتمیت سے مراد مرتبی ختم نبوت ہے نہ کہ زمانی ختم نبوت۔ اور یہ بھی آپ
 پڑھ چکے ہیں کہ نبوت بالذات اور نبوت بالعرض کا مفہوم کیا ہے۔ اب دیکھنا
 یہ ہے کہ نبوت بالذات اور نبوت بالعرض کی اصطلاح یا یہ نظریہ کہاں سے
 ماخوذ ہے۔ علامہ خالد محمود اس اعتراض کا جواب اور اس کے ماخذ کی اس
 طرح دلیل پیش کرتے ہیں:-

”بعض ناواقف مسلمان اعتراض کرتے ہیں کہ آن حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے اصلی اور ذاتی کے الفاظ مولانا
 نانوتوی سے پہلے کسی نے استعمال نہیں کیے۔ جواباً عرض ہے کہ

شیخ ابوعثمان فرغانی سے علامہ فاسی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسے تمام الفاظ نقل کیے ہیں، فرماتے ہیں:-
 فلم یکن داع حقیقی من الابتداء الی الانتهاء الا هذه الحقیقة
 المحمدیة۔ اس میں آپ کے صلی نبی ہونے اور نبی الانبیاء ہونے
 وغیرہ کی تمام تفصیلات مرقوم ہیں۔ (دیکھیے مطالع المسرات ص ۱۷۱)
 شرح اسم داعی مطبوعہ مصر) (عقیدۃ الامة فی معنی ختم النبوة ص ۵۷)
 اس سے معلوم ہوا کہ مرتبی نبوت جس سے انبیاء کی نبوت بالعرض کا صدور
 ہوتا ہے اس کا ماخذ حقیقت احمدیہ (حقیقت محمدیہ) ہے۔ مرتبی نبوت
 کی وجہ سے آپ صرف اس امت کے رسول نہ کہلا میں گئے بلکہ آپ کی
 نبوت کون و مکان زمین و زمان کو شامل ہوگی۔

حضرت نانوتوی صاحب لکھتے ہیں:-

”تا کہ اشارہ شناسان حقیقت کو یہ معلوم ہو کہ آپ کی نبوت
 کون و مکان زمین و زمان کو شامل ہے۔“

(تخذیر الناس ص ۱۹)

علامہ خالد محمود لکھتے ہیں:-

”یہ ختم نبوت مرتبی ہے جو زمان و مکان سے عام ہے۔“

اور نیچے حاشیہ میں اس کی یوں وضاحت کرتے ہیں:-

”ہر نعمت چھوٹی ہو یا بڑی۔ روحانی ہو یا جسمانی۔ ازل سے ابتداء ساری
 کائنات پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ فیضان سے منقسم ہو رہی ہے۔“

جیسے سورج کی روشنی سارے عالم کی روشنیوں کی اصل ہے۔ تمام جہانوں میں خواہ وہ ملار اعلیٰ ہوں یا بساط ارضی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات ہی اصل وجود اور اصل نبوت ہے۔ بھلا جو ہستی زمان و مکان کی بھی اصل ہو اس کے لیے فقط زمانے کی تقدیم و تاخیر کوئی خاص معیار فضیلت کیسے ہو سکتی ہے بلکہ اس تاخیر زمانی کے ساتھ تمام سلسلہ کمالات بھی اسی ذات مقدسہ پر ہونا ضروری ہے۔ اور ختم نبوت زمانی کے ساتھ ختم نبوت کا اقرار بھی لازم ہے۔“

(غنیۃ الامتہ فی معنی ختم النبوتہ از خالد محمود ص ۵۳)

عبارت بالامین آئل سے ابتداء۔ اصل وجود۔ اصل نبوت۔ زمان و مکان کی اصل۔ ان جملوں کے معانی کو اپنے ذہن میں حاضر رکھیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ تمام عبارت ہو ہو اس عبارت کی ترجمانی کر رہی ہے جو ہم نے حضرت مدنی کی کتاب الشہاب الثاقب کے حوالے سے پچھلے اوراق میں درج کی ہے۔ دوسرے اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح آپ کا وجود زمان و مکان کی اصل اور اصل وجود بھی ہے مولانا محمد منظور نعمانی اسے ذرا شادہ کر کے بیان کرتے ہیں:-

”آپ نبی بالذات ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام بالعرض۔“

اس اصطلاح میں صرف مولانا نانوتوی ہی متفرد نہیں ہیں بلکہ بہت سے اگلے علماء محققین بھی اس کی تصریح فرماتے ہیں۔ ان کی عبارات نقل کر کے ہم کتاب کو ضخیم بنانے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ کیونکہ خود

احمد رضا خاں بریلوی نے بھی اس مسئلہ کو اس طرح لکھ دیا ہے کہ اس کے بعد کسی دوسرے کی عبارت نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ فاضل بریلوی اپنے رسالے ”جزائر الشریعہ“ کے ص ۲۳ پر لکھتے ہیں :-

”اور نصوص متواترہ اولیاء کرام و ائمہ عظام و علماء اعلام سے مبرہن ہو چکا کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر۔ صغیر یا کبیر۔ جسمانی یا روحانی دینی یا دنیوی۔ ظاہری یا باطنی۔ روزِ ازل سے اب تک۔ اور اب تک قیامت تک۔ قیامت سے آخرت تک۔ آخرت سے ابد تک مومن یا کافر۔ مطیع یا فاجر۔ ملک یا انسان۔ جن یا حیوان۔ بلکہ تمام ماسوی الشریب جسے جو کچھ ملی یا ملتی ہے یا ملے گی انہوں کے ہاتھوں پر بٹی اور بٹتی ہے اور بٹے گی۔ یہ سِرُّ الوجود اور اصل الوجود۔ خلیفۃ اللہ الاعظم و ولی نعمت عالم ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

(رسالہ جزائر الشریعہ از احمد رضا ص ۲۳)

فاضل بریلوی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عالم میں جو کچھ نعمت روحانی یا جسمانی۔ دنیوی یا دینی۔ ظاہری یا باطنی کسی کو ملی ہے وہ آپ ہی کے دستِ کرم کا نتیجہ ہے اور چونکہ نبوت بھی ایک اعلیٰ درجہ کی روحانی نعمت ہے لہذا وہ بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کو آپ کے واسطہ سے ملی ہے۔ اسی حقیقت کا نام نانوتوی صاحب کی اصطلاح میں خاتمیت ذاتی اور خاتمیت مرتبی ہے۔ (فیصلہ کن

مناظرہ از محمد منظور نعمانی طہ

مولانا محمد منظور نعمانی نے نبوت بالذات کی الجھن کو بالکل صاف کر دیا ہے کہ اس اصطلاح میں صرف نانوتوی صاحب ہی متفرد نہیں بلکہ اگلے محققین بھی اس کی تصریح فرماتے ہیں۔ پھر محققین کی عبارتوں کو اس لیے نقل نہیں کرتے کہ جو کچھ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے لکھ دیا ہے اس کے بعد ان محققین کی عبارتوں کو نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس سے اس بات کی اچھی طرح وضاحت ہو گئی ہے کہ جن محققین سے حضرت نانوتوی نے یہ نظریہ اخذ کیا ہے احمد رضا خاں بریلوی کے نظریے کا ماخذ بھی وہی محققین ہیں۔ اب حضرت مدنی صاحب کی وہ عبارت جو آپ نے الشہاب الثاقب میں لکھی ہے اور وہ عبارت جو علامہ خالد محمود نے عقیدۃ الامتہ میں لکھی ہے اور ان کے ساتھ احمد رضا خاں بریلوی کی یہ عبارت بھی ملا لیں۔ تینوں کا خلاصہ ایک ہی نکلتا ہے کہ آپ کی ذات جس طرح اصل نبوت ہے اسی طرح وجود کائنات کی اصل بھی آپ ہیں۔ کائنات کے ذرے ذرے کو وجود کی نعمت ملی ہو یا کسی اور چیز کی یہ سب نعمتیں آپ ہی کے دستِ کرم کا نتیجہ ہیں۔ احمد رضا خاں بریلوی اسے اپنی دوسری کتاب میں جامع اور مختصر کر کے لکھتے ہیں :-

”یہ جہان جس طرح ابتدائے آفرینش میں آپ کا محتاج تھا، جیسا کہ لولاک لما خلقت الدنیا۔ یوں ہی یہ جہان بقا میں بھی آپ کا محتاج ہے۔ اگر آپ کا قدم درمیان سے نکال لیں تمام جہان ابھی بھی

فنائے مطلق ہو جائے

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان پر

(الامن والعلی ص ۳۷)

علامہ سید احمد سعید کاظمی جو اس دور میں بریلوی فلسفے کے امام

المشکلمین ہیں دیکھیے اس نظر بے کوس طرح بیان کرتے ہیں :-

”اس حیثیت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل کائنات

ہیں۔ آپ کی حیات مقدسہ آسمان وجود ممکنات کا چمکتا ہوا

آفتاب ہے۔ مخلوقات کے تمام انواع واقسام و افراد بمنزلہ

آئینوں کے ہیں۔ ہر آئینہ اپنے مقام پر مخصوص کیفیت اور

جد گانہ قسم کی استعداد کا حامل ہے۔ اس لیے ہر فرد اپنے

حسب حال اس آفتاب حیات سے اکتساب حیات کر رہا

ہے۔ خلق و امر۔ اجسام و ارواح۔ ایمان و معانی۔ ارض

و سما۔ تحت و فوق۔ سب کا نور حیات اسی آفتاب حیات

محمدی کی شعاعیں ہیں۔ البتہ عالم ممکنات کا اس معدن حیات

سے قرب و بعد اور افراد کائنات میں استعداد کی قوت

و ضعف مراتب حیات میں ضرور موجب تفاوت ہے نفس

حیات سب میں پائی جاتی ہے۔ لیکن ہر ایک کی حیات اس

کے حسب حال ہے۔ مومن ہو یا کافر۔ نیک ہو یا بد۔ ہر ایک کا

ہر ایک کا مبداء فیض آپ کی ذات ہے۔ اور حضور کے آفتاب
حیات سے ہر ایک مومن میں حیات کی روشنی پائی جاتی ہے۔
آفتاب غروب ہو جائے تو تمام آئینے نور سے محروم ہو جائیں
آئینوں میں نور کا پایا جانا آفتاب کے چمکنے کی دلیل ہے۔ اسی
طرح عالم ممکنات کے کسی ایک ایک ذرہ میں نور حیات کا
پایا جانا آفتاب حیات محمدی کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔
(حیات الہی از کاظمی صاحب ص ۹)

نبوت کا انقطاع اور اس کا اجراء

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ علماء دیوبند کا نظریہ نبوت ابن عربی کے نظریہ
وحدة الوجود سے ماخوذ ہے جس کے تحت ابن عربی عقل اول کو حقیقہ
محمدیہ کہتا ہے۔ مولانا محمد ادریس محدث کا ندھلوی نے اپنی مشہور کتاب
مسک الختام فی ختم النبوة میں اس پر ایک نفیس تحقیق لکھی ہے۔ اس
تحقیق انبوت سے اہل علم ان نظریات کے حقائق سے اچھی طرح آگاہ ہو سکتے
ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

کل ما فی الکون وہم او خیال

او عکوس فی المرایا او ظلال

موجود حقیقی صرف ایک واجب جل مجدہ کی ذات بابرکات ہو

اور باقی سب معدوم۔ سوائے باری تعالیٰ کے کسی کا وجود حقیقی نہیں۔ سب کا وجود مجازی اور موہوم ہے۔ حقیقی وجود کی تو کسی ممکن نے خوشبو تک نہیں سونگھی اور سونگھ بھی نہیں سکتے جس طرح زمین اپنی اصل ذات کے اعتبار سے مظلم اور تاریک ہے اور جو روشنی ہے وہ آفتاب کا ایک عکس اور پر تو ہے اسی طرح سارا جہان اپنی اصل حقیقت کے لحاظ سے نور وجود سے بالکل محروم اور عاری ہے۔ عدم اور فنا کے سوا اس عالم کی کوئی حقیقت نہیں کل شیء ہالک الا وجہہ۔ عدم اور فنا کو ممکن کی عین حقیقت یا ذاتیات سے قرار دے کسی صحت میں عدم ممکن سے جدا نہیں ہو سکتا۔ ہر ممکن کو عدم کا ایک آئینہ سمجھو

۱۔ اس میں ابن عربی کے نظریہ اعیان ثابتہ کی تشریح ہے۔ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں ما شئت الاعیان براۓتہ الوجود (فصوص الحکم) باقی تمام تحریر میں نظریہ وحدۃ الوجود کی تشریح کی گئی ہے۔ اعلام متقابلہ نے اعیان ثابتہ کو قبول کیا۔ وحدۃ الشہود کا نظریہ یہی ہے۔

۲۔ اس آیت سے کائنات کو موہوم و معدوم قرار دینا غلط ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز آئندہ ہلاک ہو جائے گی۔ یہ مراد نہیں کہ ہر چیز بالفعل ہلاک ہے۔

(فتاویٰ عزیزی ص ۱۱ ج ۱)

جس میں واجب الوجود کے وجود ازلی اور صفات کمالیہ منعکس ہو رہی ہیں۔ نور السموات والارض نے اپنے جمال جہاں آراء اور نور وجود کو کسی آئینے میں دیکھنے کا ارادہ فرمایا۔ اس لیے بے چون و چگون وجہ کو اس آئینہ عدم کی طرف متوجہ فرمایا۔ ہر عدم نے اپنی اپنی استعداد اور فطرت کے مناسب اس کے وجود ازلی اور صفات کمال کے عکس کو قبول کیا۔ جس عدم پر وجود واجب کا عکس پڑتا رہا وہ موجود کہلانے لگا۔ جس کے وجود کی حقیقت عکس اور پرتو سے زائد نہیں۔ جیسا کسی نے خوب کہا ہے ۷

کل ما فی الکون وہم او خیال

او عکس فی المرآیا او ظلال

ابتداء آفرینش سے اسی طرح سلسلہ جاری رہا کہ وجود ازلی اور صفات قدیمہ کا عکس ممکنات کے عدم پر وقتاً فوقتاً اور متفرقاً پڑتا رہا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اس خلاصہ موجودات

۱۷ یہ نظریہ کنٹ کنزاً مخفیاً کی موضوع حدیث سے ماخوذ ہے۔ نیز اس کا اصل ماخذ ہنود کے دیدہ ہیں۔ ویڈوں میں لکھا ہے کہ اپنے ظہور کے لیے خدا کے اندر نحو اش پیدا ہوئی۔

۱۸ اس شعر کی وضاحت لوائح جامی میں موجود ہے۔

اور خلاصہ عالم یعنی انسان کو احسن تقویم میں پیدا فرمایا تاکہ
ذات الہیہ کا مجموعہ منظر اور تجلی گاہ بن سکے لے جیسا کہ حدیث
میں ہے خلق اللہ آدم علی صورتہ اللہ تعالیٰ نے آدم
علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ عارف رومی فرماتے
ہیں ے

پس خلیفہ ساخت صاحب سینہ
تا بود شاہیش را آئینہ

حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو
اپنی خلافت کے لیے اس لیے خاص فرمایا کہ آدمی ایک جامع
نسخہ ہے جو کمالات تمام موجودات میں متفرق طور پر موجود
ہیں وہ تنہا انسان میں اجتماعی طور پر موجود ہیں۔ علوی رضوی
ارضی اور سماوی۔ روحانی اور حیوانی تمام کائنات کے نمونے
اس میں موجود ہیں۔ انسان عالم امکان کا تو حقیقہ خلاصہ
اور اجمال ہے۔ اور مرتبہ وجوب سے بطریق صورت (یعنی
عکس) اس کو حصہ ملا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی صفات واجبہ کا
منظر اور تجلی گاہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے ان اللہ خلق آدم

لے انسان ذات الہیہ کا مجموعہ منظر ہے۔ اس نظریے کی تشریح فصوص الحکم کی
فص آدم میں ابن عربی نے کی ہے۔

علیٰ صورۃ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صوت پر پیدا کیا۔
 مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں بے چون و
 چگون ہے اور روح آدم کو اپنی شان بے چونی و چگونی کی ایک
 تصویر و نمونہ بنایا کسی کا خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جو اس کی صوت پر
 ہو۔ اور چونکہ روح کو بے چون و چگون کی صورت پر پیدا کیا اس
 لیے حقیقی بے چون و چگون کی گنجائش اس میں ہو سکی جیسا کہ حدیث
 قدسی میں ہے لا یسعی ارضی ولا سماء و لکن یسعی قلب
 عبد المؤمن ^۱ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھ کو نہ میری زمین سما سکتی ہے
 اور نہ میرا آسمان لیکن میرے مومن بندہ کا دل مجھ کو سما سکتا ہے یعنی
 میرے عکس اور تجلی کو برداشت کر سکتا ہے۔
 قلب مومن کی اس یہ تخصیص فرمائی کہ بے چونی اور چگونی
 کی صورت پر مومن کا قلب ہی رہتا ہے بخلاف کافر کے کہ اس کا
 قلب چونی اور چندی میں گرفتار ہو کر وحوش اور بہائم کے ساتھ
 ملحق ہو جاتا ہے۔ (مکتوبات مجدیہ ص ۳۹ ج ۱)

۱ علیٰ صورتہ کا ترجمہ غلط ہے۔ اور محدث ابن خزیمہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث
 عقائد میں حجت نہیں ہو سکتی۔ (کتاب التوحید)

۲ لا یسعی کی حدیث موضوع ہے۔ امام سیوطی لکھتے ہیں لا اصل له۔
 (الدرا المنشرة)

امام غزالی فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں لیس کمثلہ
 شیء۔ لیکن اس کے لیے مثال ضرور ہے ولہ المثل الاعلیٰ
 اور حدیث میں یہ ارشاد خلق آدم علی صورتہ اس سے مقصود
 حق تعالیٰ کی مثال بیان کرنا ہے نہ کہ مثل۔ یعنی انسان حق
 تعالیٰ کی حیات اور علم و قدرت اور سمع و بصر اور ارادہ و تکلم
 کی ایک مثال ہے۔ اور انسان حق تعالیٰ کی ان صفات
 سب سے کا ایک عجیب نمونہ ہے۔ یہ تمام صفات انسان کے
 چہرہ سے بیک وقت نمایاں ہیں۔ انسان اگر ان صفات کے
 ساتھ متصف نہ ہوتا تو حق تعالیٰ کا ان صفات کے ساتھ
 متصف ہونا کیسے سمجھا جاتا۔ (المفتون بہ علی غیرہ از غزالی)
 مثال سے مقصود محض تعلیم و تفہیم ہوتی ہے۔ اس لیے بارگاہِ
 خداوندی میں مثال دینے کی اجازت دی گئی ہے ورنہ اس
 کی ذات اس سے بھی پاک اور منزہ ہے۔ آدم بر سر مطلب
 پس جس طرح حق تعالیٰ کی صفات کمال کا انعکاس ممکنات

۱۔ ولہ المثل الاعلیٰ کا یہ مفہوم غلط ہے۔

۲۔ ہم نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس کا ماخذ وحدۃ الوجود ہے۔ یہاں دیکھیے
 اس بحث میں پہلے وحدۃ الوجود کو بطور دلیل بیان کیا گیا ہے اب کمال نبوت کے
 انعکاس کو اس کا مدلول بنا کر نبوۃ بالذات کے فلسفے کی تشریح کر رہے ہیں۔

اور کائنات پر ہوتا ہے اسی طرح کمالات نبوت کا انعکاس قلوبِ
 اہم پر اپنی اپنی استعداد کے موافق ہوتا ہے۔ جس طرح آئینہ اور
 پتھر اپنی اپنی قابلیت اور ذاتی استعداد کے موافق آفتاب کی
 روشنی قبول کرتے ہیں اسی طرح امتی بھی اپنی اپنی استعداد کے
 موافق آفتاب نبوت کی شعاعوں کا عکس قبول کرتے ہیں جس
 ذاتِ بابرکات کو حق تعالیٰ اپنی نبوت و رسالت سے سرفراز
 فرماتے ہیں وہ ذات ان صفاتِ کمال کا معدن اور منبع ہوتی
 ہے جو کہ ذاتِ ممکن کے لیے ممکن ہے۔ نبی کی ذات صدیقیت
 اور محدثیت اور تفہیم الہی۔ امامت اور حکمت۔ علم لدنی اور علم
 معرفت۔ تزکیہ اور ہدایت اور تائید بروح القدس اور خلافت
 اور ہدی صالح اور سمت حسن اور رُویا صالحہ اور تمام اخلاقِ
 حسنہ کی جامع ہوتی ہے۔ نبی کی ذات ان تمام کمالات کے
 ساتھ بالذات متصف ہوتی ہے اور باقی تمام امت اسی
 آفتاب کے انعکاس سے ان صفات سے بقدر اپنی استعداد
 کے بالعرض منور اور روشن ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی مناسبت
 اور استعداد اور قابلیت کے موافق آفتاب کے انوار و
 تجلیات کا عکس قبول کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ آں حضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کمالاتِ صوویہ اور معنویہ
 اور احوال ظاہری اور باطنی دونوں کی جامع تھی۔ احوال

باطنی کہ جس میں من جانب اللہ حقائق اور معارف کا انکشاف ہوتا ہے لسان شریعت میں اس کو ولایت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور احکام ظاہری کہ جس میں حلال و حرام کے احکام امت کو بتلائے جاتے ہیں ان احکام کا مجموعہ شریعت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ولایت کا تعلق صرف اپنی ذات سے ہوتا ہے اور شریعت کا تعلق دوسروں سے ہوتا ہے۔ اس لیے احکام شریعت دوسروں پر حجت ہیں نہ کہ احکام ولایت۔ ولایت حجت لازمہ ہے بشرطیکہ قواعد شریعت کے خلاف نہ ہو اور شریعت حجت ملزمہ ہے جس سے دوسروں پر الزام اور حجت قائم ہوتی ہے۔ نیز یہ ظاہر ہے کہ ولایت اور شریعت دونوں نبوت کے دو شعبے ہیں اس لیے ابن عربی نے شعبہ ولایت کو غیر شرعی نبوت سے عنوان سے اور شعبہ شریعت کو شرعی نبوت سے تعبیر کیا ہے۔ اولیاء امت پر

۱۔ ولایت علیحدہ شعبہ ہے اور شریعت علیحدہ شعبہ ہے۔ یہ کتنی خطرناک تقسیم ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ یہ مضمون البواقیت والجواہر سے ماخوذ ہے۔ یہ کتاب فتوحات مکیہ لابن عربی کی تلخیص ہے۔ جسے حضرت شرانی نے مرتب کیا ہے۔ دیکھیے اس تقسیم کا ماخذ بھی ابن عربی ہے۔

نبوت کے شعبہ ولایت کا انعکاس ہوا جس کو ابن عربی نبوت
غیر شرعی کے نام سے موسوم کرتے ہیں جس سے علم لدنی کے
چشمے ان حضرات کے قلوب صافیہ پر جاری ہو گئے اور اسی
گروہ نے احوال باطنی کی محافظت کی اور علم الاحسان یعنی
علم تصوف کو مدون کیا۔ اور فقہاء اور مجتہدین کے قلوب پر
نبوت کے شعبہ شریعت کا عکس پڑا جس کو ابن عربی نبوت
شرعی کے نام سے موسوم کرتے ہیں جس سے ان حضرات
کی بصیرت اور عقل و فراست ایسی روشن اور منور ہو گئی کہ
دن میں ستارے نظر آنے لگے۔ اس طبقہ نے آپ کی
شریعت کی محافظت اور نگرانی کی اور علم احکام اور علم فقہ کو
مدون کیا اور احکام شریعت کے حقائق و معارف بیان
کیے۔ حضرات فقہاء کا اجتہاد اور استنباط تشریع انبیاء کا
ایک عکس اور پرتو ہے۔ یہ تمام مضمون الہواقبت الجواہر
(ص ۸۷ ج ۲) سے ماخوذ ہے۔ اہل علم و فضل سے مراجعت فرما
سکتے ہیں۔ پس جس طرح کمالات الہیہ اور صفات خداوندی

۱۔ صفات خداوندی کے انعکاس سے کوئی الہ نہیں ہو سکتا۔ انعکاس۔ تجلی۔
منظر۔ بروز۔ عکس۔ پرتو۔ عین الجمع۔ فناء فی الذات والصفات عینیت
یہ رب اصطلاحیں نظریہ حلول سے ماخوذ ہیں۔ نظریہ حلول (باقی یہ صفحہ آئندہ)

کے انعکاس سے کوئی کسی قسم کا الہ اور خدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کمالِ نبوت کے انعکاس سے کسی قسم کا ہرگز نبی نہیں ہو سکتا۔ تمام اولیاء اور عارفین اس پر متفق ہیں کہ نبوت ختم ہو گئی۔ آپ خاتم النبیین ہیں۔ اور اولیاء کرام اور عارفین نبوت کے غیر شرعی شعبہ کے محض عکس اور پر تو ہیں، نبی نہیں اور دنیا میں کوئی ولی اس کا قائل نہیں کہ اولیاء غیر شرعی نبی ہیں اور فقہاء اور مجتہدین شرعی نبی ہیں۔ اور اگر علماء امت کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) قدیم آریائی اقوام کے شرک کا بنیادی ماخذ ہے۔ ابن عربی نے اس سے معیت ذاتی کا فلسفہ اختراع کر کے کائنات اور خدا کے باہمی ربط کو عینیت کا درجہ دے دیا ہے اور یہی نظریہ وحدۃ الوجود کے نظریے میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۔ تشریعی اور غیر شرعی نبوت، یہ ابن عربی کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ غیر شرعی نبوت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد تشریعی نبوت تو بند ہے لیکن غیر شرعی نبوت جاری ہو سکتی ہے۔ اسے ولایت کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس ولایت کو غیر شرعی نبوت کیوں کہا گیا ہے۔ چاہے غیر شرعی بھی ہو۔ کیا لفظ نبوت ولایت کے لیے استعمال ہو سکتا ہے اگر غیر شرعی نبوت کی بجائے یوں کہہ دیتے کہ آپ سے نبوت کا اجراء تو نہیں ہو سکتا لیکن ولایت کا اجراء ہو سکتا ہے تو اس میں (باقی صفحہ آئندہ)

نبی ہونا ممکن ہوتا تو علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل میں
کاف تشبیہ داخل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے کہ
مشتبہ اور مشتبہ بہ مغائر ہوتے ہیں۔ اگر علماء امت کو نبوت
مل سکتی تو کا نبیاء بنی اسرائیل نہ فرماتے بلکہ جس طرح بنی اسرائیل کو
وجعل فیکم انبیاء سے خطاب کیا گیا اسی طرح اس امت کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کون سی قباحات حائل تھی؟ اصل بات یہ ہے
کہ ابن عربی نے فصوص الحکم میں لکھا ہے:-

ولا یراہ احد من الاولیاء الا من مشکوة الولی الخاتم۔
حتی ان الرسل لا یرونہ متی راوہ الا من مشکوة خاتم
الاولیاء فان الرسالۃ والنبوۃ اعنی نبوۃ التشریع ورسالتہ
تنقطعان والولایۃ لا تنقطع ابداً۔ (فصوص الحکم ص ۶۸)
ہم نے اس کا ترجمہ اس لیے نہیں لکھا کہ مقام نبوت کی جس قدر تحقیر
ہو سکتی ہے اس سے زیادہ ممکن نہیں ہو سکتی۔ حضرت تھانوی صاحب بھی
اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- ”ہاتھ تھراتا ہے دل کانپتا ہے۔“
(خصوص الکلم ص ۶۴) ہم نے اس کی تفہیم اور مراد اہل بصیرت پر چھوڑ دی
ہے۔ اس عبارت کو یہاں نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جناب کا نہ ہلوی
صاحب کے نزدیک غیر شرعی نبوۃ سے مراد ولایت کا شعبہ ہے۔ اب پچھنا یہ ہے کہ ابن
عربی کے نزدیک اس شعبہ ولایت کا اصل مقصود کیا ہے۔ اس کی تشریح دوسری جگہ کی گئی ہے۔

بھی کہا جاتا۔ اور حدیث میں من صلی خلف عالم تقی فکانما
 صلی خلف نبی جس شخص نے متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی
 اس نے گویا نبی کے پیچھے نماز پڑھی اس حدیث میں لفظ
 کائنما بھی اختتام نبوت کی مشیر ہے۔

(مسک الختام فی ختم النبوة از کاندھلوی)

(ص ۶۳ تا ۷۲)

۱۔ یہ حدیث موضوع ہے۔ (موضوعات کبیر از علی القاری) آپ نے
 دیکھ لیا ہے کہ کاندھلوی صاحب نے اس بحث میں جہاں قرآن کی
 آیات بطور استشہاد لکھی ہیں ان کا صحیح مفہوم ادا نہیں کیا۔ اور جو حدیثیں
 لکھی ہیں اکثر موضوع حدیثیں لکھی ہیں۔ باقی جو کچھ لکھا ہے وہ من وعن
 ابن عربی کے فلسفے سے ماخوذ ہے۔

۲۔ علماء امتی کی حدیث بھی موضوع ہے۔ (اسنی المطالب ص ۱۳۶)

مجمع بہشتین کی ایک نئی تعبیر اور حیاتِ نبویہ

اکابر دیوبند کے نزدیک ذاتِ نبویہ کو دو جہتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جناب قاری محمد طیب صاحب نے حضور کی حیاتِ برزخی اور حیاتِ دنیوی کو جس فلسفے کے ساتھ جمع کیا ہے اس میں نبی کی دو جہتوں کی تشریح ملاحظہ کریں :-

”حضور کی حیاتِ برزخی ہے مگر اس قدر قوی ہے کہ بلحاظ آثار وہ دنیوی بھی ہے۔ یعنی دنیا میں جب تک آپ شریف فرما رہے حیاتِ ناسوتی تھی، مگر اُسی آن وہ برزخی بھی تھی۔ اور برزخ ایک درمیانی عالم ہے۔ وہ حیاتِ اخروی بھی تھی۔ چنانچہ اسی حیاتِ ناسوتی اور اسی جسمِ اطہر کے ساتھ معراج کے موقع پر عرش تک پہنچنا ظاہر ہے کہ ترکِ جسد کے ساتھ نہ تھا۔ پس حیاتِ نواسی جسدانی عالم کی تھی لیکن جسدِ اطہر

اے مولانا اخلاق حسین قاسمی لکھتے ہیں :- ”حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب جو ہمارے اکابر میں حضرت محمد قاسم نانوتوی کے علوم و معارف کے بہترین شارح ہیں، اس مسئلہ پر تحریر فرماتے ہیں۔ اس کے آگے قاری طیب کی تحریر ہے (حیاتِ انبی ص ۱۱)

خود اتنا لطیف تھا کہ وہ اسی آن عالم برزخ بلکہ عالم غیب کے معاملات اور مشاہدات کی طاقت لیے ہوئے تھا۔ پس اگر وہی جسدِ اطہر جو دنیا میں ہم رنگِ روح تھا بعد وفات اگر عالم برزخ میں پہنچ کر بحق دنیا اسی طرح زندہ رہے جیسے معراج کے وقت سارے غیبی عالموں میں پہنچ کر اپنی جسدانی ہستی کو بحق دنیا سنبھالے ہوئے رہا اور دنیوی حقوق بدستور قائم رہے تو اس میں تعجب یوں نہیں کہ یہ معاملہ تو اس جسدِ پاک کو بوقت معراج پہلے پیش آچکا تھا۔ فرق اتنا ہوا کہ شب معراج میں جسمِ اطہر کے ساتھ روح پر فتوح کا تعلق حسی طور پر اس طرح قائم تھا کہ اگر ہم ہوتے تو ہم احساس کر سکتے تھے اور بعد وفات اسی طرح حسی طور پر قائم نہیں رہا کہ ہمیں بھی نظر آئے سو یہ قصہ ہمارا ہوا نہ کہ تعلق روح و جسد کی نوعیت کا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد وفات حضور کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔ جنازہ میں کلام فرمایا اور قبر میں کلام فرمایا جس کو بعض صحابہ نے سنا۔ یہ تو وفات کے بعد فوری بات تھی کہ روح نے جسم کو کلیتہً نہیں چھوڑا۔ لیکن بعد میں تاخیر بھی روح کا وہی تعلق بدن سے قائم ہے گا جیسا بنص حدیث اجساد انبیاء پر مٹی کا حرام ہونا ثابت ہے۔ اگر ان ابدان میں کوئی روح نہیں ہے تو انہیں گل جانا چاہیے۔ پھر حیات کا یہ اثر عالم برزخ میں ہے۔ عالم دنیا میں یہ ہے کہ

ان کے اموال میں میراث جاری نہیں ہوتی، ان کی ازواج پر بیوگی نہیں آتی ان کے نکاح حرام ہوتے ہیں۔ نہ صرف عظمت انبیاء کی وجہ سے بلکہ حقیقتہً حیات کی وجہ سے کہ وہ بیوہ ہی نہیں ہیں۔ پس انبیاء کی یہ برزخی حیات جسمانی و از قبیل دنیوی بھی ہے کہ اجساد میں حس و حرکت بھی ہے۔ قروں میں عبادت بھی ہے کلام بھی ہے۔ امت کی طرف توجہ بھی ہے تصرف بھی ہے بقاء اجسام بھی ہے اور حیات اجسام بھی ہے۔ پھر یہی حیات از قبیل حیات برزخی بھی ہے کہ نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ ان کی آواز ان کانوں میں نہیں آتی۔ اور کلام ان حسی کانوں میں نہیں پڑتا۔ نیز توجہ الی الامت اور رخ کا پھیرنا ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔ سو اس میں ہماری کمزوری اور ضعف قوی کو دخل ہے نہ کہ ان آثار کے موجود نہ ہونے یا قابل وجود نہ ہونے کا۔ بالفاظ مختصر دونوں حیاتیں اس طرح جمع ہیں کہ حیات برزخی اصل ہے اور حیات دنیوی اس کے تابع۔ یعنی وہ عیناً موجود ہے اور یہ آثاراً موجود ہے۔ اسی طرح دونوں حیاتیں جمع ہو جاتی ہیں مگر نہ استعارۃً بلکہ حقیقتہً۔

پہلی حیات یعنی دنیوی زندگی میں عین دنیوی اس جہان میں تھا اور مثل اس جہان میں (اور عکس یا تمثال عین شئی ہوتا ہے)

اور اس دوسری جہات میں عین نبوی اُس جہان میں ہے اور آپ کا تمثیل اس جہان میں۔ جیسے وہاں کا تمثیل ہر کس و ناکس نہیں دیکھ سکتا، مگر سب جانتے ہیں کہ عکس شئی اور شئی میں عینیت کا تعلق ہوتا ہے۔ اگر تباہی کا تعلق ہو تو مثال یا صورت دیکھ کر کبھی بھی عین کا تعارف نہ ہوا کرے۔ اس لیے جس جہان میں جب ہی وجود ہو دوسرا وجود اس کا عین ہے۔ اس لیے حضور اس برزخ جہان میں رہ کر متجلی اور متعکس ہوں تو بعینہ ہیں نہ کسی استعارہ یا تشبیہ کے طور پر۔
(حیاء النبی از مولانا اخلاق حسین قاسمی ص ۱۳)

خاتم النبوة اور فاتح النبوة

قاری محمد طیب صاحب لکھتے ہیں :-

”جیسے حق تعالیٰ کو ہم خاتم الوجود جانتے ہیں کہ ہر موجود کے

۱۔ خدا خاتم الوجود ہے اور سب کا وجود اس کا فیض اور طفیل ہے۔ خدا تعالیٰ کو خاتم الوجود کہنا اور تمام وجودوں کا سرچشمہ کہنا یہ وجودیہ صوفیہ کی اصطلاحیں ہیں۔ اللہ کو ہم مبدی کہہ سکتے ہیں لیکن اسے اشیاء کا مبدی نہیں کہہ سکتے۔ اور خاتم الوجود کا مفہوم ایسا ہے جیسے ہم خدا کو خاتم الالہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

وجود کی انتہا اسی پر ہوتی ہے۔ تو اصول مذکورہ کی رو سے وہی ذات واجب الوجودان وجودوں کا سرچشمہ اور مبدأ بھی ثابت ہوتی ہے کہ جسے بھی وجود کا کوئی حصہ ملا وہ اسی ذات اقدس کا فیض اور طفیل ہے۔ پس وجود کے حق میں ذات خداوندی ہی اول و آخر اور مبدأ و منتہا ثابت ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح حضور مقدس کا خاتم النبیین ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہوا اور اس کے معنی بھی واضح ہو گئے کہ نبوت اور کمالات نبوت آپ پر پہنچ کر ختم ہو گئے۔ اور آپ ہی کمالات علم و عمل کے منتہا ہوئے تو اصول مذکورہ کی رو سے آپ ہی کو کمالات بشری کا مبدأ اور سرچشمہ ماننا پڑے گا کہ آپ ہی سے ان کمالات کا افتتاح اور آغاز بھی ہوا اور جسے بھی نبوت یا کمالات نبوت کا کوئی شتم ملا وہ آپ ہی کے واسطے اور فیض سے ملا۔ پس جیسے آدم کی ابوت اول بھی تھی اور وہی لوٹ کر پھر کر آخری بھی ثابت ہوتی تھی ساتھ ہی اصلی اور بلا واسطہ بھی تھی بقیہ سب یا پوں کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور خاتم الزاقین کے کلمہ پر پکاریں۔ دوسرے خدا کے خاتم الوجود اور آپ کے خاتم الانبیاء میں تشبیہ دینا کتنی بودی تطبیق ہے۔

ابوت ان کے واسطہ اور فیض سے تھی ایسے ہی آل حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اول بھی ہوئی اور لوٹ کر پھر آخری
بھی اور ساتھ ہی اصلی اور بلا واسطہ بھی ہے کہ بقیہ سب
انبیاء کی نبوتیں آپ کے واسطہ اور فیض سے ہیں پس جیسے
فلاسفہ کے یہاں ہر نوع کا ایک رب النوع مانا گیا ہے جو
اس نوع کے لیے نقطہ فیض ہوتا ہے ایسے ہی نبوت کی
مقدس نوع کا نقطہ فیض اور جو ہر فرد حضرت خاتم الانبیاء
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے اس لیے آپ کی
نبوت اصلی ہے اور دوسرے انبیاء کی نبوت بواسطہ خاتم
النبیین ہے۔ پس ہر حال نبوت خواہ علمی ہو یا عملی اخلاقی ہو
یا اجتماعی حال کا ہو یا مقام کا وہ اولاً آپ میں ہوگا اور آپ
کے واسطہ سے دوسروں کو پہنچے گا، اس لیے اصول مذکورہ
کی رو سے دائرۂ نبوت میں جب آپ خاتم نبوت بھی ہوئے
تو آپ ہی فاتح نبوت بھی ہوئے اس لیے آپ آخر بھی
ہیں اور اول بھی مبدأ بھی ہیں اور منتہا بھی ہیں۔ (خاتم النبیین

۱۔ ہم نے لکھا ہے کہ مرتبی نبوت جسے یہ حقیقت محمدیہ کہتے ہیں فلاسفہ سے مانوف
ہے۔ وجودیہ کے نزدیک حقیقت محمدیہ کا مفہوم فلاسفہ کا رب النوع ہے۔ اسکی تصریح
مقدمہ فصوص از داؤد قیصری اور نقد النصوص از جامی میں موجود ہے۔

ازقاری طیب ص ۷ ص ۸۔ خاتم الوجود کی دوسری تصریح قاری
طیب کے رسالہ علم غیب میں موجود ہے۔ اس کتاب کے دوسرے
مقام پر لکھتے ہیں :-

”عقلی طور پر اس کی وجہ یہ ہے کہ جس پر عنایت ازلی
سب سے پہلے اور بلا واسطہ متوجہ ہوئی وہ جس درجہ کا اثر
اس سے قبول کرے گا یقیناً ثانوی درجے میں اور بالواسطہ
فیض پانے والے اس درجہ کا اثر نہیں لے سکتے۔ پس اول
مخلوق یعنی اول ماخلق اللہ نوری کا مصداق نور الہی کا جو
نقش کامل اپنی استعداد کامل سے قبول کر سکتا ہے اس
کی توقع بالواسطہ اور ثانوی نقوش سے اثر لینے والوں سے نہیں
کی جاسکتی۔“

(خاتم النبیین ص ۸ ازقاری طیب)

۱۔ اول ماخلق اللہ نوری موضوع حدیث ہے۔ عنایت ازلی کا
سب سے پہلے وجود پر متوجہ ہونا۔ پھر ثانوی درجے کا بالواسطہ
فیض حاصل کرنا یہ فیلو کا لوگوس Logos اور فلاسفہ کا نظریہ صدر
اور مسیحیت کا کلمہ اول نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں
کہ یہ لوگ عقیدے کے آئینے میں مقام نبوت کی کون سی تصویر پیش
کر رہے ہیں۔

تخلیق کائنات کا باعث اور قدیم نبوت

جناب قاری محمد طیب صاحب لکھتے ہیں :-

۱۔ اگر اور انبیاء اور ساری کائنات مخلوق ہیں تو آپ مخلوق ہونے کے ساتھ تخلیق کائنات کا سبب بھی ہیں حدیث

میں ہے **فلولا محمد ما خلقت آدم ولا الجنة ولا النار**

(مستدک حاکم) اے اگر محمد نہ ہوں یعنی میں انہیں پیدا

نہ کروں تو نہ آدم کو پیدا کرتا نہ جنت کو اور نہ دوزخ کو۔

۲۔ اگر اور انبیاء اپنے ظہور کے وقت ہی ہوئے تو آپ

اپنے وجود ہی کے وقت سے ہی تھے جو تخلیق آدم کی تکمیل سے

بھی قبل کا زمانہ ہے ۱

۱۔ نظریہ لولاک کے تحت جس طرح آپ کو تخلیق کائنات کی علت غائیہ

بنایا گیا ہے اسی طرح کائنات کی علت مادیہ بھی آپ کو بنانے ہیں اور

اس علت مادیہ کی وجہ سے آپ کو مصدر کائنات کہتے ہیں۔ ہم اسے

شرک کا باب الاکبر کہتے ہیں۔

۲۔ ظاہر ہے تخلیق آدم سے قبل آپ غنصری وجود کے ساتھ موجود نہ

تھے۔ روح کے وجود پر نبوت بالفعل کا اثبات کرنا تحریف فی النبوة کے مترادف ہے۔

۳۔ اگر اوروں کی نبوت حادث تھی تو حضور اقدس کی نبوت عالم خلق میں قدیم تھی۔

۴۔ اگر اور انبیاء کی نبوتیں مرجع اقوام و ملل ہیں تو آپ کی نبوت اس کے ساتھ ساتھ مرجع انبیاء و رسل بھی ہے۔ لہ

۵۔ اور آدم علیہ السلام کو حضور کا نور دکھلاتے ہوئے بطور

تعارف کہا گیا هذا ابنك احمد هو الاول والاخر (کنز العمال)

یہ تمہارا بیٹا احمد ہے جو نبوت میں اول بھی اور آخر بھی ہے۔

۶۔ اگر عہد الست میں اور انبیاء مع تمام اولاد کے بلی کے ساتھ

اقرار کرنے والے تھے تو حضور سب سے اول اقرار کرنے

والے تھے جنہوں نے سب سے پہلے بلی کہا اور بلی کہنے کی سب کو

راہ دکھلائی۔ (خصائص الکبریٰ)

لہ اس سے آپ کو کون مکان کے لیے نبی ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اسی واسطے

ابن عربی قرآن کے دو مرتبہ نازل ہونے کا قائل ہے۔ (الکبریٰ الاحمر)

۷۔ جس نور کو حضرت آدم نے دیکھا تھا یہ نور نبوت کی صفت تھی یا غیر صفت۔

اگر صفت تھی تو اس کے موصوف کی کیا صفت تھی۔ اگر غیر صفت تھی تو پھر نور کو

مادہ کی شکل میں ماننا پڑے گا۔

۸۔ بلی کہنے کی سب کو راہ دکھلائی۔ اس واسطے آپ کو مربی الارواح کہتے ہیں۔

آپ یہ بتلائیں کہ قالوا بلی کا جواب تشریحی تھا یا تکوینی؟ (باقی بر صفحہ آئندہ)

اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتی میں تسخیر جنات کی تاثیر تھی کہ وہ کسی وقت گم ہوئی تو جنات پر قبضہ نہ رہا تو انگشتی محض میں تسخیر قلوب و ارواح کی تاثیر تھی کہ جس دن وہ عہد عثمانی میں گم ہوئی اسی دن سے قلوب و ارواح کی وحدہ میں فرق آگیا اور فتنہ اختلاف شروع ہو گیا۔“

(خاتم النبیین از قاری طبیب ص ۹، ۱۱، ۱۲، ۱۵)

ذاتی ختم نبوت

مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی لکھتے ہیں :-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپ نے بلی کا جواب دوسروں کو شرعی طور پر سکھلایا تھا یا تکوینی طور پر شرعی طور پر اس لیے نہیں ہو سکتا کہ ارواح احکام شرعیہ کی مکلف نہ تھیں۔ اور تکوینی طور پر اس لیے نہیں کہ تکوینی فعل حجت نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ تمام بات ہی غلط ہے۔

۱۰ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا گم ہونا۔ اس روایت کو یہود نے اختراع کیا ہے۔ قرآن میں ہے کہ حضرت سلیمان کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے جنات کو مسخر کر رکھا تھا نہ کہ انگوٹھی نے جنات کو مسخر کر رکھا تھا۔ نبی کے حق میں نبیجیات کے شعبہ سے بیان کرنا بڑی جرأت کی بات ہے۔

”خضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اول المخلوقات ہونا بھی اس طرف مشیر ہے۔“

عن العرباض بن ساریة رفعہ فی عند اللہ
مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ
(مشکوۃ ص ۵۳)

کیونکہ اس حدیث کے معنی جب ہی صحیح ہو سکتے ہیں جب کہ آپ کے لیے ختم ذاتی بھی تسلیم کریں اس وقت ختم زمانی کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ بہر حال ختم ذاتی کا مسئلہ عوام کا نہیں ہے اور نہ صرف مولانا نانوتوی کا ہے بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود اسے بیان فرمایا ہے۔ مولانا روم نے مثنوی میں خاتم کے معنی کو ختم زمانی میں منحصر نہیں رکھا۔ اسی طرح اس کی شرح بحر العلوم میں بھی ہے۔ اور احمد حسن کانپوری نے بھی یہی لکھا ہے۔ ے

بہر اس خاتم شد است او کہ بچود
چونکہ در صنعت بڑ استاد دست
یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب خاتم اس واسطے ہوا ہے کہ
جود و کرم میں آپ کی مثل نہ کوئی ہوا اور نہ ہوگا جس طرح جب
کوئی استاد کسی فن میں کمال حاصل کر لیتا ہے تو کہتے ہیں یہ
فن تو تجھ پر ختم ہے۔ بحر العلوم نے حاشیہ میں ان دو شعر کے

متعلق لکھا ہے۔ انہیں جہت کہ استناد است و جواد است
بر انبیاء و اولیاء و در جود افاضت مثل نہ دارد و اطلاق صفت
ختم بر اوست۔ پس معلوم ہوا خاتم النبیین سے ختم زمانی
کے معنی پر حصر کا قول اجماعی کہنا غلط ہے۔“

(روسید و مناظرہ سمندری ص ۲۸)

جناب محترم! آپ سماع کے شرک پر کافی درک رکھتے ہیں۔ ہم تفہیم
کے طور پر آپ سے التماس کرتے ہیں کہ آپ کے نزدیک ان باتوں کا کیا
مفہوم ہے۔

۱۔ آپ نے لکھا ہے کہ حضور اقدس اول المخلوقات ہیں۔ آپ کی
اس اولیت کے بعد جو مخلوق ثانوی درجے میں داخل ہوگی آپ کی اس
اولیت کے ساتھ اس ثانوی مخلوق کا کیا ربط ہے۔ جو لوگ آپ کی اس
اولیت کو مصدر کائنات بنا کر باقی کائنات کا اس اولیت سے صدور
مانتے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے۔

۲۔ ثانوی صاحب جس نظریے کے تحت ختم ذاتی کے قائل ہیں
اسی طرح آپ کی حیات ذاتی کے بھی قائل ہیں۔ وہ بوجہ ذاتیت موت
کے بعد آپ کی حیات کے زوال کے قائل نہیں۔ آپ کے نزدیک
حیات ذاتی اور ختم ذاتی کا مفہوم ایک ہے یا ان دونوں میں کچھ فرق
ہے۔ اگر فرق ہے تو اس فرق کو واضح کریں۔ دوسرے آپ نے لکھا ہے
کہ ختم ذاتی کو حضور اقدس نے خود بیان کیا ہے پھر تو بات صاف ہے

آپ بتلائیں آپ کا ہی عقیدہ ہے۔

۳۔ مولانا رومی نظریہ وحدۃ الوجود کا زبردست شارح ہے وہ اس نظریے کے تحت کائنات اور خدا کے درمیان عینیت کا قائل ہے۔

بحر وحدانیت جفت زُج نیست

گوہر و ماہمیش غیر موج نیست

اصل بیند دیدہ چوں اکمل شود

دو ہمی بیند چو مرداحول بود

چونکہ جفتِ احوال نیم لے شمن

لازم آید منشر کا نہ دم زدن

(از مثنوی مولانا روم)

دوسرے، مولانا رومی منصور کے نظریہ حلاجیہ کا قائل ہے جس کے تحت وہ انا الحق کو عین الجمع کہتا ہے۔ ہمارے نزدیک رومی کے یہ دونوں نظریے توحید کے لیے ستم قائل ہیں۔ کیا آپ مولانا رومی کے ان نظریات کو صحیح سمجھتے ہیں۔ نیز آپ کے نزدیک بحر العلوم کی اس عبارت کا اصل مفہوم کیا ہے۔

”ازیں جہت کہ استاد است و جواد است برانبیار و

اولیاء و در جود افاضہ مثل ندارد“

حقیقتِ محمدیہ کیا ہے ؟

حقیقۃ محمدیہ ابن عربی کے نظریۂ وحدۃ الوجود سے ماخوذ ہے۔ اس کا آسان مفہوم یہ ہے کہ کائنات سے قبل ذاتِ مطلق اپنے کلی اطلاق کی وجہ سے پہلے نہ ذات کے ساتھ موصوف تھی اور نہ اس پر کسی صفت کا اطلاق ہو سکتا تھا۔ ذاتِ مطلق نے چاہا کہ میں اپنی ذات اور صفات کا مشاہدہ کروں، پھر طور تقاضا کرتا تھا کہ جب تک اطلاق کو تقید میں معین نہ کرے ذات و صفات کا اجمال طور میں نہیں آ سکتا تھا۔ تو سب سے پہلے اس ذاتِ مطلق نے تعینِ اول کے آئینے میں اپنے جمال کا مشاہدہ کیا۔ مشاہدہ کے بعد جو صورت سب سے پہلے سامنے آئی تو وہ حقیقۃ محمدیہ تھی۔ اس حقیقت میں خدا کی ذات اور صفات کا اجمالی طور رکھا۔ پھر اس نے چاہا کہ اپنے اس اجمالی حسن کا تفصیل کے ساتھ مشاہدہ کیا جائے تو تنزلات کے ذریعے حقیقۃ محمدیہ کی صور علیہ کو کائنات کی صورت میں پھیلا دیا۔ حقیقۃ محمدیہ میں چونکہ ذات و صفات کا اجمال ہے اس لیے وجودی علماء اور مشائخ کے نزدیک حقیقۃ محمدیہ کی جہت سے ذات نبویہ کو خدا بھی کہہ سکتے ہیں اور ایسا کہنا ان کے نزدیک عین ایمان ہے۔

۱۔ علامہ کاظمی نے اپنے مکتوب میں مولوی محمد یار کا ایک شعر نقل کیا ہے۔ (باقی برص ۲۳۹)

کائنات کا ذرہ ذرہ چونکہ حقیقت محمدیہ کے پھیلے ہوئے اجزاء پر مشتمل ہے۔ اس لیے مخلوق کی کسی چیز پر خواہ صورتِ قبیح ہی کیوں نہ ہو اس پر رب کا اطلاق کر سکتے ہیں۔ یہ مخلوق کی ہر نوع کا حقیقی مصدر چونکہ حقیقت محمدیہ ہے اس لیے اس مصدر سے ہر صادر شدہ نوع کے درمیان حسن و قبح کا حقیقی امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔

دوسرے، جس طرح اسلام اور انبیاء کا وجود حقیقت محمدیہ کے اجزاء میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پھر اس کی شرح کر کے اسے صحیح تسلیم کیا ہے۔

گر محمد نے محمد کو خدا مان لیا

پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہو دغا باز نہیں

(دیوان محمدی۔ ص ۱۹)

۲۷ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ایک وجودی صوفی مردہ گتے پر گزرے تو کہنے لگے ہو ذات اللہ دھل تم شیخ خارج عنہا (یہ مردہ کتابی خدا ہے کیا اس کائنات کی کوئی چیز اس ذات سے خارج کھلا سکتی ہے)۔ (الفرقان بین الحق والباطل ص ۱۳۵)

۲۸ خواجہ غلام فرید اپنے دیوان میں فرماتے ہیں حسن و قبح سب منظر ذاتی۔ اس کی شرح میں لکھا ہے جب ذات باری نے اپنے آپ کو موجودات اور ممکنات میں ظاہر فرمایا اس کے مظاہر و دق کے تھے حسن منظر جمال ہے اور قبح منظر جلال۔ (شرح دیوان فریدی ص ۱۸۳) اس کی تفصیل شرح گلشن راز اور بحر عشق از حمید الدین ناگوری میں موجود ہے۔

شمار ہوتا ہے اسی طرح کفر اور ابلیس کو بھی حقیقت محمدیہ کے اجزاء میں شمار کرنا پڑے گا۔

تیسرے، اس نظریے کے تحت کفر اور اسلام میں اعتباری فرق سمجھا جائے گا اور حقیقی فرق بالکل ختم ہو جائے گا۔ جن حضرات نے حقیقت محمدیہ کو اپنے عقائد میں داخل کر رکھا ہے وہ اس کے دفاع میں لاکھ تاویلات پیش کریں لیکن اس عقیدے کی وجہ سے جن جن مسالک میں اس کے ثمرات مرتب ہو چکے ہیں، یہ حضرات ان کا تاہد جواب نہیں دے سکتے۔ چند ایک ثمرات یہ ہیں :-

۱۔ ذات نبویہ کو اگر وجودِ عنصری تک محدود رکھا جائے تو آپ کے اس قدسی وجود پر نبوت اور بشریت کا آسانی کے ساتھ اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن جب آپ کو بشری حدود سے خارج کر کے آپ کی حقیقت کو کسی دوسری جہت میں تبدیل کر دیں گے تو پھر اس جہت کی وجہ سے نہ آپ پر نبوت کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ آپ کے وجود پر قرآن کا نزول ثابت ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس جہت سے آپ کے وجود پر اورانی قدیم ذات کا اطلاق ثابت ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے عقیدے کے حاملین آپ کی اس قدیم ذات پر موت کا صدور نہیں مانتے۔ اگر مانتے ہیں تو حیاتِ عادیہ کی موت مانتے ہیں۔ حیاتِ حقیقی کی موت نہیں مانتے۔

۲۔ حیاتِ عادیہ اور حیاتِ حقیقیہ کا فرق علامہ کاظمی کی کتاب حیاتِ انہی میں ملاحظہ کریں۔

۲۔ خدا کے سوا جس ذات کو بھی قدیم مانا جائے تو تعددِ قدیم کی وجہ سے حقیقی خدا کا انکار لازم آتا ہے۔ سب سے پہلے منصور حلاج نے اپنی کتاب طو اسبین میں قدم نبویہ کے عقیدے کو پیش کیا ہے۔ حلاج نو مسلم پارسی تھا اور قرامطی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ اس نظریے کے تحت اسلام میں مجوسیت کی تنویریت داخل کرنا چاہتا تھا۔ ابن عربی نے یہ نظریہ منصور حلاج سے اخذ کر کے اسے حقیقۂ محمدیہ کے فلسفے میں تبدیل کر کے پھیلا دیا ہے۔^{۱۶}

۳۔ اسلام میں داخل ہونے کے لیے پہلے توحید اور رسالت پر ایمان لانا فرض ہے۔ حقیقۂ محمدیہ کے عقیدے سے آپ کی تشریحی نبوت اور نزول قرآن کی نفی ہو جاتی ہے۔ اور وحدۃ الوجود کے عقیدے میں اشرکیت پکڑ

۱۶۔ منصور حلاج قرامطیہ کا داعی تھا۔ شرح عقیدہ اصفہانیہ از ابن تیمیہ ص ۷۴

۱۷۔ علامہ محمد مصطفیٰ حلی لکھتے ہیں :- منصور کی تعلیم اور اس کا مذہب تین چیزوں پر مشتمل ہے۔

(۱) ذات الہی کا حلول ذات بشری میں (۲) حقیقۂ محمدیہ کا قدیم ہونا

(۳) وحدت ادیان۔ حلاج منصور نے اپنی کتاب طو اسبین میں حقیقۂ محمدیہ کے

قدم پر بڑی فلسفیانہ گفتگو کی ہے کہ آپ کا نور ازلی ہے جو قدیم ہے حادث نہیں۔

حلاج کا یہ نظریہ حلاج تک محدود نہ رہا بلکہ دوسرے صوفیہ نے اسے دوسرے رنگ

میں اختیار کیا مثلاً ابن عربی اور ابن الفارض۔ ان کے علاوہ دوسرے صوفیہ کے ہاں بھی یہ

رنگ کافی گہرا معلوم ہوتا ہے۔ (فلسفہ اسلام از علامہ حلی۔ ص ۲۴۱-۲۴۶)

ہر باطل الہ کا اطلاق صحیح ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اس عقیدے کے تحت اسلام میں داخل ہوتے رہے ہیں یا ایسے نظریے کے حامل علماء کی وساطت سے اسلام میں آئندہ داخل ہوں گے ان کے نزدیک ایسے اسلام میں داخل ہونا ایسا آسان ہے کہ ابلیس بھی آسانی کے ساتھ جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔

۴۔ جن حضرات کا عقیدہ ہے کہ ذات نبویہ کی نبوت بالذات ہے اور باقی انبیاء کی نبوت بالعرض ہے اس عقیدے کا بنیادی ماخذ بھی حقیقتہً محمدیہ کا فلسفہ ہے۔ قاعدہ ہے کہ جس کا وجود بالعرض ہوتا ہے وہ قائم بغیر ہونے کی وجہ سے اپنے وجود کو وجود بالذات کے بغیر علیحدہ قائم نہیں کر سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس نظریے کے تحت ایک تو ذات نبویہ کے وجود کو باقی انبیاء کے وجود پر تقدم ذاتی اور تقدم زمانی ماننا پڑے گا۔ دوسرے ہر نبی کی نبوت بالعرض ہونے کی وجہ سے مستقل نبوت نہیں کھلائے گی، بلکہ نبوت کا فیض حاصل کرنے کے لیے ہر نبی اپنے دور میں ذات نبویہ کا دربوڑہ کر ہوگا۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ ذات نبویہ کو ہر نبی کے عہد میں موجود ماننا پڑے گا تاکہ آپ کے ماتحت سارے انبیاء بطور سفیر کام کرتے رہیں۔

۱۔ اس کی تفصیل شرح گلشن راز اور فصوص الحکم لابن عربی میں موجود ہے۔
 ۲۔ اس کی تفصیل جناب نانوتوی صاحب کی مشہور کتاب تحذیر الناس میں موجود ہے۔

رد سکر ان حضرات کا عقیدہ ہے کہ آپ کی موت ساثر حیات ہے۔
 رافع حیات نہیں ہے۔ اس نظریے کے تحت جب آپ کے وجود بالذات ہو
 اور حیات بالذات پر موت عادیہ کا صدر نہیں ہو سکتا تو آپ کے اعراض
 جو انبیاء کی صورتوں میں ہر دور میں فیض لیتے رہے ہیں ان کے علاوہ دوسرے
 اعراض کی نبوت کا اجرا کیسے ختم ہو سکتا ہے۔ دیکھیے یہ کتنی جرأت کی بات
 ہے۔ ان کے نزدیک نبوت بالذات کی وجہ سے حضرت آدم سے لے کر
 حضرت عیسیٰ تک جب آپ ان میں نبوت کا فیض تقسیم کرتے رہے یعنی
 آپ کی ذاتی نبوت کی وجہ سے اتنے متاخرین انبیاء تو لابی بعدی کا قانون
 نہ توڑ سکے لیکن اب جب کہ آپ اپنی قبر میں اسی زندگی کے ساتھ آرام فرما
 رہے ہیں جیسے دنیا میں رہتے تھے تو اس قبر والی حیات میں آپ کی نبوت
 بالذات کا مرتبہ کیسے ختم ہو سکتا ہے۔ اور ایسے مرتبے کی موجودگی میں
 آپ کے اعراض کا اجرا نبوت کو ختم کرنا کیا ختم نبوت کی صحیح تفہیم میں
 تحریف نہیں ہے۔ بلکہ اس سے تو صاف طور پر اجرا نبوت کا عقیدہ
 ثابت ہو رہا ہے۔ ہمارے نزدیک ایسے عقیدے میں اور روافض کے
 نظریہ امامت میں کوئی فرق نہیں ہے وہ امامت کے ذریعے اپنے ائمہ
 میں اجرا نبوت ثابت کرتے ہیں اور یہ لوگ نبوت بالذات کے تحت
 فرضی اعراض میں اجرا نبوت کا باب کھولنا چاہتے ہیں۔ لہذا جب تک ابن
 عربی کے نظریہ حقیقہ محمدیہ کو عقائد اسلامیہ سے بالکل خارج نہ کیا جائیگا،
 خطرہ ہے کہ یہ مسموم نظریہ پوری ملت اسلامیہ کو الحاد کے ساحل تک نہ پہنچا دے۔

عہد صحابہ میں ہر خیر موجود تھی

قرآن کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ تھے اور ہر خیر کا ذکر قرآن و سنت میں موجود تھا۔ نبوت بالذات، حقیقتہ محمدیہ یا وحدۃ الوجود جیسے عقائد اگر قرآن میں موجود ہوتے تو ایسے مسائل عہد صحابہؓ میں بھی مشہور ہوتے۔ بلکہ ایسے عقائد کی جدیدیت شہادت دے رہی ہے کہ یہ عقائد بھی سازش کے تحت اسلام میں داخل کر دیے گئے ہیں۔ محدث ابن کثیر لکھتے ہیں :-

واما اهل السنة والجماعة
يقولون في محل فعل قول
لم يثبت عن الصحابة
هو بدعتا لان لو كان
خيرا سبقونا اليه لانهم
لم يتركوا خصلة من خصال
الخير الا وقد بادروا اليها
تفسير ابن کثیر
ص ۱۹۴ ج ۹

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے
جو دین کی بات اور فعل صحابہؓ سے
ثابت نہیں ہے وہ بدعت ہے
اگر وہ فعل و قول دین میں داخل ہوتا
تو صحابہؓ ضرور سبقت کرتے۔
کیونکہ صحابہؓ میں دین کی اتنی تڑپ
تھی کہ انھوں نے جو بھی دین کی خصلت
دیکھی اس کی طرف انھوں نے جلدی
کرنے میں ذرہ برابر بھی تاخیر نہ کی۔

تفضیل بین الانبیاء

قرآن میں ہے :-

تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض
یہ رسول ہیں۔ ہم نے بعض رسولوں کو
بعض پر فضیلت دے رکھی ہے۔

اور بعض احادیث میں وارد ہے لا تفضلوا بین الانبیاء انبیاء
علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت مت دو۔ اس قسم کی دوسری
صحیح احادیث سے بھی یہی مفہوم صادر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے
درمیان ایک دوسرے کو ترجیح نہ دی جائے۔ ائمہ مفسرین نے ان کی
تطبیق میں مختلف جواب دیے ہیں۔ محدث قاضی عیاضؒ کتاب الشفاء میں
لکھتے ہیں :-

منع التفضیل فی حق النبوة والرسالة فان الانبیاء
على حد واحد اذ هی شیء واحد لا یتفاضل وانما
التفاضل فی زیادة الاحوال والخصوص والكرامات
والرتب والالطاف واما النبوة فی نفسہا فلا یتفاضل
وانما التفاضل بامور اخر نأثدت علیہا۔ کتاب
الشفاء ط ۹ ج ۱

”نبوت اور رسالت کے حق میں تفضیل کی ممانعت ہے کیونکہ

تمام انبیاء نبوت اور رسالت کی ایک حد پر مقرر ہیں۔ تمام انبیاء کی نبوت ایک ہی شے ہے جس میں فضیلت کا امکان ہی نہیں ہے۔ اور فضیلت ان کے خصوصی احوال کی زیادتی، مراتب و کرامات، خصوصی عنایات میں تو ممکن ہے لیکن ان کی فی نفسہا نبوت میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت ان زائد امور میں ہے جو نبوة سے علیحدہ شمار ہوتے ہیں۔“

علامہ محمد امین شنبطی لکھتے ہیں :-

ان المنع من التفضیل اما هو من جهة النبوة التي هي
 خصلة واحدة لا تفاضل فيها واما التفضیل في زيادة
 الاحوال والخصوص والكرامات والمعجزات. (تفسیر
 اضواء البیان ص ۱۸۷ ج ۱)

اس عبارت کا مفہوم بھی وہی ہے جو محدث قاضی شفاء نے بیان کیا ہے۔ یعنی نفس نبوت ایک ہی خصلت ہے اس میں تفضیل نہیں ہو سکتی۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ ذات نبویہ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہے۔ لیکن نفس نبوت میں یعنی نبی ہونے میں ہر نبی ایک مستقل نبی ہے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ نبوت کے سارے مادے کو پہلے ذات نبویہ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ پھر ہر نبی اسی مادے سے اپنی اپنی نبوت حاصل کرتا رہا ہے ایسا عقیدہ نصوص قطعیہ کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن میں ہے کہ ہر نبی کو اپنے اپنے عہد میں وحی کے ذریعے خدا کی طرف سے نبوت ملتی رہی تھی، اور ہر نبی اپنی اپنی نبوت میں

مستقل رسول تھا۔ جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد میں مستقل رسول
تھے لا نفرق بین احد من رسلا کا بھی یہی مفہوم ہے کہ مقام رسالت
میں ان کی تفریق نہ کی جائے

خاتم النبیین کا مفہوم

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جن کمالات کا ذکر قرآن و حدیث میں
مذکور ہے وہ سب کمالات شہادت دے رہے ہیں کہ آپ کے عنصری
وجود پر تمام پیغمبرانہ خصائص کی انتہا اور نبوت و رسالت کا سلسلہ
منقطع ہو گیا ہے۔ اب دنیا کسی نئے آنے والے نبی کے وجود سے بالکل
مستغنی ہو گئی ہے۔ لسان العرب، صحاح جوہری، قاموس کے تمام ائمہ
لغت نے لفظ ختم کے لغوی معنی یہ بیان کیے ہیں کہ کسی چیز کو اس طرح بند
کرنا کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اندر جا سکے۔
اسی سے اس کے دوسرے معنی کسی شے کو بند کر کے اس پر مہر کرنا بھی
کہتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہے کہ نہ اس کے اندر سے کوئی چیز
باہر نکلی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اس کے اندر گئی ہے۔

لفظ خاتم کی دو قراءتیں ہیں مفسر ابن جریر اور ابن جان اندلسی
لکھتے ہیں خاتم کی مشہور قراءت تاء کے زیر کے ساتھ ہے جس کا معنی ختم
کرنے والا ہے۔ اور دوسری قراءت خاتم کے زیر کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے

وہ شے جس کے ذریعے سے کسی چیز کو بند کر دیا جائے اور اس پر مہر لگا دی جائے تاکہ اسے کوئی کھول نہ سکے اور نہ اس کے اندر کی چیز باہر جاسکے۔ الغرض دونوں حالتوں میں آیت پاک کا حاصل معنی ایک ہی ہوگا کہ آپ کا عنصری وجود پیغمبروں کے سلسلے کو بند کرنے والا اور ان پر مہر لگانے والا ہے تاکہ آئندہ کوئی نیا شخص پیغمبروں کی مقدس عجمت میں داخل نہ ہو سکے۔ یہ اس کی تشریح احادیث میں اس طرح ہے:

لانی بعدی و سیکون میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا
خلفاء۔ بلکہ خلفاء آتے رہیں گے۔

(بخاری ج ۱ - مسلم ج ۱)

محدث ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :-

ان الله ختم به النبیین و ان الله تعالیٰ نے آپ کے عنصری وجود کے
اکمل بہ شرائع الدین بعد نبیوں کے طویل سلسلے کو بند کر دیا
(فتح الباری ج ۱۰ حاشیہ بخاری صفحہ ۱۰۱) ہے اور آپ پر شریعت کی تکمیل کر دی گئی۔

لے دجال مرزا کے علماء اور بعض اکابر علماء دیوبند مہر لگا دینے کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم سے لے کر جتنے نبی آتے رہے ہیں آپ ہر نبی کو اپنی مہر لگا کر بھیجتے رہے ہیں۔ نا تو تو ہی صاحب کہتے ہیں کہ اگر آپ کے بعد بالفرض کوئی نبی ظاہر ہو جائے تو آپ کی مرتبہ ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اور قاری طیب مہر لگا دینے کا مفہوم نبوت بخش (باقی بر صفحہ ۱۲)

ترندی میں ہے :-

ان الرسائل والنبوۃ قد انقطعت ولا نبی بعدی ولا رسول بعدی -
رسالت اور نبوت کا سلسلہ بالکل منقطع ہو چکا ہے - میرے بعد اب نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ کوئی نیا رسول -
(ترندی ص ۱۲۹ ج ۲)

محدث ابن التین فرماتے ہیں :-

معنی الحديث ان الوحی ينقطع بموتی
اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ وحی کا سلسلہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ختم ہو چکا ہے -
(حاشیہ بخاری ص ۱۳۵ ج ۲)

قرآن اور احادیث میں جو خاتم النبیین کی تشریح کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی موت کے بعد جو آپ کے عنصری وجود پر طاری ہوئی تھی، اس موت کے بعد نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ اس موت کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہو سکتا ہے - یعنی ذات نبویہ کی موت کے وقت سے لے کر تاقیامت ہر قسم کی نبوت کا باب بند کر دیا گیا ہے - اسے زمانی ختم نبوت کہتے ہیں اور اسی عقیدہ پر جمہور امت کا اتفاق ہے لیکن جناب نانوتوی صاحب نے اس کا خلاف کرتے ہوئے ختم نبوت کا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) بیان کرتے ہیں اور مرزا نبوت تراش بیان کرتا ہے - حوالہ جات آئندہ صفحات میں آرہے ہیں -

ایک دوسرا مفہوم اختراع کیا ہے جس کا نام ہے ”مرتبہ نبوت“۔ اس کا آسان مفہوم یہ ہے کہ کائنات سے قبل خدا نے آپ کا نور پیدا کر کے اس میں نبوت کے سارے مادے کو جمع کر دیا تھا جب تک حضرت آدم پیدا نہ ہوئے تھے آپ کی یہ روحانی نبوت سارے نبیوں کی ارواح کی مربی تھی۔ جب حضرت آدم پیدا ہو گئے تو آپ کی مرکزی نبوت سے فیض حاصل کر کے اپنے عہد میں تبلیغ کرتے رہے۔ اس کے بعد سلسلہ دار بہ نبی اپنے اپنے عہد میں آپ کی نبوت سے فیض لے کر بطور سفیر کام کرتے رہے۔ اس کے بعد جب آپ اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا میری موت کے بعد اب نیابی نہیں آئے گا اس لیے نبوت کا مکمل طور پر انقطاع ہو چکا ہے لیکن نانوتوی اور اس کے ہم خیال علماء کے نزدیک مرتبہ نبوت کے بعد چونکہ حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک نبی آتے رہے تھے، لہذا نانوتوی صاحب لکھتے ہیں کہ آپ کی وفات کے بعد مرتبہ نبوت کے تحت بالفرض اگر کوئی نیابی آجائے تو آپ کی مرتبہ ختم نبوت میں فرق نہیں آئے گا۔ لیکن زمانی ختم نبوت کے تحت لانی بعدی کے قانون میں فرق آجائے گا۔ نانوتوی صاحب کا یہ نظریہ ابن عربی کی حقیقت محمدیہ سے مانوفا ہے۔ ابن عربی کہتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد شرعی نبی نہیں آ سکتا لیکن غیر شرعی نبی آتے رہیں گے۔ ابن عربی کے اصل الفاظ یہ ہیں :-

فان مطلق النبوة لم يرتفع ذات نبویہ کے بعد مطلق نبوت مرتفع
انما ارتفع نبوة التشريع فقط نہیں ہوئی بلکہ شرعی نبوت کا ارتقاء

(الیواقیت الجواہر ص ۲۴ ج ۲) ہو چکا ہے۔

ابن عربی کے ان الفاظ پر آپ تدبر کے ساتھ غور کریں کہ اس کے نزدیک نبوت کی کیا تعریف ہے۔ یعنی نبوت اپنے اطلاق کی وجہ سے اتنا وسیع مقام رکھتی ہے کہ آپ کی وفات صرف شرعی نبوت کو تو ختم کر سکتی ہے لیکن آپ کی وفات سے مطلق نبوت کی وسعت ختم نہیں ہو سکتی جس کی وجہ سے غیر شرعی نبوت کا اجراء ہوتا رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابن عربی کے نزدیک ذات نبویہ کی جامع نبوت پر نبوت کا وسیع اطلاق عائد نہیں ہو سکتا بلکہ وہ مطلق نبوت کا ایک مخصوص حصہ ہے۔ یہ مخصوص حصہ صرف شرعی نبوت کو تو بند کر سکتا ہے لیکن غیر شرعی نبوت کے اجراء کو بند نہیں کر سکتا۔ غیر شرعی نبی کا مفہوم کیا ہے۔ ابن عربی اپنی مشہور کتاب فتوحات مکیہ میں شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا قول نقل کرتے ہیں :-

اوتی الانبیاء اسم النبوة
واوتینا اللقب ای حجر علینا
اسم النبی مع ان الحق تعالیٰ
یخبرنا فی سرائرنا بمعانی کلامہ
وکلام رسوله ویسہی
صاحب هذا المقام من
انبياء الاولیاء -

شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ
انبیاء علیہم السلام کو نبوت کا اسم
دیا گیا ہے اور ہمیں نبوت کا لقب
دیا گیا ہے۔ یعنی ہم پر نبی کا اسم استعمال
کرنا منع ہے باوجود اس کے کہ اللہ
تعالیٰ ہمیں اپنے کلام اور اپنے رسول
کے کلام کے خاص معانی ہمارے

دلوں میں القاء کرتا رہتا ہے۔ اور

(الیواقیت والحواہر
ص ۳۹ ج ۲)

جن اولیاء کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے
ہم انہیں انبیاء الاولیاء کہتے ہیں۔

خواجہ غلام فرید لکھتے ہیں کہ خواجہ سلیمان تونسوی، قاضی محمد عاقل کے
متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اگر ذات نبویہ کے بعد خلعت نبوت کسی کو عطا
ہوتی تو قاضی محمد عاقل کو عطا ہوتی۔ (اشارات فریدیہ۔ ص ۲۶۹)

اب دیکھنا یہ ہے کہ تشریحی انبیاء اور اولیاء الانبیاء کے درمیان کیا
فرق ہے۔ ابن عربی فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں :-

كما كان اصل التنزيل الكتاب
على انبيائه كان تنزيل الفهم
من الله على قلوب بعض
المؤمنين - ذلك العطاء
بالفهم من الله تعالى فاهل
الله اولى به من غيرهم
فاسم الفقيه اولى بهذه
الطائفة من صاحب علم
الرسوم -

جیسا کہ اللہ کی طرف سے انبیاء پر
کتاب کی اصل نازل ہوتی ہے اسی
طرح اللہ کی طرف سے اس تنزیل
شدہ کتاب کا فہم بھی بعض عارفین پر
نازل ہوتا ہے۔ خدا کی طرف سے اس
عطا شدہ فہم کی وجہ سے یہ عارفین
ان رسمی عالموں سے زیادہ دیہ رکھتے
ہیں۔ حقیقت میں عالم فقیہ کا لقب
ان رسمی علماء سے زیادہ صوفیہ پر

(فتوحات مکیہ ص ۲۸ ج ۱)

استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام پر صرف کتابوں کا نزول ہوتا
ہے۔ اور ان کتابوں کا جو اصل فہم ہوتا ہے وہ ان اولیاء الانبیاء پر اترتا ہے۔

اس وجہ سے یہ طائفہ محدثین اور ائمہ مفسرین سے بھی زیادہ درجہ رکھتے ہیں۔ اب ان اولیاء الانبیاء پر خدا کی طرف سے فہم کیسے نازل ہوتا ہے؟

ابن عربی لکھتے ہیں :-

قال ابو یزید البسطامی
فی هذا المقام یخاطب
علماء الرسوم اخذتم علمکم
میتا عن میت واخذنا
علمنا عن الحی الذی لا
یموت یقول امثالنا حدیثی
قلبی عن سرابی وانتم
تقولون حدیثی فلان
واين هو قالوا مات

ابو یزید بسطامی جو غیر شریعی نبوت
کے مقام پر فائز تھے ظاہری علماء کو
مخاطب کر کے کہتے تھے تم نے تو اپنا
علم مردوں کی سند سے حاصل کیا
ہے اور ہم نے اپنا علم حی و قیوم
کی ذات سے حاصل کیا ہے جسے
کبھی بھی موت نہیں آتی۔ یہ طائفہ
اپنے علوم کی سند اس طرح بیان کرتا
ہے میرا قلب خدا سے اس طرح
روایت کرتا ہے اور تم کہتے ہو کہ
مجھے فلاں امام اور محدث نے یہ
بات روایت کی ہے۔ وہ امام اور
محدث کہاں ہیں، وہ تو کب کے مر کر
فنا ہو چکے ہیں۔

فتوحات مکیہ

ص ۲۸۰ ج ۱

ظاہر ہے کہ ہمیں شریعت کے سارے علوم قرآن و حدیث کے ذریعے

حاصل ہوتے ہیں۔ اور ان سب علوم میں رجال کا واسطہ ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ قرآن کی فلاں فلاں سورۃ حضرت علیؑ نے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی۔ اس حدیث کو حضرت ابوبکرؓ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ ائمہ اربعہ سے منقول ہے۔ اور یہ حدیث بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ دیکھیے ہمارے زمانے میں ان میں سے وہ کون سی ہستی ہے جو زندہ اور باقی ہو لیکن اس میں ابن عربی اور بایزید بسطامی کی جرأت دیکھیے کہ جو علوم ایسی مقدس ہستیوں کی وساطت سے ہم تک پہنچے ہیں ان علوم کو مردہ علوم کہہ رہے ہیں۔ پھر ان کی سند دیکھیے کہ میرا قلب میرے رب سے اس طرح روایت کرتا ہے۔ بتلائیے کہ ایسی کشفی سند کو اسلام کے کس درجے میں رکھا جائے گا، اور ایسی روایت سے دین کی کون سی بات کو عمل یا عقیدے کے طور پر قبول کیا جائے گا۔ اس سے بڑھ کر ان کی اور جرأت ملاحظہ کیجیے۔ ابن عربی لکھتے ہیں :-

”بہت سی احادیث جسے محدثین موضوع کہہ چکے تھے، ان لوگوں نے کشف کے ذریعے ان کی تصحیح کر کے خود بھی ان پر عمل کرتے رہے اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کرتے رہے۔“

(فتوحات مکیہ - ض ۱ ج ۱)

یہی وجہ ہے کہ ابن عربی کی فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم میں کتنی ہی موضوع احادیث درج ہیں۔ وجودی مشائخ اور علماء جب ایسی حدیثوں کی شرح

کرتے تو ان کی جرأت نہ ہوتی کہ ان کی سند پر جرح کر کے اسے موضوع
کہہ دیتے۔ جن حضرات نے حقیقت محمدیہ کو اپنے عقائد میں داخل کر رکھا ہے
اس کی بنیاد لو لاک لما خلقت الافلاك اور اول ما خلق الله نوری پر
رکھی گئی ہے۔ ایسے حضرات کی بڑی جرأت ہے کہ ایسی صریح موضوع
احادیث کو اپنے عقائد کی بنیاد میں داخل کر رہے ہیں۔ نانوتوی صاحب
کی نبوت بالذات کا مدار بھی اول ما خلق الله نوری پر رکھا گیا ہے جس سے
انہوں نے تمام سابقہ انبیاء کی نبوت کا ابطال ثابت کر کے ختم نبوت کی
غلط توجیہ سے اجراء نبوت کا باب کھول دیا ہے۔ اب ہم اکابر امت کا
نظر یہ پیش کرتے ہیں کہ جو صاحب ختم نبوت کے اصل مفہوم میں تاویل
کرے، اس کا کیا حکم ہے۔

حدث قاضی شفاء اپنی مشہور کتاب الشفاء میں لکھتے ہیں :-
لاند اخبرناہ صلی اللہ علیہ اس لیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
وسلم خاتم النبیین لانبی نے خبر دی ہے کہ آپ کی ذات خاتم
بعده واخبر من اللہ تعالیٰ النبیین ہے اور آپ کے بعد دوسرا

۱۔ نانوتوی صاحب لکھتے ہیں، روح نبویہ جو اصل موصوف نبوت ہے ارواح انبیاء
باقیہ کے لیے موقوف علیہ ہے اس وجہ سے آپ کو تقدم بالخلق لازم ہوا مگر مخلوقیت
روحانی کو تولد جسمانی لازم نہیں۔ آپ کے نزدیک لازم ہو تو ثابت کیجیے اور اول
ما خلق الله نوری وغیرہ کی تکذیب فرمائیے۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۱۸)

انہ خاتم النبیین واجمعت
الامت علی حمل هذا الکلام
علی ظاہرہ وان مفہومہ
المراد بہ دون تاویل ولا
تخصیص فلا شک فی کفر
هؤلاء الطوائف کلہا
اجماعاً وسمعاً۔

کتاب الشفاء

قاضی عیاض

ص ۳۲۸

ج ۱

کوئی نبی نہیں آسکتا اور قرآن میں خبر
دی گئی ہے کہ آپ انبیاء کے ختم
کرنے والے ہیں۔ اور اسی عقیدے پر
امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے
ظاہری معنوں پر محمول ہے اور جو
اس کا ظاہری مفہوم ظاہری الفاظ
سے سمجھ میں آتا ہے وہی مفہوم کسی
تاویل یا تخصیص کے بغیر مراد ہے
پس ان لوگوں کے کفر میں کوئی شبہ
نہیں ہے جو اس کا انکار کریں اور یہ
قطعی اور اجماعی ہے۔

اور دوسری عبارت امام غزالی سے منقول ہے جسے محمد انور شاہ
کشمیریؒ نے اکفار الملحدین میں درج کیا ہے :-

امام غزالیؒ اپنی کتاب الاقتصاد میں لکھتے ہیں، امت مسلمہ نے ان
الفاظ انقطعت النبوة والرسالة فلا نبی بعدی ولا رسول کا
مطلب یہی سمجھا ہے کہ میرے بعد قیامت تک نہ کوئی نبی نہ ہوگا اور نہ کوئی
رسول۔ اور یہ کہ اس بیان میں نہ کوئی تاویل ہے اور نہ تخصیص۔ اب جو
کوئی اس میں کوئی تاویل یا تخصیص کرتا ہے اس کا قول از قبیل نہ بیان اور
بکو اس ہے ایسے شخص کو کافر کہتے ہیں کوئی امر مانع نہیں اس لیے کہ یہ شخص

اس نص صریح کی تفسیر کرتا ہے جس کے متعلق امرت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے اور نہ کوئی تخصیص۔ (اکفار الملحدین از شاہ محمد انور کشمیری ص ۱۴۹)

اس سے معلوم ہوا کہ خاتم النبیین کے ظاہری مفہوم میں نہ تاویل ہو سکتی ہے اور نہ اس میں کسی تخصیص کی گنجائش ہے کہ ختم نبوت کو نبوت بالذات کے تحت مرتبی ختم کے مفہوم میں داخل کر کے اعراض کے ذریعے نبوت کا اجرا کیا جائے۔ نبوت بالذات کا اخذ چونکہ ابن عربی کی حقیقت محمدیہ سے لیا گیا ہے جس کے تحت نبوت ایسے اطلاقی میں داخل ہو جاتی ہے کہ اس سے کئی قسم کی نبوت کا استخراج ہو سکتا ہے اس لیے ہم نے اپنا حقیقی فرض سمجھا کہ اس اہم غلطی سے اہل علم کو آگاہ کر دیا جائے تاکہ ابن عربی کی حقیقت محمدیہ کے مسموم اثرات کا قلع قمع ہو جائے۔ اس فلسفے سے صرف نبوت بالذات کا نظریہ ہی استخراج نہیں ہوتا بلکہ اس کا دوسرا جزو حیات بالذات کا نظریہ بھی اس کے ساتھ لازم ہو جاتا ہے۔ حیات بالذات سے ذات نبویہ کو قدیم ماننا پڑتا ہے۔ اس لیے حقیقت محمدیہ جس کا دوسرا نام تعین اول ہے یہ تعین مراتب الہیہ میں داخل ہے اس پر مخلوق کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ دوسرے اس سے چونکہ ساری کائنات کا صمد ہوتا ہے اس لیے کائنات کو بھی قدیم ماننا پڑتا ہے۔ اکابر نے قدیم کائنات کے عقیدے کی وجہ سے جہاں جہاں ان کی تکفیر ہو ان میں ابن عربی سر فہرست ہے۔ بعض نے تصریح کے ساتھ نام لیا ہے۔

بعض نے اجمالاً ان میں شامل کر دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ چند ایک عبارتیں ایسی درج کر دی جائیں کہ ائمہ اکابر قدم کائنات کے ماننے والوں کی کس طرح تکفیر کرتے ہیں

قدم کائنات اور اکابر امت

علامہ سعد الدین نے فاضل الملحدین کتاب لکھی ہے۔ اس میں آپ نے ابن عربی کی تکفیر کی ہے۔ اس کتاب میں لکھتے ہیں :-

جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ موجودات خارجیہ جو کچھ زمین آسمان کے درمیان ہے یہ وہی ہے جو خدا کے تعین علمی میں اعیان ثابتہ کی صورت میں موجود ہے۔ اصل میں کائنات کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے۔ تو ایسا عقیدہ صریحاً کفر ہے کیونکہ یہ نص قطعیہ کے خلاف ہے قرآن میں ہے کل شیء ہالک الا وجہہ اس آیت سے کائنات کے وجود کا تحقق ثابت ہو رہا ہے۔ جب تک وجود کا تحقق ثابت نہ ہو تو ہلاک ہونے کا کیا مفہوم رہ جاتا ہے۔ (فاضل الملحدین)

علامہ تفتازانی مقاصد میں لکھتے ہیں :-

وہ مسلمان جو حق کے مخالف اور گمراہ ہیں، وہ اس وقت تک کافر نہیں کہلاتے جب تک وہ ضروریات دین کا انکار نہ کریں جن کے شارع علیہ السلام سے ثابت ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ مثلاً عالم کے حادث ہونے کا

عقیدہ اور مرنے کے بعد جسمانی طور پر دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ۔
(رد الملحدین ص ۳)

محقق محمد بن وزیر الیمانی اپنی کتاب ایثار الحق میں لکھتے ہیں :-
”یہی وجہ ہے کہ تم اس قسم کی عام یا محتمل آیات و حدیث سے اکثر و
بیشتر گمراہ فرقوں کو استدلال کرتا ہوا پاؤ گے۔ ہر باطل عقیدے والا
اپنی تائید کے لیے اسی قسم کی عام یا محتمل آیات اور احادیث کا سہارا
لیتا ہے حتیٰ کہ ضروریات دین کا انکار کرنے والا بھی جیسے اتحادی فرقے
کے غالی لوگ (یعنی وحدۃ الوجود کے غالی قائلین جو اللہ کے سوا اور کسی کو
موجود ہی نہیں مانتے اور کل شئی ہالک سے استدلال کرتے ہیں کہ
ہالک موجود نہیں معدوم ہے۔“ (اکفار الملحدین از محمد انور شاہ محدث
کشمیری ص ۹۵)

شیخ ابن ہمام جو احناف کے مشہور فقیہ اور محدث ہیں وہ اپنی کتاب
مسایرہ میں لکھتے ہیں :-

لے اکفار الملحدین جناب محمد انور شاہ کشمیری کی مشہور کتاب ہے۔ وہ ایسے
وحدۃ الوجودی مشائخ پر کفر کا فتویٰ نقل کر رہے ہیں جو کل شئی ہالک سے استدلال
کرتے ہیں کہ ہالک موجود نہیں معدوم ہے۔ جو وحدۃ الوجودی مشائخ ہالک سے
کائنات کے معدوم ہونے کے قائل ہیں اس عقیدے میں ابن عربی اور ہزاروں
مشائخ وجودیہ داخل ہیں۔ جو حضرات ابن عربی کی مخالفت میں (باقی بر ص ۲۳)

”جو شخص اس کائنات کو قدیم مانے یا حشر جسمانی کا انکار کرے ایسے عقیدے والا کافر ہے۔“ اکفار الملحدین ص ۱۱۳
 محدث ابن قیم لکھتے ہیں :-

فصرح افلاطون بحدوث العالم كما كان عليه اساطين وحكى ذلك عند تليذه
 افلاطون حدوث عالم کا قائل تھا۔ اسی طرح قدیم فلاسفہ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ لیکن اس کے شاگرد ارسطو نے حدیث ارسطو و خالفہ بحدیث العالم و تبعہ علی ذلك ملاحدة الفلاسفتا۔
 عالم کی مخالفت کی ہے۔ اس کے بعد سارے ملحدین فلاسفہ اس کی پیروی کرتے چلے آئے ہیں۔

(انفائتہ اللہ فان ص ۲۳۶)

نبوة بالذات کارداور قرآن

بعض حضرات کنت نبیاً و آدم بین الروح والجسد میں اُس

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲) ہم پر ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں وہ دور نہ جائیں ذرا کشمیری صاحب پر بھی ایک دو حرف استعمال کر کے دیکھ لیں۔ ست

دامن اس کا تو بھلا دور ہے اے دستِ جنوں
 بے کار ہے کیوں تیرا گریباں تو مگر دور نہیں

وقت سے نبی ہوں جب کہ حضرت آدم کے جسد کی تکمیل بھی نہیں ہوئی تھی،
 کی حدیث سے ذات نبویہ کی نبوة بالذات ثابت کرتے ہیں۔ سب سے
 اول اس امت میں اس حدیث کے مفہوم میں جس نے تحریف کی ہے وہ
 ابن عربی ہے۔ اس کے بعد وجودی علماء اور مشائخ نے اس مفہوم کو اپنے
 عقائد میں داخل کر کے اس نظر سے کو امت مسلمہ میں پھیلا دیا ہے۔ اس مفہوم
 کی بحث ذرا دقیق ہے۔ ہم صرف تعارف کے طور پر اس کی مختصر وضاحت
 کر رہے ہیں تاکہ اہل حقائق کو اتنا معلوم ہو سکے کہ اس کا بنیادی ماخذ کیا ہے
 ابن عربی اپنی مشہور کتاب فصوص الحکم میں لکھتا ہے :-

فکل نبی من لدن آدم	حضرت آدم سے لے کر آخری نبی یعنی
الی آخر نبی ما منہم احد	حضرت عیسیٰ تک جتنے نبی گزرے
یاخذ النبوة الا من مشکوة	ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نبی نہیں ہے
روحانیۃ خاتم النبیین و	جو خاتم النبیین کی مشکوة سے نبوة کا
ان تاخرو وجہ طینتہا فلما	فیض نہ لیتا ہو۔ گو آپ کا عنصری
بحقیقتہ موجود۔	وجود رب سے متأخر ہے۔ لیکن
فصوص الحکم	آپ اپنی حقیقت محمدیہ کی وجہ سے
فصل شیش ص ۶۹	سب سے پہلے موجود تھے۔

شیخ جامی فصوص الحکم کی شرح میں لکھتا ہے :-
 معنی کنت نبیا اندکان
 کنت نبیا کا مفہوم یہ ہے کہ آپ
 نبیا بالفعل عالما بنبوۃ
 اس وقت نبی بالفعل تھے اور اپنی

وغيره من الانبياء ما كان نبيا بالفعل ولا علما بنبوته
 الاحين بعث بعد وجوه
 (شرح فصوص الحکم ص ۷۴)
 (شواہد النبوة از جامی ص ۲۵)
 نبوت کے علم سے سرفراز تھے۔ آپ
 کے علاوہ کوئی نبی بالفعل نہ تھا اور نہ
 اپنی نبوت سے واقف تھا۔ ان
 نبیوں کو اس وقت نبوت سے
 سرفراز کیا گیا جب وہ دنیا میں اپنے
 عنصری وجود کے ساتھ ظاہر ہوئے۔

اس کی زیادہ تشریح مدارج النبوة از محدث عبدالحق اور شواہد النبوة از جامی
 میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کے وجود عنصری پر
 جو قرآن کے ذریعے نبوت نازل ہوئی تھی اُس نبوت کو آپ کس درجے میں داخل
 کریں گے۔ ہم اس سے زیادہ تو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ لیکن آپ یہ بتلائیں کہ ملت
 اسلامیہ کو آپ ذات نبویہ کی کون سی رسالت کا کلمہ پڑھوانا چاہتے ہیں۔
 ہمارے نزدیک اس سے بڑھ کر نبوة کی تفہیم میں تحریف نہیں ہو سکتی۔ اب
 ہم قرآن کی چند محکم آیات پیش کرتے ہیں جن میں صریحاً ثابت ہے کہ آپ کی
 حقیقی نبوت کا آغاز اس وقت سے ہوا ہے جس وقت آپ پر آغاز وحی
 ہوا تھا۔ نزول قرآن سے قبل آپ کے وجود پر یا آپ کی کسی کشفی حقیقت پر
 حقیقی نبوة کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

قرآن میں ہے :-

ا۔ وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى
 آپ نبوت سے قبل بے خبر تھے پس
 آپ کو ہدایت کا راستہ دکھلا دیا۔

اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے :-

۲۔ قُلْ إِنِّي هَدَانِي رَبِّي

إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ قرآن کے نزول سے قبل صراطِ مستقیم کی اصل حقیقت سے واقف نہ تھے۔

۳۔ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ

رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ

تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا

الْإِيمَانُ

۴۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ

مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُّ

بِإِمِينِكَ إِذَا الْأُمُوتَابُ

الْمُطْبُوعُونَ۔

اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی

وحی یعنی حکم بھیجا ہے (اس سے قبل آپ کو

نہ یہ خبر تھی کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے نہ یہ

خبر تھی کہ قرآن کے مطابق ایمان لانے کا صحیح طریقہ

اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی

کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی

کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ

ایسی حالت میں یہ ناحق شناس لوگ

کچھ شبہ نکالتے۔

۵۔ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ

مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ

نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ

اور ایسے پیغمبروں کا جن کا حال ہم اس

سے قبل آپ سے بیان کر چکے ہیں اور

ایسے پیغمبروں کا جن کا حال ہم نے آپ سے

بیان نہیں کیا۔ یعنی جتنے پیغمبر گزرے ہیں

ان میں سے کچھ پیغمبروں کا حال آپ کو

معلوم نہیں ہے۔

اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے صرف ان چند آیات پر اکتفا کیا ہے۔ ان میں سے آخری آیت کی قدرے توضیح کر دیتے ہیں۔ ان حضرات کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں جتنے پیغمبر گزرے ہیں، ان کی نبوت بالعرض تھی۔ ہر نبی اپنے اپنے عہد میں ذات نبویہ کی نبوت سے فیض حاصل کر کے تبلیغ کرتا رہا ہے۔ قرآن میں ہے کہ بعض رسولوں کا آپ کو علم نہیں دیا گیا۔ جب آپ کو ان نبیوں کا علم تک نہیں ہے تو وہ رسول آپ کی نبوت بالذات کے اعراض میں کس طرح داخل ہو سکتے ہیں۔ اس نص قطعی کے بعد آپ ان رسولوں کی حقیقی رسالت کا انکار کر رہے ہیں تو آپ کو ذات نبویہ کی نبوة بالذات کا انکار کرنا پڑے گا۔ اگر نبوت بالذات کا انکار نہیں کرتے تو پھر ان رسولوں کے حالات کو آپ کے علم میں داخل کرنا پڑے گا کیونکہ بالذات وجود کا خاصہ ہے کہ جو اعراض اس کی ذات سے وابستہ ہوں گے ان اعراض کا علم اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی رسالت حقیقی کو اعراض کے درجے میں داخل کرنا قرآن کے صریحاً خلاف ہے۔

یونانی علوم اور ہنود مشرکین کے فلسفے کا اہل کتاب کے فلسفے سے زیادہ رد کیا جائے

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں :-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما نہی امتہ عن
مشاہدۃ فارس والروم
النصارى فنهى عن مشاہدۃ
اليونان المشرکین والهند
المشرکین اعظم
جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اہل فارس اور رومی نصاریٰ کی مشابہت
سے منع کر دیا ہے تو یونان کے مشرکین
فلاسفہ اور ہنود کے شرکیہ فلسفے کی
مشابہت سے تو سب سے زیادہ
بچنا چاہیے۔

(تفسیر سوہ اخلاص ص ۳۸)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب میں جتنے کفریہ اور شرکیہ نظریے پائے
جاتے ہیں، ان کی اصل کتابوں میں ان کی صاف تردید موجود تھی۔ جب یہ لوگ
دوسری قوموں کے نظریات سے متاثر ہوئے تو انہوں نے ان محرف نظریات
کے ساتھ تطبیق دینے کے لیے اپنی کتابوں میں رد و بدل کر دیا۔ دوسرے ان
میں اتنی کمزوری پائی جاتی تھی کہ وہ بار بار اپنے نبیوں سے معجزات طلب کرتے
تھے۔ معجزہ اور سحر و شعبد کے درمیان فرق کرنا عوامی ذہنوں سے بالاتر ہے۔
اس لیے عصا کے سانپ بننے پر تو وہ ایمان لے آئے سامری کے بچھڑے
کی آواز پر کافر ہو گئے۔

ہنود اور یونان کا شرکیہ فلسفہ اتنا عسیر الفہم ہے کہ اس کے مقابلے میں اہل کتاب کے بڑے بڑے علماء حیران رہ گئے۔ مسیحی امت میں سب سے پہلے فیلو فلاسفر، یوحنا اور پوس متاثر ہوئے۔ فلاسفہ کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ کائنات کی علتِ اول کیا ہے۔ طالیس ملطی سے لے کر ارسطو تک علتِ اول کی مختلف تشریحات پائی جاتی ہیں۔ ارسطو کے نزدیک کائنات کی علتِ اول، عقلِ اول ہے۔ اس کے نزدیک عقلِ اول کا مفہوم مادی عقل نہیں ہے بلکہ شعوری اور عقلی ہے۔ نصاریٰ کے علماء جب اس نظریے کا انجیل سے جواب نہ دے سکے تو انہوں نے اہل یونان میں مسیحی تعلیم پھیلانے کے لیے اس علتِ اول کو حضرت عیسیٰ کی ذات پر محمول کر لیا اور اس سے نظریہ تثلیث اختراع کیا۔ ان کے نزدیک ابن اللہ سے مراد خدا کا بیٹا نہیں ہے بلکہ صدفِ کائنات کی علتِ اول کا نام ہے۔ حضرت معاویہؓ شام کے گورنر تھے۔ اس دور میں شام کے مسیحی علماء میں یہ نظریہ بہت زور پکڑ چکا تھا۔ وہ اس نظریہ کے تحت مسلمانوں کے ساتھ مناظرے بھی کرتے تھے۔ سرجون دمشقی جو عہدِ معاویہ میں وزیر مالیات کے کلیدی عہدے پر فائز تھا، اس کا بیٹا یوحنا دمشقی اس فلسفے کا بڑا سکا لرتھا۔ عہدِ یزید میں اسے کھلی چھٹی تھی کہ جس عالم کے ساتھ چاہے مناظرہ کر سکتا تھا۔ مناظرہ کا مرکز یہ نکتہ یہ ہوتا کہ حضرت عیسیٰ جب کلمۃ اللہ ہیں اور قرآن کلام اللہ ہے جب تمہارا قرآن کلام اللہ ہونے کی وجہ سے غیر مخلوق ہے تو حضرت عیسیٰ بھی کلمۃ اللہ ہونے کی وجہ سے غیر مخلوق ہیں۔ اس طرح یہ فتنہ بڑھتا ہوا حضرت

امام احمد کے زمانے تک اتنا زور پکڑ گیا کہ مسلمانوں کی اکثریت قرآن کے مخلوق ہونے کی قائل ہو گئی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی تا کہ حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے کی نفی ہو جائے۔ پھر یہ نظریہ روافض عبیدہ قرامطہ میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد اس نظریہ کو منصور حلاج اور ابن عربی نے حقیقتہً محمدیہ میں تبدیل کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسیحی فلسفے کے ساتھ یونانی اور ہنود کے فلسفے کے سمجھنے کی بھی اشد ضرورت ہے۔ لیکن شومی قسمت سے وحدۃ الوجود کے نظریات اکثر اکابر مشائخ اور علماء کے علم و تقویٰ کو مخمور کر چکے تھے، انہوں نے سوچا جب حقیقتہً محمدیہ کا بروز ولی کے اس پہلے اشہب میں ظاہر ہو سکتا ہے تو مرزا آخر ایک انسان ہے اگر اسے ایک بروز نبی مان لیا جائے تو کون سی قباحت میں ہم داخل ہو جائیں گے۔

(۴) توہین نبوت کا ایک پہلو یہ ہے کہ روافض کے نزدیک جس طرح نبی کا انتخاب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اسی طرح امام کا انتخاب بھی اسی ہیج پہ ہوتا ہے۔ درجے کے لحاظ سے امامت اور نبوت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ اس عقیدے سے استمرار نبوت کے قائل ہیں۔ استمرار نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ ذات نبویہ اگرچہ خاتم النبیین ہیں لیکن جس نبوت کے ساتھ شرائع کی

اے ملاحسین کاشفی رشحات میں نقل کرتے ہیں کہ ایک بزرگ سفید گھوڑے پر زیادہ سواری کرتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ فرمانے لگے کہ خدا کی تجلی مجھے سفید گھوڑے میں زیادہ نظر آتی ہے۔

تکمیل ہوتی ہے۔ اس کی صحیح تعریف خاتم النبیین کے عہدے پر صحیح نہیں آسکتی۔ بلکہ ضرورت ہے کہ نبوت کے اس اجراء کو جاری رکھا جائے۔ یہ بحث ذرا غیر الفہم ہے۔ ہم ایران کے نئے مہدی امام خمینی کے الفاظ میں اس مفہوم کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جناب خمینی فرماتے ہیں :-

”جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لیے آئے لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جو انسان کی اصلاح کے لیے آئے تھے اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لیے آئے تھے، انسان کی تربیت کے لیے آئے تھے، لیکن وہ بھی اپنے زمانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ وہ آدمی جو اس مقصد میں کامیاب ہوگا اور تمام دنیا میں انصاف کو نافذ کرے گا، خدا تبارک و تعالیٰ حضرت ولی عصر امام خمینی کا ذخیرہ کیا ہے ان ہی مہنی میں جس کی تمام نبیوں کو آنسو تھی لیکن رکاوٹوں کی وجہ سے ان کو نافذ نہ کر سکے۔ تمام اولیاء کی ریزہ تھی لیکن وہ بھی نافذ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے کہ وہ کام اس بزرگوار (خمینی) کے ہاتھوں نافذ ہو جائے۔“

(اتحاد و یک جہتی شائع کردہ خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی

ایران۔ ملتان۔ ص ۱۵۱)

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں :-

والذین قالوا عن الرسول جو لوگ رسول کے حق میں کہتے ہیں کہ

انما ابتر وقصدوا انتہ وہ مقطوع النسل ہے اس سے ان کا

يموت فينقطع ذكره عوقبوا
 بعذاب الابر كما قال الله
 تعالى ان شانئك هو
 الابتر فلا يوجد من
 شئ الرسول الابتره
 الله حتى اهل البدع
 المخالفون لسنته يموتون
 ويموت ذكرهم۔

مقصد یہ ہے کہ جب یہ رسول مر جائیگا
 تو اس کے ساتھ اس کا مشن بھی ختم
 ہو جائے گا۔ یاد رکھیے اللہ تعالیٰ نے
 فرمایا کہ اے رسول جو آپ کی عیب گیری
 کر کے کسی توہین کا ارتکاب کرتے ہیں
 ایسے لوگ ایسے عذاب میں گرفتار ہونگے
 تو ان کے مرنے کے بعد ان کا ہر نبوی
 نشان بھی ان کے ساتھ ختم ہو جائیگا
 اسی طرح اہل بدعت میں سے جو آپ
 کی سنت کی مخالفت کرتے ہیں
 ان کا نشان بھی ان کی موت کے ساتھ
 ختم ہو جائے گا۔

الفکرین بین الحق والباطل
 ص ۱۳۴

مقام رسالت کی اہانت کرنے والے جلدی ختم ہو جائیں گے

توہین رسالت کے کئی پہلو ہیں۔ محدث قاضی شفاؒ اپنی کتاب الشفا میں
 لکھتے ہیں، جس کی تلخیص یہ ہے :-
 جو شخص خدا کی وحدانیت اور معبودیت کا تو اقرار کرتا ہے لیکن مقام

نبوت کا عمومی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصاً اور انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک نبی کی نبوت کا بھی انکار کرتا ہے تو وہ بلاشبہ کافر ہے۔ ہمارے نبی کی نبوت کے خصائص میں تحریف کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کی زمانی ختم نبوت کے بعد تو نئے نبی کے آنے کا انکار کریں لیکن مرتبی ختم نبوت کے ذریعے غیر شرعی نبی کے آنے کا اقرار کرے۔ حالانکہ نبوت ایک ایسا مرتبہ ہے جس کے ساتھ غیر شرعی نبوت کی قسم وضع کرنا بھی کفر کے مترادف ہے۔ جیسے مقام الوہیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ اگر کوئی یوں کہے کہ بعض الہ غیر الوہیت کے ساتھ بھی الہ بن سکتے ہیں۔ اسی طرح کوئی نبی بھی کہلائے اور اس کے بارے میں یہ کہہ دیا جائے کہ یہ غیر شرعی نبی ہے۔ بھلا دنیا میں کوئی ایسا نبی گزرا ہے کہ جسے نبی بنا کر تو بھیجا گیا ہو لیکن اس پر وحی نہ اُتری ہو۔ جب کوئی نبی وحی کے بغیر نبی بن ہی نہیں سکتا، پس ہی وحی تو شرعی احکام کہلاتی ہے۔ ورنہ شرعی احکام کا اور کیا مفہوم ہو سکتا ہے؟

(۲) تحریف کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ذات نبویہ کی شرعی نبوت کو تنکوینی نبوت میں تبدیل کر دے۔ جیسے کہتے ہیں کہ آپ اپنی حقیقت محمدیہ کے ساتھ کائنات کے ذرے ذرے میں موجود اور حاضر ہیں، اگر آپ کی حقیقت کو کائنات سے ایک سیکنڈ کے لیے بھی علیحدہ کر دیا جائے تو ساری کائنات اُنا فانا فنا ہو کر رہ جائے۔ آپ بتلائیں کہ اس عقیدے کے تحت آپ نبوت کے شرعی

۱۔ کتاب الشفاء ص ۵۳۸ ۲۔ صلاۃ الصفا از احمد رضا و تسکین الخواطر از کاظمی۔

وجود کے ذرے ذرے کو کائنات کے وجود میں پھیلا رہے ہیں۔ یا اس سے آپ کی نبوت کی کوئی دوسری قسم مراد ہے۔ اس عقیدے کے تحت آپ کی تشریحی نبوت جب کائنات کے ذرے ذرے میں نہیں پھیل سکتی۔ لازماً آپ کی اس تشریحی نبوت کو تکوینی نبوت میں تبدیل کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس سے آپ کا روح الا کو ان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہی عقیدہ ہے جس کا آپ ملت اسلامیہ میں رات دن پر چار کرتے رہتے ہیں۔ کائنات میں اچھی چیزوں کے علاوہ بہت سی قبیح چیزیں بھی موجود ہیں، جب یہ ساری قبیح چیزیں آپ کی حقیقت محمدیہ کے ذریعے قائم ہیں تو بتلائیے اس سے زیادہ توہین نبوت کا اور زیادہ پہلو کون سا ہو سکتا ہے اور کون سا ایسا شر ہے جس کی آپ اس نظریے کے ساتھ آبیاری نہ کر رہے ہوں۔

(۳) توہین نبوت کا ایک پہلو یہ ہے جسے قادیانی امت پیش کر رہی ہے۔ اگر مرزا قادیانی بروزی نبوت کا مظہر بن سکتا ہے تو اس مظہر کا کوئی معیار وضع کیجئے جس معیار میں کوئی دوسرا شخص بروزی نبوت کا مظہر نہ بن سکتا ہو اگر مرزا کی لائف بروزی نبوت کا معیار ہے تو آپ دعوے کے ساتھ ثابت کریں کہ ایسی لائف کا معیار صرف مرزا پر آکر ختم ہو جاتا ہے یا اس قسم کا دوسرا معیار امکان قدرت سے بھی خارج ہے کہ کسی دوسرے وجود پر یہ معیار عائد نہیں ہو سکتا۔ مرزا بے چارہ چونکہ وحدۃ الوجودی تھا اس نے تعین اول کے بروزی میں اپنے آپ کو بھی شامل کر لیا۔ جو اہل علم اگر وحدۃ الوجود کے بروزی اور حولی خطرے سے واقف ہوتے تو وہ قطعاً مرزا نبیت میں داخل نہ ہوتے

محمدؐ کو خدا مان لیا

علامہ کاظمی صاحب اپنے مسلک کی تشریح میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ تاکہ مخالف کی طرف سے کسی خاص گرفت کا احتمال نہ رہے۔ مولوی محمد یار گڑھی والے خواجہ غلام فرید کے خاص خلیفہ ہیں۔ انہوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کا نام دیوان محمدی ہے۔ وہ وحدۃ الوجود کے نظریے کو جتنا عرباں کر سکتے تھے اپنے دیوان میں اس عربانی کا کوئی پہلو بھی نہیں چھوڑا اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے۔ جو آدمی جس نظریے کا حامل ہو اس میں اخفاء یا تاویل اور تفسیر سے کام لینا اس سے نفاق کی عفونت ظاہر ہوتی ہے۔ اس دیوان میں ایک شعر ہے

گر محمدؐ نے محمدؐ کو خدا مان لیا

پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہے دغا باز نہیں

شعر میں پہلا محمد شاعر کا تخلص ہے۔ یعنی محمد یار گڑھی والے نے اپنے عقیدے میں اگر محمدؐ کو خدا مان لیا پھر تو سمجھ لیجیے کہ وہ حقیقی مسلمان ہے اگر خدا نہیں مانتا تو پھر بات رسول کے ساتھ دغا بازی کے مترادف ہے۔ کسی صاحب نے علامہ کاظمی کو یہ شعر لکھ کر سوال کیا ہو گا کہ کیا یہ یلوی مذہب میں ایسا عقیدہ درست ہے؟ علامہ کاظمی صاحب نے اس شعر کے مفہوم میں جو جواب تحریر فرمایا ہے اسے ملاحظہ کیجیے۔ آپ فرماتے ہیں:-

”حضرت قبلہ مولانا محمد یار صاحب کا وہ شعر جو تم نے لکھا ہے اور

اسی جیسی دوسری عبارات ابو سلم بن الفریقین کی کتابوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں، مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تعینات سے قطع نظر کر کے موجود حقیقی یعنی مابہ الوجودیت حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں۔ ہر شے کا یہی حال ہے کہ تعینات کا انتفاء ہو جائے تو حقیقت حقہ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اس میں نبیؐ غیر نبیؐ حتیٰ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خصوصیت نہیں ہے بلکہ عامہ خلایق مظاہر ناقصہ ہیں اور اولیاء کرام اپنے مراتب کے لحاظ سے کامل مظہر ہیں اور انبیاء علیہم السلام ان سے زیادہ مظاہر کمال ہیں اور جمیع کائنات سے اکمل و افضل مظہریت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ حاصل و ثابت ہے۔ اس لیے کہ کمال امور اضافیہ معنی سے ہے۔“ (مقدمہ دیوان محمدی ص ۱۹)

اس کے بعد علامہ کاظمی نے ابن عربی کی ایک عبارت کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے آگے ابن عربی کی حمایت میں اس شعر پر اعتراض کرنے والوں کی کتابوں سے حوالے دیے ہیں۔ دلائل میں اچھا خاصا مواد جمع کر دیا ہے اور سب سے آخر میں لکھا ہے کہ مولانا محمد یار صاحب کا دامن اس مسئلہ میں ایسے اکابر امت کے ساتھ وابستہ ہے کہ جن کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ و اللہ اعلم بالصواب (مقدمہ دیوان محمدی ص ۲۱) اس رسالے میں ہمارا مقصود یہ نہیں ہے کہ کاظمی کی ساری عبارتوں کا جواب دیا جائے۔ کاظمی صاحب کے اصل مخاطب چونکہ علماء دیوبند ہیں یہ ان لوگوں کا حق ہے کہ

اس کا حرف بحرف جواب دیں۔ لیکن ابھی تک ہمارے علم میں یہ بات نہیں پہنچی کہ کسی دیوبندی عالم، محدث یا فقیہ نے اس کے خلاف ایک حرف لکھنے کی بھی تکلیف گوارا کی ہو۔ اگر کسی صاحب نے جواب لکھا ہو تو ہمیں ضرور آگاہ کر دیجیے۔ اب ہم کاظمی کی عبارت کی ذرا توضیح کر دیتے ہیں تاکہ تفہیم میں آسانی ہے۔

۱۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہے اور اس جیسی عبارتیں مسلم بن الفریقین کی کتابوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ان دو فریقوں سے مراد دیوبندی اور بریلوی مسلک کے علماء ہیں۔ یہ بات کاظمی صاحب نے اس لیے لکھی ہے تاکہ کوئی دیوبندی اس شعر کے مفہوم پر کفر کا فتویٰ نہ لگا سکے۔ اگر واقعی اس شعر سے کفر ظاہر ہوتا ہے تو اس میں صرف بریلوی علماء ہی شریک نہیں ہونگے بلکہ ہمارے ساتھ اس عقیدے میں دیوبندی علماء بھی شریک ہوں گے۔ باقی رہا یہ کہ اس عقیدے کی بنیاد پر کاظمی صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ یہ مسئلہ اور عقیدہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہے۔ اور یہ عقیدہ ہم دونوں کے مسلک کے نزدیک مسلم ہے۔ واقعی اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے۔ اور ہم اس رسالے میں بھی یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں فریق کے عقیدہ توحید اور رسالت کا اصل ماخذ وحدۃ الوجود ہے اور وحدۃ الوجود ابن عربی کا نظریہ ہے۔ ابن عربی سے پہلے ایسا عقیدہ اسلاف میں موجود نہ تھا۔ اور نہ یہ نظریہ قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے بلکہ ساتویں صدی کے بعد علماء اور مشائخ کی اکثریت اس

عقیدے میں گرفتار نظر آتی ہے۔ یعنی ساتویں صدی کے بعد اسلام کے دو حصے ہو گئے تھے۔ ایک اسلام دور نبوت سے شروع ہو کر ابن عربی کے دور تک ختم ہو جاتا ہے اور اسلام کا دوسرا دور ابن عربی سے شروع ہو کر ابھی تک عروج کے ساتھ رواں دواں ہے۔

۲۔ ان دو اسلاموں میں جو خاص فرق ہے وہ یہ ہے کہ نظریہ وحدۃ الوجود کیا ہے؟ سوال تو مختصر ہے لیکن یہ نظریہ وحدۃ الوجود اپنے مفہوم کے لحاظ سے اتنا مشکل ہے کہ اس کی تشریح تو دور کی بات ہے صرف اس کے عنوان میں اتنی باریکیاں پوشیدہ ہیں کہ بڑے بڑے لوگ اس کے عمیق غار میں ایسے ڈوبے کہ قبر تک اس وادی سے نہ نکل سکے۔ اس عاجز پر خدا کے فضل و کرم سے وحدۃ الوجود کے بنیادی ماخذ کا پورا انکشاف ہو گیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اہل علم اور ملت اسلامیہ کو اس کے شجرہ نسب سے آگاہ کیا جائے تاکہ کسی طرح وہ اس کے مسموم اثرات سے متاثر نہ ہو کر جہنم کا ایندھن نہ بن جائیں۔

۳۔ آپ انصاف کریں کہ عیسائی حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہتے ہیں اور یہ علماء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کہنا عین ایمان سمجھتے ہیں۔ آپ کا ضمیر نخواستہ کتنا ہی کمزور ہو لیکن اس تقابل پر تو ضرور گواہی دے گا کہ ظاہر تو ان دونوں کے عقیدوں میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ پھر دوسری طرف الٹ کر یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ یہ تو بڑے بڑے اکابر ایسا عقیدہ رکھتے ہیں واقعی اس کے تحت کوئی حقیقت پوشیدہ ہوگی۔ ورنہ ایسی غلطی کو یہ لوگ

کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ ہم آپ کو ایک میزانِ تعادل کے قاعدے سے ایک مثال سے سمجھاتے ہیں شاید آپ کو ہدایت نصیب ہو جائے۔ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں قرآن کا قاری ہوں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ میرے پاس امام عاصم جو قاریوں کا امام ہے اس کی سند میرے پاس ہے۔ اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کرتا ہے اگر آپ اس سند پر یقین نہیں کرتے تو میں لکڑی کو بھی سانپ بنا سکتا ہوں۔ اگر میں قاری ہونے میں جھوٹا ہوں گا تو پھر میں لکڑی کو سانپ نہ بنا سکوں گا۔ ان دونوں قوی دلائل کے بعد اگر آپ یہ دلائل بھی قبول نہ کریں تو میں قرآن کو پڑھ کر سنا بھی سکتا ہوں۔ اس کی پہلی بات سے قاری ہونے کی اعلیٰ سند معلوم ہوتی ہے۔ اب جو بھی اس کی علمی قابلیت پر اس کی سند پر اعتماد کرے گا وہ واقعی اسے قاری سمجھے گا اگرچہ وہ قرآن سے بالکل جاہل ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس کی دوسری گواہی سے اس کا ولی صاحب کرامات ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بھلا جو لکڑی کو سانپ بنا سکتا ہے وہ قاری ہونے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہے۔ اب کوئی آدمی اس کی ان دونوں شہادتوں پر اعتماد نہ کرے تو جو لوگ اس کی پہلی دو شہادتوں پر گرویدہ ہو چکے ہیں، وہ لوگ اسے سخت بے ادب کہیں گے کہ دیکھیے کہ یہ لوگ ایسے امام کی سند پر بھی اعتماد نہیں کرتے، دوسرے اسے ولی کا بے ادب اور گستاخ بھی کہیں گے، کہ دیکھیے ایسا صاحب کرامت جو لکڑی کو سانپ بنا سکتا ہے وہ بھلا قاری قرآن کیوں نہیں ہو سکتا۔

جس آدمی پر یہ لوگ ناراضگی کا اظہار کر رہے ہیں، وہ کہتا ہے اگر وہ قرآن
سُنادے تو میں اسے قاری تسلیم کر لوں گا۔ ورنہ میں نہ اس کی علمی سند کا
اعتبار کرتا ہوں اور نہ اس کی اس کرامات پر یقین رکھتا ہوں۔ اب بتلائیے
اس آدمی کے قاری ہونے میں آپ کے نزدیک کون سی شہادت مقبول ہے
اگر آپ اس میزانِ تعادل کے قاعدے کو ضبط کر لیں تو آپ کو حق اور
باطل میں امتیاز کرنے کی ایک قیمتی کسوٹی حاصل ہو جائے گی۔ دیکھیے!
اگر بعض اکابر کی کتاب میں کوئی غلطی پائی جائے تو فوراً کہہ دیا جاتا ہے کہ
وہ تو بڑا شیخ الحدیث ہے فلاں فلاں دینی مدارس کی انہیں سند حاصل
ہے۔ وہ بھلا ایسی غلط بات اپنی کتاب میں کیسے درج کر سکتا ہے۔ اس
شہادت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے معتقدین تردید کی بجائے اسے
صحیح ثابت کرنے کے لیے ہزاروں تاویلوں کا جال بچھا دیتے ہیں۔ اسی
طرح اگر کسی بزرگ کی کتاب میں کسی غلط نظریے کی نشان دہی کر دی
جائے تو ان کے معتقدین ان کی صدہا کرامات کی وجہ سے اس نظریے کو
غلط کہنا برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ بلکہ اُلٹا اسے گستاخِ اولیاء کے
لقب سے سرفراز کر دیتے ہیں۔ صحیح شخص وہ ہے جو اس دلیل کو قبول
کرتا ہے جس کی شہادت قرآن و سنت میں صاف طور پر موجود ہو۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے کہ حق بات کو رجال کے ذریعے نہیں پہچانا
جاتا، بلکہ رجال کی صداقت کو حق کے ذریعے پہچانا جاتا ہے۔ اب حقیقت
میں اس کے قاری ہونے میں تیسری شہادت معتبر ہے کہ خود قرآن کی

تلاوت اس کے قاری ہونے پر گواہی دے رہی ہے۔ باقی دودلیلیں صرف حُسن عقیدت کی تفریط پر محمول نظر آتی ہیں۔

اب ہم شعر کے مفہوم کی طرف عود کرتے ہیں۔ دیکھیے! اس کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ ذات نبویہ کو خدا مان لینا حقیقی مسلمان ہونے کی علامت ہے ورنہ اس کے خلاف ذات نبویہ کے ساتھ دغا بازی ہوگی یہ بات چونکہ عقیدہ سے تعلق رکھتی ہے کاظمی صاحب کو چاہیے تھا کہ اس پر قرآن و حدیث کے شواہد پیش کرتے۔ لیکن انہوں نے لکھا کہ اس جیسے عقیدہ کی عبارتیں مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہیں۔ اور اس کے آخر میں یہ لکھ دیا کہ مولانا محمد یار صاحب کا دامن اس مسئلہ (عقیدہ) میں ایسے اکابر امت کے ساتھ وابستہ ہے کہ جن کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ دیکھیے اس جواب میں کاظمی صاحب وہی طریقہ استعمال کر رہے ہیں جیسا کہ گزشتہ مثال میں میزان تعادل کے ذریعے سمجھایا ہے۔ کاظمی صاحب فرماتے ہیں:-

۱۔ اس جیسی عبارتیں جن سے ایسا عقیدہ ثابت ہوتا ہے وحدۃ الوجود پر

مبنی ہیں۔

۲۔ دوسرے اس عقیدے میں صرف مولانا محمد یار گڑھی والے منفرد نہیں ہیں بلکہ اکابر امت کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ کا بھی یہی عقیدہ ہے اور یہ اکابر ایسے ہیں جن کی عظمت دونوں فریقوں (دیوبندیوں اور بریلویوں) کے نزدیک مسلم ہے۔ جس سے ایک مسلک کی تکفیر دوسرے

مسک کی تکفیر کو مستلزم ہوگی کیونکہ کافر کی تکفیر فرض ہے اور اس کی توبہ
حرام بلکہ کفر ہے۔ (مقدمہ دیوان محمدی ص ۲۱)

اب اس کا حل اس طرح ہو سکتا ہے کہ اگر علماء دیوبند تسلیم کرتے ہیں
کہ واقعی ایسا عقیدہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہے تو پھر انھیں واضح طور پر قبول
کر لینا چاہیے کہ ایسے عقیدے والے پر تکفیر عائد نہیں ہو سکتی۔ اس سے
ملت اسلامیہ کی اکثریت پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان علماء کے
نزدیک حضرت عیسیٰ کی انبیت اور ذات نبویہ کی الوہیت میں کوئی فرق
نہیں ہے۔ اگر واقعی کوئی آدمی ذات نبویہ کو خدا مانتا ہے اور علماء دیوبند کے
نزدیک یہ عقیدہ صریحاً کفر ہے تو پھر انہیں نظریہ وحدۃ الوجود کی بھی صریحاً
تکفیر کرنی لازم ہوگی کہ جو نظریہ ذات نبویہ کو خدا بنا رہا ہو ایسے نظریے کو
پھر اسلام میں داخل کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ یا اس نظریے سے
اگر ذات نبویہ کی الوہیت ثابت نہیں ہوتی تو کاظمی صاحب نے جو مسلم
بین الفرقین کی عبارتوں کے حوالے پیش کیے ہیں، ان حوالوں کی دلائل کے
ساتھ تکذیب کر دی جائے لیکن تکذیب کی ایسی صورت اختیار نہ کی
جائے کہ بریلویت کی بھی اس عقیدے سے بریت ثابت ہو جائے۔
کیونکہ انہوں نے تو واضح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا مان لینا عین اسلام ہے اور اس کے
برعکس خدا نہ ماننا ذات نبویہ کے ساتھ غدار سی کے مترادف ہے۔ اس کے
بعد اکابر علماء دیوبند کی وہ عبارتیں جنہیں کاظمی صاحب نے نظریہ وحدۃ الوجود کی

تائید میں بطور شواہد پیش کیا ہے۔ بریلوی علماء کا یہی حربہ ہے جو ابھی تک علماء دیوبند کو اس قسم کی تحریروں میں لاجواب اور ساکت بنائے ہوئے ہے۔ کیونکہ دو موصوف ایسے ہیں جن کی ہر صفت ایک دوسرے کے برابر ہے۔ اس طرح جب تک ان موصوفوں کے درمیان بنیادی فرق ثابت نہ کیا جائے گا تو ان دونوں موصوف کی صفت میں فرق ثابت کرنا بڑا مشکل ہو جائے گا۔ ہاں اگر موصوف ایک ہوتا اور اس موصوف کی صفات میں فرق ہوتا تو پھر میزان تعادل کے قاعدے پر ان کے نظریے کی اس طرح تکذیب ہو جاتی کہ یہ عقیدہ صرف مسلک بریلویت کے ساتھ مختص ہو جاتا اور دیوبندیت کی اس سے صریحاً بریت ثابت ہو جاتی۔ اب یہ سارا وزن علماء دیوبند کے ذمہ عائد ہوتا ہے وہ جس طرح چاہیں اپنی بریت ثابت کریں، یا اس کی حمایت میں سکوت اور تقیہ کی روش اختیار کریں۔ لیکن یاد رکھیے اگر یہ لوگ اس نظریے کی تردید میں سکوت اور تقیہ سے کام لیتے رہیں گے، اس کے نتیجے میں ایک تو بریلویت کو فروغ ملتا رہے گا دوسرے ایک نہ ایک دن دیوبندیت کی اکثریت بریلویت کے پیٹ میں مضم ہو کر رہ جائے گی۔

ہاں یہ بات یاد رکھیں کہ علماء دیوبند اس عقیدے سے اپنے دامن کو تب صاف کر سکتے ہیں جب تک ابن عربی کے فلسفہ وحدۃ الوجود کے مرکزی ماخذ اور اس کے بنیادی اصولوں کی سازش پر پورا درک نہ رکھتے ہوں۔ کیونکہ ساتویں صدی کے بعد جتنے اکابر علماء اور مشائخ گزے ہیں

ان کی اکثریت اس نظریے کی صرف معتقد ہی نہیں رہے بلکہ وحدۃ الوجود کے زبردست داعی بھی رہے ہیں۔ بلکہ اسے اتنے بام عروج پر لے گئے ہیں کہ جب تک کوئی اس نظریے پر اعتقاد نہ رکھے اس کے ایمان کی اعلیٰ تکمیل بھی ناقص رہ جاتی ہے۔ علامہ محمد فضل حق خیر آبادی لکھتے ہیں:-

”اگر انبیاء علیہم السلام وحدۃ الوجود کی دعوت دیتے تو ان کی رسالت کا فائدہ فوت ہو جاتا، یہ عقیدہ عوام کے ذہنوں کی سطح سے بلند ہے اس لیے ان حضرات کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کی ذہنی سطح کو سامنے رکھ کر گفتگو کریں۔“ (الروض المجود از خیر آبادی ص ۴۴)

اس سے معلوم ہوا کہ وجودی مشائخ کے نزدیک وحدۃ الوجود کا نظریہ رسولوں پر اتارا تو گیا تھا، لیکن عسیر الفہم ہونے کی وجہ سے اس کی تبلیغ سے منع کر دیا گیا تھا۔ اگر بالفرض اس کی تبلیغ کرتے تو ان کی رسالت کا بنیادی مقصد فوت ہو جاتا۔ سوال یہ ہے کہ جس کی اشاعت سے رسالت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے ساتویں صدی کے بعد اس کی وہ کون سی ضرورت تھی کہ اسے عوام و خواص میں بطور عقیدہ پھیلا دیا گیا۔ ابن عربی اپنی مشہور کتاب فصوص الحکم میں لکھتے ہیں:-

”جو کچھ میں نے فصوص الحکم میں لکھا ہے یہ سب کچھ میں نے منامی کشف کے

لے سیرۃ اشرفیہ از غلام محمد حیدر آبادی۔ دماغ الباطل از شاہ رفیع الدین دہلویؒ

ذریعے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے مجھے فرمایا
 هذا کتاب فصوص الحکم یہ کتاب فصوص الحکم ہے تم اسے
 خذہ و اخرجہ الی الناس لے کر لوگوں کے پاس جاؤ تاکہ وہ
 ینتفعون بہ۔ لوگ اس سے خوب نفع اٹھائیں

(فصوص الحکم ص ۱۲۹)

اب خود غور فرمائیے کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد میں
 اس نظریے کی خود تبلیغ کرتے تو عیسایہ الفہم ہونے کی وجہ سے آپ کی رسالت کا
 مقصد فوت ہو جاتا۔ دوسرے یہ نظریہ ایسا عیسایہ الفہم تھا کہ اسے عہد نبویہ
 میں صحابہؓ بھی نہ سمجھ سکتے۔ اگر واقعی یہ نظریہ دین میں داخل تھا تو پھر رسولوں کو
 اس کی اشاعت سے کیوں منع کیا گیا اور پھر اس کے بعد وہ کون سی ضرورت
 لاحق ہو گئی کہ اس عیسایہ الفہم فلسفے کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابن عربی کو
 خود حکم دے رہے ہیں کہ اس کتاب کو لوگوں کے پاس لے جاؤ اب لوگ اس
 سے خوب نفع حاصل کریں گے۔ یعنی اس نظریے کی اشاعت عہد صحابہؓ
 میں تو گمراہی کا سبب بن رہی تھی مگر اب وہی گمراہی ابن عربی کے عہد
 میں نبوی حکم کے ذریعے ایمان کی اعلیٰ تکمیل کا باعث بن رہی ہے۔ اگر اہل علم
 اس نکتے کے فرق کو بھی ملحوظ کر لیں تو اس نظریے کا فیصلہ جلد ہی ہو سکتا ہے
 ورنہ ضد اور عصبیت کا علاج تو موت ہی کر سکتی ہے۔

کاظمی صاحب نے لکھا ہے کہ جس نظریے کے تحت ذات نبویہ کو خدا کہنا
 عین ایمان ہے، اس کا اصل مبنی وحدۃ الوجود کا نظریہ ہے۔ اگرچہ وحدۃ الوجود کا

بانی ابن عربی ہے لیکن اس نظریے کے بعض مصادر کا اُس وقت آغاز ہو چکا تھا جب کہ بعض صوفیہ نے تیسری صدی کے اوائل میں فناء توکل اور محبت کی تعبیر کو صوفیانہ اصطلاح میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ فناء کی تعبیر کا ماخذ بدھ مت کے نظریہ نروان سے ماخوذ تھا۔ توکل اور محبت کی تعبیر میں مسیحی تصوف کا زیادہ اثر نمایاں تھا۔ اس کے ساتھ قرامطہ کا نظریہ حلول بھی ایسے نظریات میں شامل ہو کر ان کی اچھی طرح آبپاری کر رہا تھا۔ منصور سلاج باطن میں قرامطی نظریات کا داعی تھا۔ اس نے اپنی مشہور کتاب طواسین میں صراحت کی ہے کہ ذات نبویہ کا وجود ازل میں بھی موجود تھا۔ اس لیے آپ کو ہم قدیم بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد امام غزالی نے فلسفہ تصوف کو شواہد کے ساتھ مدقون کیا۔ اور سابقہ ایسی تعبیرات کو اپنی کتابوں میں فلسفے کے رنگ میں مستور کر کے درج کر دیا۔ امام غزالی کے زمانے میں ایک مشہور صوفی گزر رہا ہے جس کا نام عین القضاۃ ہمدانی ہے۔ یہ منصور کے نظریے سے اتنا متاثر تھا کہ ذات نبویہ کے قدیم ہونے کی وجہ سے آپ کو عین خدا کہتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن عربی عین القضاۃ ہمدانی کے نظریے کو ایک دوسری تعبیر کے ساتھ عام کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس لیے کہ یہ نظریہ ایسا تھا کہ اس کے بغیر وحدۃ الوجود کی اصل بنیاد حقیقت محمدیہ استوار نہ ہو سکتی تھی عین القضاۃ

ہمدانی کے نظریے پر حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی کچھ گفتگو کی ہے۔ بہتر ہے کہ ہم ان دونوں کی تصریحات آپ کے سامنے پیش کر دیں۔ اس کے بعد ان کے کچھ ثمرات بھی بیان کر دیں۔ مقصود یہ ہے کہ کاظمی صاحب کا یہ نظریہ جو ایک جدید مسیحیت کی ترجمانی کر رہا ہے قارئین اس کے قدیم ماخذ سے بھی روشناس ہو سکیں۔ حضرت مجدد صاحبؒ شیخ حامد نہاری کے جواب میں لکھتے ہیں :-

آپ نے تمہیدات عین القضاۃ کی عبارت کے معنی پوچھے تھے اس میں لکھا ہے :-

”جس کو تم خدا جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جس کو تم حضرت محمدؐ کہتے ہو وہ ہمارے نزدیک خدا ہے۔“

”میرے مخدوم! اس قسم کی عبارتیں جو توحید و اتحاد کی خبر دیتی ہیں شکر کے غلبے میں جو مرتبہ جمع ہے اور جسے کفر طریقت سے تعبیر کرتے ہیں، صوفیہ کرام سے ایسے کلمات بہت صادر ہوتے ہیں اور دوئی کی تمیز ان کی

اے کاظمی صاحب نے لکھا ہے کہ ہمارے اس عقیدے کے ساتھ اکابر علماء دیوبند بھی متفق ہیں۔ اب ان حضرات کا فرض ہے کہ وہ کاظمی صاحب کے اس دعوے کی تردید کریں یا سکوت اختیار کر کے کاظمی صاحب کی جدید مسیحیت کے ساتھ مطابقت کا ثبوت فراہم کر دیں۔

نظر سے دور ہو جاتی ہے اور ممکن وجود کو واجب الوجود کا عین سمجھتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک ممکن بالکل ہوتا ہی نہیں اور واجب کے سوا ان کا مشہود نہیں ہوتا۔ اس صورت میں اس عبارت کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ امتیاز اور دوئی جو تمہارے نزدیک خدا تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پائی جاتی ہے ہمارے نزدیک وہ امتیاز اور مغائرت ثابت نہیں ہے بلکہ وہ ایک ذات جو ایک ہونے سے بھی منزہ ہے دوسرے کا عین ہے۔ جب تمام ممکنات سے دوئی اور مغائرت کی نسبت دور ہو جائے گی تو پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو حق تعالیٰ کے کمالات کا مظہر اتم ہیں، ان کے امتیاز کی نسبت کس طرح ثابت سمجھی جائے گی۔ یہ مرتبہ عین الجمع کے ساتھ ہی مخصوص ہے جب سالک اس مقام سے گزر کر بلندی پر چلا جاتا ہے اور سکر کی افراط سے آنکھ کھول دیتا ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول سمجھتا ہے جیسا کہ انہیں ابتدائیں سمجھتا تھا۔ واضح ہو کہ مبتدیانہ اور منہتی دونوں صورتوں میں مشترک ہیں لیکن منہتی صاحب کمالات ہوتا ہے۔“ (مکتوب ۸۰ ج ۲ ص ۲۵۵)

حضرت مجدد صاحب کی تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ جس مقام پر صوفی آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عین خدا سمجھتے ہیں یہ مقام سکر کے غلبے میں شمار ہوتا ہے جس کا دوسرا نام عین الجمع اور کفر طریقت ہے۔ اس جگہ ممکن اور واجب کے درمیان جو دوئی اور مغائرت پائی جاتی ہے وہ بالکل ختم

ہو جاتی ہے۔ صوفی جب اس سکر یہ مقام سے پرواز کر کے اس سے بلند مقام پہنچتا ہے تو پھر اس پر رسول کی عبدیت غالب ہو جاتی ہے۔ بلند مقام سے مراد یہ ہے کہ وہ انتہاء کے مقامات طے کرتا ہوا پھر ابتداء کی طرف لوٹ آتا ہے یہاں اس بحث کا موقعہ نہیں ہے ورنہ میں عین الجمع اور کفر طریقت کے عواقب کی اچھی طرح تشریح کر دیتا۔ ہاں اتنا کہہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوف ایک ایسا خطرناک مسلک ہے کہ خدا جانے وہ کتنے صوفیہ کو اب تک اس کفر طریقت کی وادی میں دھکیل کر ہلاک کر چکا ہے۔ اس سے تو بہتر تھا کہ وہ مبتدی ہی بنے رہتے تاکہ ایمان کا جو ہر نوس سلامت رہتا۔ اب ہم کاظمی صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ آپ نے مجدد صاحب کا تحقیقی جواب سن لیا ہے کہ جس نظریے کے تحت آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کہنا عین ایمان ہے وہ نظریہ صوفیہ کے نزدیک مقام سکر پر محمول ہے کیا آپ بھی اس نظریے کی اشاعت کر کے مسلمانوں کی اکثریت کو اسی سکر کا نشہ پلانا چاہتے ہیں؟ دوسرے جب کہ صوفیہ بھی اس مقام کو سلوک کے درجے میں خام تصور کرتے ہیں تو شرعاً اس مقام کی کون سی حیثیت باقی رہ جائے گی۔ آپ بے شک ایسی شرکیہ حشیش گھوٹ گھوٹ کر لوگوں کو پلاتے رہیں، لیکن جب نشے کی حالت میں نماز بھی قبول نہیں ہوتی تو خدا کی معرفت کیسے قبول ہو جائے گی۔ اب عین القضاۃ کی عبات پر جو شاہ ولی اللہؒ نے تبصرہ کیا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں۔ شاہ ولی اللہؒ شیخ ابوالرضا سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”عین القضاۃ کی یہ شطح کہ ”جسے تم خدا جانتے ہو میرے نزدیک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جسے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہو وہ میرے نزدیک خدا تعالیٰ ہے“ کے بیان میں فرمایا، چونکہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم واجب الوجود کا آئینہ اور اس کا مظہر اتم ہیں اور حقیقت محمدیہ تعین اول اور جامع تعینات و مظاہر ہے اور تمام کائنات کا ظہور ان کے نور سے ہوا ہے اس اعتبار سے عین القضاۃ ہمدانی نے مذکورہ بات کی ورنہ واجب الوجود تو ہر ذرے میں یکساں جلوہ گر ہے۔ اور وحدت معنی کے باوجود تکرار لفظ تو محض تفسیر عبارت ہے۔“

(انفاس العارفین ص ۲۳۴)

اس میں شاہ ولی اللہ نے دو چیزوں کی نشان دہی ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ عبارت صوفیہ کی شطح پر محمول ہے۔ شطح ایک ایسی چیز ہے جسے نہ صوفیہ سلوک میں حجت سمجھتے ہیں اور نہ شرع میں اس کا کوئی مقام سمجھتے ہیں۔ مجدد صاحب کا قول کہ یہ بات سکر پر محمول ہے شطح کے مفہوم کے مترادف ہے۔ دوسرے شاہ صاحب نے واضح کیا ہے کہ اس کا بنیادی ماخذ حقیقت محمدیہ ہے۔ لیجئے ہم بھی بار بار یہی عرض کر رہے ہیں کہ موجودہ بریلویت یا اس کے ہم نوا جتنے مسلک ہوں، ان سب کا ماخذ حقیقت محمدیہ کا نظریہ ہے۔ ایک نابالغ طالب علم نے اپنے استاد سے پوچھا تھا کہ میں نے ایک کتاب پڑھی ہے اس میں عورت کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ استاد جی! عورت میں وہ کون سی خاصیت ہے کہ بڑے بڑے سکالر اس کی تعریف پر مجبور نظر آتے ہیں۔

استاد نے فرمایا اس کا جواب تقریر سے سمجھ میں نہیں آتا، جب تم بالغ ہو جاؤ گے تو تمہیں یہ خاصیت خود بخود معلوم ہو جائے گی۔ اس مثال کے مطابق علماء کرام سے بھی یہی گزارش ہے کہ آپ شرک کی تردید میں ہزاروں تقریریں کریں یا کتابوں کے ذریعے اس کی قباحت کا انکشاف کرتے رہیں۔ لیکن جب تک آپ حقیقت محمدیہ کے فلسفے پر بالغ نظری سے کام نہ لیں گے، عصر حاضر کا شرک اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا۔ آپ لوگ جس شرک کی تردید کر رہے ہیں ہم اسے ظلی شرک اور ظلی الحاد کا نام دیتے ہیں۔ کسی چیز کے سائے کو آپ روزانہ ہزاروں مرتبہ کاٹتے اور پیٹتے رہیں سایہ ویسے کا ویسے رہے گا۔ آپ جب اُس وجود کو جس سے کہ یہ سایہ ظاہر ہو رہا ہے ختم کر دیں گے تو سائے کا وجود خود بخود ہی ختم ہو جائے گا اور اللہ کا نام باقی رہ جائے گا۔ اب ہم آخر میں کاظمی صاحب کا وہ مکتوب نقل کرتے ہیں جو انہوں نے محمد یار گڑھی والے کے شعر کی تصدیق میں لکھا ہے :-

درج ذیل شعر کی حقانیت پر مدلل جواب

از علامہ سید سعید احمد کاظمی

مولوی محمد یار گڑھی والے ایک مشہور وجودی عالم تھے جو خواجہ غلام فرید

کے خاص خلیفہ تھے۔ ان کے دیوان میں ایک شعر تھا :-

گر محمد نے محمد کو خدا مان لیا

پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہے دغا باز نہیں

شعر کے پہلے محمد سے مراد مولوی محمد یار ہے۔ اس شعر کے ظاہری مفہوم سے صاف ظاہر ہے کہ ذات نبویہ کو خدا مان لینا عین اسلام ہے۔ ورنہ اسلام کے ساتھ دغا بازی ہے۔

اس شعر کو لکھ کر کسی صاحب نے علامہ کاظمی سے سوال کیا ہے کہ ایسا شعر کہنے والے اور ماننے والے کا عقیدہ صحیح ہے یا غلط بعض یوں بڑی علم ایسے عقیدے والے کو کافر کہتے ہیں۔ کیا ایسا شعر کہنے سے واقعی وہ آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ علامہ کاظمی صاحب نے اس کے جواب میں ایک علمی تحریر لکھی ہے۔ ہم اس تحریر کو حرف بحرف نقل کر رہے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ حقیقت محمدیہ اور وحدۃ الوجود کے ذریعے یہ لوگ کیسا اسلام پھیلانا چاہتے ہیں ۵

گر محمدؐ کو خدا مان لیا
پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہے دغا باز نہیں

سلام مسنون۔ دعا۔

حضرت قبلہ مولانا محمد یار صاحب کا وہ شعر جو تم نے لکھا ہے اور اسی جیسی دوسری عبارات (جو مسلم بن الفریقین علماء کی کتابوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں) مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تعینات سے قطع نظر کہ موجد حقیقی یعنی ماہ الموجد و تیت حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا

کچھ نہیں۔ ہر شے کا یہی حال ہے کہ تعینات کا انتفا ہو جائے تو حقیقت حقہ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اس میں نبی غیر نبی حتیٰ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خصوصیت نہیں۔ لیکن عامہ خلایق مظاہر ناقصہ ہیں اور اولیاء کرام اپنے مراتب کے لحاظ سے کامل مظہر ہیں، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان سے زیادہ مظاہر کمال، اور جمیع کائنات سے اکمل و افضل مظہریت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے حاصل و ثابت ہے۔ اس لیے کہ کمال امور اضافیہ عینی سے ہے دیکھیے مولانا محمد یار صاحب کے شعر کا مضمون حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کے کلام میں ہے۔ فتوحات مکیہ جلد ثانی ص ۱۲، انت تحسب محمد العظیم الشان کما تحسب السراب ماءً وهو ماءٌ فی رأى العین فاذا بحثت محمدًا لم تجد محمدًا وجدت انما فی صورة محمد یت و رأیت ما برؤیت محمد یت۔ (یعنی تم محمد عظیم الشان صلی اللہ علیہ وسلم کو محمد گمان کرتے ہو جیسے کہ تم سراب کو دور سے دیکھ کر پانی سمجھتے ہو اور وہ ظاہری نظر میں پانی ہی ہے، مگر حقیقتاً اب نہیں ہے بلکہ سراب ہے اسی طرح جب تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آؤ گے تو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پاؤ گے بلکہ صورت محمدیہ اللہ تعالیٰ کو پاؤ گے اور رویت محمدیہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے) اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اسی قسم کا مضمون موجود ہے۔ انتباہ کے ص ۹۲ پر فرماتے ہیں، صورت مرشد کہ

نظامِ اویہ می شود مشاہدہ حق سبحانہ و تعالیٰ است در پردہ آب و گل و
 صورتِ مرشد کہ در خلوت نموداری شود آن مشاہدہ حق تعالیٰ است
 بے پردہ آب و گل۔ غور کیجیے صورتِ مرشد کے دیکھنے کو حق تعالیٰ کا
 مشاہدہ فرما رہے ہیں اور آب و گل یعنی جسمانیات اور بشریت کو محض
 ایک پردہ قرار دے رہے ہیں۔ آج کے دیوبندی وحدۃ الوجود کے بھی منکر
 ہیں۔ حالانکہ جن حضرات کو یہ اپنے مشائخ قرار دیتے ہیں وہ اس مسئلہ پر
 بڑے متشدد اور عریض رہے ہیں۔ دیکھیے انور شاہ صاحب کشمیری اپنی
 کتاب فیض الباری جلد رابع ص ۲۲۸ حدیث شریف فکنت سمعہ الذی
 یسمع بہ کے تحت دیوبندیوں کے بیان کردہ معنی کا رد کرتے ہوئے کہتے
 ہیں قلت وهذا عدول عن حق الالفاظ لان قوله کنت سمعہ
 الذی بصیغۃ المتکلم بدل علی اللہ لم یبق من المتقرب
 بالنوافل الا بحسبہ وشبہہ وصار المتصرف فیہ الحضرة
 الالهیۃ فحسب وهذا الذی عتاه الصوفیۃ بالفناء فی اللہ
 تعالیٰ ای الانسلاخ عن دواعی نفسہ حتی لا یكون المتصرف
 فیہ الا هو و فی الحدیث لمعة الی وحدۃ الوجود وکان مشائخنا
 مولعون بتلك المسئلة الی زمن الشاہ عبد العزیز اقامانا
 فلست بمتشدد فیہا انتہی یعنی کنت سمعہ الذی کے یہ معنی
 بیان کرنا کہ بندہ کے کان آنکھ وغیرہ اعضاء حکم الہی کی نافرمانی نہیں کرتے
 حق الفاظ سے عدل کرنا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے قول کنت سمعہ الذی

میں کُنْتُ صیغہ مشکلم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ متقرب بالنوافل یعنی بندہ میں سوائے جسد و صورت کے کوئی چیز باقی ہی نہیں رہی اور اُس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی متصرف ہے اور یہی وہ معنی ہیں جن کو حضرات صوفیائے کرام فنا فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی بندہ کا دوائی نفس سے بالکل پاک ہو جانا یہاں تک کہ اُس بندہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شے قطعاً متصرف نہ رہے۔ اور حدیث مذکور (کُنْتُ سمعہ) میں وحدۃ الوجود کی طرف چمکتا ہوا اشارہ ہے۔ ہمارے مشائخ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے زمانہ تک اس مسئلہ وحدۃ الوجود میں بڑے متشدد اور حریص تھے لیکن میں اس کا قائل تو ہوں لیکن متشدد نہیں ہوں۔ اس عبارت سے مسئلہ وحدۃ الوجود کا اکابر و مشائخ دیوبند کے نزدیک حق ہونا اظہر من الشمس ہے۔ اب شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ انتباہ ص ۱۰ پر لا الہ الا اللہ کے تحت فرماتے ہیں، نیست ہیچ معبودے و مقصودے و موجودے مگر حق تعالیٰ مبتدی را ارادہ عوام بگوید نیست ہیچ معبودے، و متوسط را ارادہ خواص بگوید نیست ہیچ مقصودے، و منتہی را ارادہ انحصار خواص بگوید نیست ہیچ موجودے۔ اسی طرح انفاس رحیمیہ میں شاہ ولی اللہ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں، کفر شریعت و معبود پنداشتن است۔ اسی طرح ص ۳۳ پر عبارت ہے۔ مولانا محمد یار صاحب پر کفر کا فتویٰ لگانے والے آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے والد ماجد دو موجود حقیقی جاننے کو کفر حقیقی فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد دیوبندیوں کے

مسلم بزرگ انور شاہ صاحب کشمیری کی عبارت سے محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کی توثیق مہیے فیض الباری جلد اول ص ۴۱ پر لکھتے ہیں، اما اهل العلم منهم فاکثرها تتعلق بجل مسائل الصفات وغيرها ونعت الکشف ہی۔ یعنی حضرات صوفیائے کرام میں سے جو لوگ اہل علم ہیں ان میں سے اکثر حضرات امور الہیہ میں مسائل ذات صفات سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے شاہ ولی اللہ صاحب اور شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ کی توثیق ہمارے جلیل القدر فقہائے کرام نے بھی فرمائی ہے۔ دیکھیے درمختار جلد دوم ص ۳ مطبوعہ نو لکچور لاہور میں ہے شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں اندکان رضی اللہ عنہ شیخ الطريقة حالاً وعلماً و امام الحقیقة حقیقتاً و اسماً و محی رسوم المعارف فعلاً و اسماً۔ الحاصل مولانا محمد یار صاحب کے اشعار کا مبنی مسئلہ وحدۃ الوجود ہے۔ اگر وحدۃ الوجود کو شرکیہ عقیدہ کہا جائے تو تمام مشائخ دیوبند کافر و مشرک قرار پائیں گے کیونکہ وہ سب وحدۃ الوجود پر متشدد ہیں۔ جیسا کہ انور شاہ کشمیری کی عبارت منقولہ بالا سے ثابت ہے۔ پھر ان اشعار کی بنا پر اگر مولانا محمد یار صاحب کی تکفیر کی جائے، تو حضرت شیخ اکبر اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ کی عبارات منقولہ بھی بالکل مولانا صاحب موصوف کی عبارت جیسی ہیں۔ لہذا ان دونوں کی تکفیر بھی لازم آتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا مخالفین کے نزدیک مسلم بزرگ ہونا اس قدر واضح ہے کہ اس کے لیے کسی

ثبوت کی ضرورت نہیں۔ اور شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق (نور شاہ صاحب کشمیری) اور صاحب در مختار کی عبارتوں سے ظاہر ہے۔ لہذا شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کی تکفیر (نور شاہ صاحب اور صاحب در مختار کی تکفیر کو مستلزم ہوگی، کیونکہ کافر کی تکفیر فرض ہے اور اس کی توثیق حرام بلکہ کفر ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ مولانا محمد یار صاحب کا دامن اس مسئلہ میں ایسے اکابر امت کے ساتھ وابستہ ہے کہ جن کے سامنے تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب، تمت بالخیبر!

(منقول از مقدمہ دیوان محمدی ص ۲)

نظریہ تخلیق پر قدم بصیرت گمراہی کا بنیادی سبب ہے

آپ شرک اور دہریت کے بنیادی علل پر جب غور کریں گے تو آپ کے سامنے جو بنیادی سبب آئے گا وہ نظریہ تخلیق ہے۔ شرک کا بنیادی سبب یہ ہے کہ تخلیق کائنات کے بعد خدا اور کائنات کے درمیان ربط کی کون سی نوعیت ہے۔ وحدۃ الوجود کا الحاد اسی نظریے سے اختراع کیا گیا ہے۔ اور دہریت کی بنیاد یہ ہے کہ مذہب کائنات کا خالق تو ثابت کرتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس خالق کو پہلے کس نے پیدا کیا تھا۔ جان اسٹورٹ مل نے اپنی آٹوبیوگرافی میں لکھا ہے :-

”میرے باپ نے مجھے یہ سبق دیا کہ یہ سوال کہ کس نے مجھے پیدا کیا *who made me* خدا کے اثبات کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد فوراً دوسرا سوال پیدا ہوتا کہ خدا کو کس نے پیدا کیا *who made god* چنانچہ برٹریٹڈ رسل نے اسی اعتراض کو تسلیم کرتے ہوئے کائنات کے محرک اول کا رد کر دیا ہے۔“

(The age Analysis. p. 21)

یہ منکرین خدا کا بہت پرانا استدلال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا اگر کوئی خالق مان لیں تو اس خالق کو لازمی طور پر ازلی ماننا پڑے گا پھر جب

کیوں نہ کائنات ہی کو ازلی مان لیا جائے اگرچہ یہ بالکل بے معنی بات ہے کیونکہ کائنات کی کوئی ایسی صفت ہمارے علم میں نہیں آئی ہے جس کی بنا پر اس کو خود اپنا خالق فرض کیا جاسکے تاہم انیسویں صدی تک منکرین کی اس دلیل میں ایک ظاہر فریب حسن ضرور موجود تھا۔ مگر اب حرکیات حرارت کے دوسرے قانون کے انکشاف کے بعد یہ دلیل بالکل بے بنیاد ثابت ہو چکی ہے۔ ایک امریکی سکالر ایڈورڈ لوٹھر لکھتا ہے :-

”اس طرح غیر ارادی طور پر سائنس کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کائنات اپنا ایک آغاز رکھتی ہے۔ اور ایسا کرتے ہوئے اس نے خدا کی صداقت کو ثابت کر دیا ہے کیونکہ جو چیز اپنا ایک آغاز رکھتی ہو وہ اپنے آپ سے شروع نہیں ہو سکتی یقیناً وہ محرک اول ایک خالق ایک خدا کی محتاج ہے۔“ (علم جدید کا چیلنج ص ۷۷)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعے ایسے اہم فتنے سے امت کو پہلے آگاہ کر دیا ہے۔ لیکن اہل علم نے ایسی احادیث کی بنیادی تفہیم پر کم غور کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

”تم میں سے کسی کے پاس شیطان آکر یہ کہتا ہے مثلاً یہ آسمان کس نے پیدا کیا اور یہ زمین کس نے پیدا کی یہاں تک کہ وہ کہتا ہے کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا پس جب تمہارے دلوں میں اس قسم کے دوسو سے پیدا ہوں تو خدا سے پناہ مانگو اور اس خیال کو دل سے دور کر دو۔“ (بخاری و مسلم)

شیطان سے مراد جتنی اور انسی دونوں ہو سکتے ہیں۔ انسی شیاطین سے دہریت کے داعی مراد ہیں۔ اور جتنی سے وہ شیطان مراد ہے جو ایسے وسوسے ڈال کر توحید کے بارے میں انسان کو منذبذب کر دیتا ہے۔ محدث ابن قیم لکھتے ہیں امام مزنی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ایک دفعہ شیاطین کی جماعت نے اپنے سردار ابلیس سے پوچھا

مالنا نراک تفرج بموت ہم آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ جیسے ایک
العالم مالا تفرج بموت صحیح عالم کی موت سے خوش ہوتے ہیں
العابد ایسے کسی عابد صوفی کی موت سے خوش
نہیں ہوتے۔

ابلیس نے جواب دیا آپ پہلے کسی صوفی عابد سے یہ سوال کریں کیا خدا اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ اپنا ہم مثل پیدا کر سکے۔ پھر ہی سوال کسی صحیح عالم سے کریں۔ چند شیاطین نے آدمیوں کی شکل میں متشکل ہو کر پہلے ایک عابد سے سوال کیا۔ اس نے جواب دیا۔

لا ادری۔ فقال اترونہ۔ میں اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔
لم تنفعنا عبادتہ مع ابلیس نے کہا تم نے دیکھ لیا ہے کہ اس کی
جہلہ اس جہالت نے اس کی ساری عبادت کو
بر باد کر دیا ہے۔

پھر وہ شیاطین ایک محقق عالم کے پاس گئے اور اس سے بھی یہی سوال کیا۔
عالم نے جواب دیا :-

”یہ سوال محال ہے۔ اس واسطے کہ جب وہ اپنی مثل بنائے گا تو وہ مخلوق ہوگا۔ پس جب وہ تخلیق کے لحاظ سے مخلوق ہوگا تو کوئی مخلوق خدا کی مثل نہیں بن سکتی۔“

اس کے بعد ابلیس نے کہا :-

انرون هذا يهدم في آپ نے دیکھ لیا ہے جس نظر سے کوہیں
ساعتنا ما ابغينا في برسوں پھیلاتا رہتا ہوں ایسے عالم سے
سنين . ایک منٹ میں برباد کر دیتے ہیں۔

(مفتاح دار السعادة ص ۳ ج ۱)

محدث ابن حجر عسقلانی شرح بخاری میں لکھتے ہیں :-

”ہارون رشید کے زمانے میں ہندستان کے ایک بادشاہ نے آپ کو خط لکھا تھا کیا خدا اس پر قادر ہے کہ وہ اپنا ہم مثل پیدا کر سکے۔ ہارون رشید نے علماء کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا۔ ان میں سے ایک جوان عالم نے جواب دیا کہ یہ سوال محال ہے اس واسطے کہ مخلوق نوپید ہے اور نوپیدا شدہ قدیم کا ہم مثل نہیں بن سکتا۔ پس یہ سوال ایسے محال ہے جیسے کوئی سوال کرے کیا خدا اس بات پر قادر ہے کہ اپنے آپ کو عاجز اور کمزور بنا دے۔“ (فتح الباری۔ ص ۶۶۱ ج ۲۹)

ابلیس کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خدا کی معرفت صرف تصوف اور عبادت سے حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اس کے ساتھ قرآن و حدیث کا صحیح

علم شامل نہ ہو۔ دوسرے صحیحین کی حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم محقق وہ ہے جو کائنات کے نظریہ تخلیق پر صحیح درک رکھتا ہو اگر وہ ایسے نظریات سے جاہل ہو گا تو اس کی وجہ سے کتنے لوگ الحاد اور شرک کی وادی میں ہلاک ہو جائیں گے۔ اس دور میں ملت اسلامیہ کی اکثریت جس نظریے میں گرفتار ہے وہ نظریہ حقیقت محمدیہ ہے۔ اس نظریے کا بنیادی مقصد تخلیق کائنات کی علت اول پر موقوف ہے۔ جس سے ہر قسم کے شرک اور الحاد کا آسانی کے ساتھ صدور ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق کا مقصد اس کی علت اول سے ظاہر ہوتا ہے مگر کس جو نظریہ سوشلزم کا بانی ہے اس نے ثابت کیا ہے کہ کائنات کی علت اول مادہ ہے اس لیے انسان کی جبلت بھی مادی ہے۔ اسے صرف دنیا میں روٹی کپڑا اور مکان کی راحت درکار ہے۔ جس طرح کہ ایک حیوان کو اپنے زندہ رہنے کے لیے خوراک کی ضرورت پڑتی ہے مذہب جو اس مادی دنیا کے علاوہ مابعد الطبیعیات کا نظریہ پیش کرتا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مارکس نے جب مسیحی نظریات کا غور سے مطالعہ کیا تو اس میں اسے خدا کا صحیح تصور حاصل نہ ہو سکا اور ہر ایشیا کے مسلمانوں میں شرکیہ نظریات غالب تھے۔ عیسائیت کی تثلیث ایک ایسا نظریہ ہے کہ نہ اس میں خدا کی صحیح وحدانیت کی ترجمانی ہو سکتی ہے اور نہ اس کے ذریعے نبوت کا صحیح مفہوم حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ مخلوق ہونے کے باوجود

جب الوہیت کے مقام پر فائز ہیں تو خدا جو حقیقی الوہیت کے مقام پر فائز ہے پھر اسے کتنے گھٹیا درجے کی الوہیت میں داخل کرنا پڑے گا۔ ناقص کا تقابل کامل کے ساتھ اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ کامل کو ناقص کے درجے کے برابر نہ سمجھا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک خدا کی صحیح معرفت حاصل نہ ہوگی اسانیت کا وجود ہر وقت بڑے بڑے خطرات سے ٹکراتا رہے گا۔

توحید رسالت کے مفہوم میں اعراض و جوابہر کا استعمال

جس طرح ہر نبی اپنے مشن کا آغاز توحید سے کرتا ہے اسی طرح یہ بھی اس کے ذمہ ہوتا ہے کہ توحید کا صحیح مفہوم بھی اپنی امت پر اچھی طرح واضح کر دے۔ توحید کی اس وضاحت کے بعد اب جس قسم کی اصطلاحیں وضع کی جائیں گی وہ سب کی سب شرک کی وادی میں داخل ہو جائیں گی

سئل مالک عن الکلام	امام مالک سے توحید کے بارے میں
فی التوحید قال مالک	پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا یہ بات رسول
محال ان یظن بالنبی صلی	کی ذات پر محال ہے کہ وہ اپنی امت کو
اللہ علیہ السلام	استنجا کرنے کا طریقہ تو سمجھائے، لیکن
انہ علم امت الاستنجا	توحید کی وضاحت نہ کرے۔ توحید کے
ولم یعلمہم التوحید	بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فالتوحيد ما قاله النبي صلى الله عليه وسلم
 امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا
 لا اله الا الله فاذا قالوها عصموا مني
 دماءهم واموالهم الا بحقها وحسابهم
 على الله).

فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جب تک لا الہ
 الا اللہ کا اقرار نہ کریں مجھے حکم ہے کہ
 میں ان کے ساتھ برابر جنگ کرتا رہوں
 جب یہ لوگ توحید کا اچھی طرح اقرار
 کر لیں گے پھر ان کا مال اور خون
 میری تلوار سے محفوظ ہے ہاں مگر
 ان کے حقوق مستثنیٰ ہیں اور ان کا
 حساب اللہ کے ذمہ ہے یعنی جس
 وجہ سے لوگوں کے اموال اور ان کا

خون محفوظ رہتا ہے، وہ صرف

(کتاب التوحید السنۃ

توحید ہے۔

ص ۳۰۹)

اس سے معلوم ہوا کہ استنجا کرنا جو دین میں ایک چھوٹا سا عمل ہے نبی
 جب اس کی بھی پوری وضاحت کر دیتا ہے تو پھر توحید جس پر سارے
 دین کی بنیاد ہے بھلا اس کی توضیح میں وہ کون سی کمی پھوڑے گا۔ عجیب تو ہیں
 جب منافقانہ روش کے تحت اسلام میں داخل ہوئیں تو انہوں نے اسلام
 میں ایسی فلسفیانہ اصطلاحیں داخل کر دیں جن سے اسلام کے بنیادی
 اصول بھی مخرج ہو کر رہ گئے۔ جیسے فلسفہ یونان میں جوہر و اعراض کی مشہور
 اصطلاحیں موجود تھیں۔ جب ایسی اصطلاحوں کو توحید رسالت کے
 مفہوم میں داخل کر دیا گیا تو توحید اور رسالت کا جو صحیح مفہوم تھا اس میں

الحاد کے جراثیم داخل ہو گئے۔ مثلاً اس دور میں ذات نبویہ کی افضلیت محضہ کو نظریہ اصالت پر موقوف رکھا گیا ہے اور آپ کی نبوت کو بالذات (جوہر) اور دوسرے نبیوں کی نبوت کو اعراض کی اصطلاح میں استعمال کیا گیا ہے۔ عصر حاضر میں ان دونوں اصطلاحوں کے نتیجے میں مقام نبوت کی تفہیم پر جو ثمرات مرتب ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:-

(۱) ہر جوہر کو اپنے اعراض پر جس طرح تقدم ذاتی حاصل ہوتا ہے اسی طرح اُسے اپنے اعراض پر تقدم زمانی بھی حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اپنے عقائد میں ذات نبویہ کو مصدر کائنات کہتے ہیں۔

(۲) مصدر سے جس قدر فروعات استخراج ہو سکتے ہیں ہر فرع کی نوعیت اگرچہ جدا جدا ہوتی ہے لیکن اس کی اصالت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس نظریے کا بنیادی ماخذ وحدة الوجود تھا۔ اس لیے اس نظریے کے حاملین کے نزدیک اسلام اور کفر کے درمیان اعتباری فرق رہ جاتا ہے ان کے درمیان حقیقی فرق نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:-

۱۔ بریلوی اور دیوبندی اکابر نے اپنے عقائد میں ذات نبویہ کی افضلیت محضہ کا جو معیار مقرر کیا ہے اس کا نام نظریہ اصالت ہے۔ اس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔ جس میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ یہ نظریہ اصالت قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہے اگر اس کا سد باب نہ کیا گیا تو ملت اسلامیہ کی اکثریت جدید سچیت میں گرفتار ہو جائے گی۔

”مثال کے طور پر داراشکوہ نے وحدۃ الوجود کے لیے توحید کا لفظ استعمال کیا۔ اس نے اُن لوگوں کو بہت بُرا بھلا کہا جو وحدۃ الوجود سے انکار کرتے تھے۔ اس کے بغیظ و غضب کا سبب یہ تھا کہ ویدانت اور صوفیت کے درمیان قدر مشترک صرف وحدۃ الوجود تھی۔ اگر صوفیت سے وحدۃ الوجود کو نکال دیا جائے تو ویدانت سے مماثلت ختم ہو جاتی ہے۔“

(عظیم کی ملت اسلامیہ ص ۲۱)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی شرح اسرار خودی میں لکھتے ہیں :-
 ”دوسرے یہ کہ ہندوستان میں خود ہندی (غیر اسلامی) تصوف پوری شدت کے ساتھ مروج تھا ہر شہر میں ہندو ویدانتی علماء اس کی تبلیغ میں سرگرم تھے چونکہ اسلامی اور ہندی تصوف (وحدۃ الوجود) میں طبعی مشابہت اور جزوی مماثلت پائی جاتی ہے اس لیے رفتہ رفتہ مسلمان (عامۃ المسلمین) غیر اسلامی تصوف کے پرستار بن گئے اس پر مستزاد یہ ہوا کہ بعض مسلمان صوفی اپنی کوتاہ بینی اور کم علمی کی وجہ سے اسلامی اور غیر اسلامی تصوف میں امتیاز ہی نہ کر سکے اور اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہندو فلسفہ کے بہت سے عناصر اسلامی تصوف کا جزو لاینفک بن گئے۔ شاہجہاں کے زمانے میں داراشکوہ کی زندگی اور اس کی علمی سرگرمی بڑی حد تک میرے اس دعوے پر شہادت دے سکتی ہے کہ اس کی گمراہی کا باعث

صرف یہ ہوا کہ اس نے بعض امور میں جزوی مشابہت دیکھ کر
عاجلانہ طریق پر یہ حکم لگا دیا کہ اپنشد اور قرآن دونوں کا منبع ایک
ہی ہے اس لیے ہندو دھرم اور اسلام ایک ہی درخت کے
برگ و بار ہیں۔ میری رائے میں چونکہ اس نے قرآن مجید کا مطالعہ
غیر اسلامی تصوف کی بینک لگا کر کیا تھا اس لیے اُسے کتاب
مقدس کے ہر صفحے پر اپنشدوں کی تعلیم کا پیر تو نظر آتا تھا۔“

(شرح اسرار خودی ص ۱۲۱)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جب وجودی صوفیہ کے نزدیک ویرانت
اور صوفیت کے درمیان قدر مشترک ہے اور اپنشد اور قرآن کا منبع
ایک ہے تو کفر اور اسلام کے درمیان جو حقیقی فرق حائل تھا وہ خود بخود
مرتفع ہو گیا۔ اور ان میں صرف اعتباری فرق کا خام شخص باقی رہ گیا۔ اعتباری
فرق کا مفہوم یہ ہے کہ مصدر سے جس قدر انواع کا استخراج ہوتا ہے اس کی ہر
فرع کی نوعیت دوسری فرع کی نوعیت سے تو مختلف ہوتی ہے لیکن دونوں
کی اصلیت ایک ہوتی ہے۔ جیسے ایک باپ کے دو بیٹے ہوتے ہیں کہ
ہر بیٹے کا نام تو علیحدہ ہوتا ہے لیکن دونوں کی ذات ایک ہوتی اور میراث
میں بھی دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

(۳) نبوت بالذات کا اطلاق ذات نبویہ کے جسد عنصری پر نہیں ہو
سکتا، ورنہ آپ کے عنصری ظہور سے قبل سارے انبیاء آپ کے اعراض
میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ اس لیے لازماً اس کا اطلاق آپ کے اُس

مرتبے پر کیا جائے گا جس کا ظہور تخلیق کائنات سے پہلے ہو چکا ہو۔ ابن عربی کے نزدیک اس مرتبے کا نام حقیقت محمدیہ ہے جسے وجودیہ علم عقل اول، علت اولیٰ، مقصود کائنات، مصدر کائنات، باعث تخلیق کائنات اور روح الاکوان کی اصطلاحوں میں استعمال کرتے ہیں۔ مفہوم کے لحاظ سے ان سب اصطلاحوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ صرف اس نظریے کی توضیح کے لیے اسے مختلف ناموں کا عنوان دیا گیا ہے۔ ان عنوانوں میں سے علت اولیٰ اور عقل اول کے مفہوم کی ذرا وضاحت کی جاتی ہے۔

علت اولیٰ یعنی اسے پہلی علت اس لیے کہتے ہیں کہ کائنات کا ہر معلول اسی علت اولیٰ کی وجہ سے موجود ہے اگر علت اولیٰ نہ ہوتی تو کائنات کی کسی چیز کا بھی ظہور نہ ہو سکتا تھا۔ لولاک لما خلقت الافلاک کی جھوٹی حدیث کا یہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔ فلاسفہ یونان کی اصطلاح میں اس علت اولیٰ کو عقل اول کہتے ہیں۔ اور ابن عربی کی اصطلاح میں اس کا نام حقیقت محمدیہ ہے عقل اول کا جو مفہوم فلاسفہ بیان کرتے ہیں وجودیہ مشائخ کے نزدیک حقیقت محمدیہ کا بھی وہی مفہوم ہے۔ امام شعرانی ابن عربی سے نقل کرتے ہیں :-

”فلاسفہ یونان کے نزدیک جو عقل اول کا مفہوم ہے حقیقت

محمدیہ کا مفہوم بھی وہی ہے“ (البواقیت والجواب ص ۲۲ ج ۱)

شیخ تاجی کی شرح فصوص کے مقدمے میں لکھا ہے :-

”فلاسفہ کے نزدیک جو عقل اول کا مفہوم ہے سچیت کے

نزدیک کلمۃ اللہ اور ابن عربی کے نزدیک حقیقتِ محمدیہ کا بھی وہی مفہوم ہے۔ (مقدمہ فصوص الحکم ص ۲۵)

فلاسفہ یونان کے نزدیک عقل اول کا کیا مفہوم ہے امام ابن تیمیہؒ سورۃ اخلاص کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

دهو لا يدعون ان
العقول قد عتازلية
وان العقل الفعال هو
رب كل ما تحت
هذا الفلك والعقل
الاول هو رب السموات
والارض وما بينهما
والملائكة الذين
دخلوا معهم من اتباع
عبيد كاصحاب رسائل
اخوان الصفاء وغيرهم
وكل احدى المتصوفة
كمثل ابن عربي وابن
سبعين وغيرهما
يحتجون كمثل ذلك

یہ لوگ ثابت کرتے ہیں کہ عقول عشرہ
قدیم اور ازلی ہیں اور افلاک کے نیچے
جو کچھ موجود ہے عقل فعال ان پر بمنزلہ
رب کے تصرف کرتی ہے۔ زمین و
آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان موجود
ہے عقل اول بحیثیت رب ہونے کے
ان کی ربوبیت کر رہی ہے۔ بنی عبید
کے اتباع جنہوں نے اخوان الصفاء
کے رسائل مدوّن کیے تھے اور دوسرے
ملحدین یہ سب لوگ اسی نظر سے کے
داعی تھے۔ اسی طرح متصوفہ ملحدین
جیسے ابن عربی اور ابن سبعین وغیرہ
ہیں یہ لوگ بھی موضوع حدیث اول ما
خلق اللہ العقل سے عقل اول کی وہی تعبیر
کرتے ہیں جس طرح فلاسفہ یونان عقل اول کی

بالحدیث الموضوع اول تعبیر کرتے ہیں۔

ماخلق الله العقل۔

(کتاب التوحید السنہ ۴۱۱)

عقل کا مفہوم جو قرآن و حدیث میں بیان کیا گیا ہے وہ دوسرا ہے
انام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

ان العقل في الكتاب
والسنة و كلام
الصحابه والائمة
لا يراد به جوهر قائم
بنفسه باتفاق المسلمين
وانما يراد به العقل
الذي في الانسان۔
وهذا العقل في الاصل
مصدر عقل يعقل
عقلا كما يجيء
في القرآن وتلك
الامثال نضر بها
للناس وما يعقلها
الا العالمون۔

جس عقل کا ذکر کتاب و سنت اور
صحابہ کرام اور ائمہ کے کلام میں پایا
جاتا ہے، اس عقل سے مراد بالاتفاق
فلاسفہ کا وہ جوہر نہیں جو اپنے آپ
قائم ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے وہ عقل مراد
ہے جو انسان کے ذہن میں موجود
ہوتی ہے۔ عقل اصل میں عربی لغت
میں مصدر ہے جیسے عَقَلَ مصدر
ہے۔ عَقَلَ ماضی اور يَعْقِلُ اس کا
مضارع ہے۔ جیسا کہ اس آیت عقل کو
مضارع کے مفہوم میں استعمال کیا گیا
ہے۔ یہ قرآن کے امثال ہیں۔ ہم انہیں
لوگوں کے لیے بار بار ذکر کرتے ہیں
ان امثال کو اچھی طرح وہ لوگ سمجھیں گے

کتاب التوحید السنۃ ۱۴۵ جو عالم ہوں گے۔

ان عبارتوں سے چند چیزیں مترشح ہوئیں :-

۱۔ فلاسفہ یونان کے نزدیک عقول عشرہ قدیم اور ازلی ہیں۔
ان کے نزدیک عقل اول کا مفہوم رب کے مترادف ہے جو ساری کائنات کا
انتظام سنبھالے ہوئے ہے۔

۲۔ عبیدہ۔ فاطمیہ کے عہد میں جن محدثین نے ان کی خاطر انھوں ان
الصفار کے رسائل مدون کیے تھے۔ عقل اول کی اس تعبیر کو بعض شواہد
کے ساتھ درج کر کے باطنیت کا ایک نیا فلسفہ اختراع کر لیا تھا۔ پھر اس
نظریے کو ابن عربی اور ابن سبعین نے عبیدہ کے اتباع سے اخذ کیا اور
عقل اول کی تعبیر کو حقیقت محمدیہ کے فلسفے میں تبدیل کر کے اول مخلق
اللہ العقل کی موضوع حدیث کو اس کی بنیاد بنا دیا۔ پھر اپنی کتابوں میں
ثابت کیا کہ عقل اول کا جو مفہوم فلاسفہ کے نزدیک ہے ہمارے نزدیک
حقیقت محمدیہ کا بھی وہی مفہوم ہے۔

اب ہم حقیقت محمدیہ کا مفہوم بیان کرتے ہیں اور آپ انصاف
کے ساتھ تقابل کر کے دیکھیں کہ کیا اس کا مفہوم وہی نہیں ہے جو فلاسفہ
یونان کے نزدیک عقل اول کا مفہوم ہے جس کا ظاہری مفہوم عین رب کے
مترادف ہے۔

علامہ جامی نقد النصوص میں لکھتے ہیں :-

ان حقیقتہ المحمدیۃ حقیقت محمدیہ اسم الہی کی وہ جامع

فی صورة الاسم الجامع
 الالهی ہی ترب صمد
 العالم کاها بالرب
 الظاهر فیها لابد من
 الاتصاف بالصفات
 الالهیة کلها من
 العلم الشامل و
 القداسة یتصرف فی
 اعیان العالم علی
 حسب استعدادتها
 ولکن انما هو جهة
 حقیقتها (حقیقة محمدیة)
 لا من بشریتها۔
 (ابرار المکنون ص ۱۱)

صورت سے جو تمام کائنات کی چیزوں کو
 رب کی صورت میں ظاہر ہو کر پال رہی
 ہے۔ حقیقت محمدیہ کی ربوبیت
 اُس وقت تک متصور نہیں ہو سکتی
 جب تک وہ علم اور قدرت جیسی تمام
 صفات الہیہ سے پوری طرح متصف
 نہ ہوتا کہ اپنی ان الوہی صفات کے
 ذریعے کائنات کی ہر چیز کی ضرورت کو
 اُس کی حسب استعداد پورا کر سکے۔
 کائنات کی ربوبیت کا یہ کمال ذات
 نبویہ کو حقیقت محمدیہ کی ہمت
 سے حاصل ہے۔ لیکن جنت بشری
 کی وجہ سے آپ کو یہ کمال حاصل نہیں
 ہو سکتا۔

علامہ داؤد القیصری فصوص الحکم کے مقدمے میں لکھتے ہیں :-
 وهذه الحقیقة مشتملة
 علی جہتین الالهیة
 والعبودیة لا یصل لہا
 ذلک اصالة بل تبعة
 ذات نبویہ کی حقیقت الہیت اور
 عبودیت دو جہت پر مشتمل ہے۔ الہیت
 کی جہت سے جو آپ کو کوینی تصرف
 حاصل ہے یہ تصرف آپ کو بالاصالت

وہی الخلافۃ فلہا
الاحیاء والاماتۃ
وجمع الصفات الالہیۃ
لتتصرف فی العالم و
فی نفسہا وبشریتہا
ایضالا فلہا منہ۔

حاصل نہیں ہے بلکہ بالتبعیت حاصل ہے
اور اسے خلافت الہی کہتے ہیں۔ اس
واسطے آپ کی حقیقت محمدیہ کو مارنے
جلانے اور دوسری تمام صفات الہیہ
حاصل ہیں تاکہ وہ اس کائنات کی ہر چیز
میں حتیٰ کہ اپنے وجود اور اپنی بشریت
میں بھی تصرف کر سکے۔ چونکہ آپ کا
بشری وجود حادث ہونے کی وجہ سے
ایمان عالم میں داخل ہے اس لیے آپ کا
عنصری وجود بھی حقیقت محمدیہ کی بوبیت کا
محتاج نظر آتا ہے۔

مقدمہ
فصوص الحکم
ص ۶۳

علامہ جامی اور داؤد قیصری یہ دونوں حضرات ابن عربی کے نظریہ
وحدة الوجود کے زبردست شایع ہو گئے ہیں۔ ان دونوں نے ابن
عربی کی فصوص الحکم کی شرحیں لکھی ہیں جو کہ اعلیٰ شروحات میں شمار ہوتی ہیں
ان میں جو انہوں نے حقیقت محمدیہ کا مفہوم بیان کیا ہے وہ ابن عربی کے
نظریات میں حرف آخر ہے۔ دونوں عبارتوں کا مفہوم چونکہ بہت دقیق
ہے۔ اگر آپ اپنے ذہنوں پر ذرا سا زور دیں گے تو امید ہے کہ کچھ نہ کچھ
عقدہ کشائی ہو جائے گی۔ اس جگہ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ
دیکھ لیں کہ فلاسفہ یونان جس طرح عقل اول کو رب کا درجہ دے رہے ہیں

ابن عربی کے نزدیک بھی حقیقتِ محمدیہ کا وہی مفہوم ہے کہ وہ رب کی صورت میں ظاہر ہو کر ساری کائنات کی تربیت کر رہی ہے۔ باقی رہا یہ کہ ابن عربی نے اپنے نظریے کو فلاسفہ یونان کے عقلِ اول کو کیوں ماخذ بنایا ہے۔ اگرچہ یہ بحث بہت عمیق ہے اسے ہم دوسری جگہ وضاحت کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ سر دست اتنا عرض کیے دیتے ہیں کہ فلاسفہ یونان کے نزدیک خدا کی ذات کائنات کے لیے چونکہ علتِ تامہ ہے اس لیے وہ کہتے ہیں لا یصلد عن الواحد الا الواحد ایک وجود سے صرف ایک چیز کا صدر ہو سکتا ہے۔ اس قاعدے کے تحت وہ صادرِ اول کو عقلِ اول کہتے ہیں۔ دوسرے علتِ تامہ جب اپنے معلول پر اثر کرے گی تو پھر اس اپنے اثر کو واپس نہیں کر سکتی۔ جیسے سورج تو طلوع ہو جائے اور دھوپ ظاہر نہ ہو یہ نہیں ہو سکتا۔ ابن عربی نے اپنے نظریے وحدۃ الوجود کی جس فلسفے پر بنیاد رکھی ہے اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ کائنات اور خدا کے درمیان جو ربط پایا جاتا ہے اس ربط کی نوعیت کو واضح کیا جائے۔ اس ربط پر چونکہ فلاسفہ یونان پہلے کافی کام کر چکے تھے، اس لیے جس نے اس ربط پر بحث چھیڑی ہے وہ لازماً فلاسفہ یونان کے درپوزہ گزرن گئے۔ فلاسفہ یونان جس صادرِ اول کو عقلِ اول کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک عقل کا مفہوم وہ جو ہر ہے جو قائم لنفسہ ہے۔ بعض موضوع احادیث میں ایک یہ حدیث بھی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں اول ما خلق الله العقل۔

خدا نے سب سے پہلے جس چیز کو پیدا کیا وہ عقل ہے۔ ابن عربی نے اس حدیث کے مفہوم کو فلاسفہ یونان کے عقل اول کے مفہوم میں داخل کر دیا اور اس عقل اول کا نام حقیقت محمدیہ رکھ دیا جس کا دوسرا نام جوہر اول ہے۔ اور اس جوہر اول سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اس کا نام اعراض رکھ دیا۔ اس جوہر اول سے ساری کائنات صادر کر کے کائنات اور خدا کے درمیان حقیقی عینیت ثابت کر دی۔ اور صدر کے پینے تزلزلات کا مفہوم نظریہ اختراع کر کے حقیقت محمدیہ کو تعین اول کے ساتھ موسوم کر دیا اب ان کے سامنے مشکل یہ تھی کہ چونکہ حقیقت محمدیہ کا اطلاق ذات نبویہ کے بشری وجود پر نہیں ہو سکتا تھا تو انہوں نے اس کے لیے یہ سازش کی کہ ذات نبویہ کے مرتبے کو دو جہتوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک جہت کا نام بشریت رکھ دیا اور دوسری جہت کا نام حقیقت محمدیہ کہ موصوفہ کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ذات نبویہ کی شرعی نبوت تکوینی نبوت میں تبدیل ہو گئی۔ صدور کے لحاظ سے چونکہ حقیقت محمدیہ صادر اول تھی، اس لیے جس طرح اسے تقدم ذاتی حاصل تھا اسی طرح اسے تقدم زمانی بھی حاصل ہو گیا۔ اب غالی علماء نے آپ کے اس مقام کو اس طرح پیش کیا کہ آپ کو چونکہ ساری کائنات پر تقدم ذاتی اور زمانی حاصل ہے اس لیے آپ کی نبوت بالذات ہے اور دوسرے نبیوں کی نبوت بالعرض میں داخل ہے۔ اور کائنات کے اندر جو چیز بھی تقسیم ہو رہی ہے اس کا مصدر فیض آپ کی ذات ہے۔ اس سارے مبحث کا

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ لوگ ذات نبویہ کو صادر اول اور مصدر کائنات نہ بناتے تو آپ کی نبوت پر نبوت بالذات اور دوسرے نبیوں کی نبوت پر اعراض کی اصطلاح استعمال نہ ہو سکتی تھی اور نہ آپ کی نبوت کو یہی نبوت میں تبدیل ہو کر ساری کائنات کی مدبر بن سکتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت مسلمہ کی اکثریت ایک عمیق شرک میں گرفتار ہو گئی۔ اب ہم آخر میں ائمہ سلف کے اقوال نقل کرتے ہیں کہ اسلام میں جو ہر دو اعراض کی اصطلاحیں استعمال کرنا کیسا ہے۔ محدث امام ابن خزمہ لکھتے ہیں :- امام ابو العباس ابن سترح سے پوچھا گیا توحید کیا ہے۔ آپ نے فرمایا :-

توحید اہل العلم و	اہل علم اور امت مسلمہ کی توحید تو
جماعۃ المسلمین لا الہ	لا الہ ہے اور اہل باطل کی توحید
الا للہ و توحید اہل	یہ ہے کہ توحید اور نبوت کے مفہوم کو
الباطل الخوض فی	اعراض و اجسام کی اصطلاحوں کے
الاعراض و الاجسام	ذریعے سمجھا جائے۔ حالانکہ بعثت نبویہ کا
وانما بعث النبی صلی	مقصد یہ ہے کہ توحید کے مفہوم کے
اللہ علیہ وسلم بانکار	یہ ایسی عجبی اصطلاحوں کو استعمال نہ
ذلک۔	کیا جائے۔

کتاب التوحید لابن خزمہ

ص ۳۱۰

حضرت امام اعظم سے سوال کیا گیا کہ جن لوگوں نے علم کلام میں اعراض

واجہام کی اصطلاحوں کو داخل کر رکھا ہے اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں
آپ نے جواب دیا :-

مقالات الفلاسفة عليك ایسی اصطلاحیں تو فلاسفہ یونان کی وضع
بالاثر و طریقۃ السلف کردہ ہیں تمہیں سنت اور طریقہ سلف
(کتاب السنۃ والتوحید^{۲۱}) پر عمل کرنا چاہیے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ امام اعظم نے جواب دیا :-

لعن اللہ عمرو بن عبیدہ ہو اللہ تعالیٰ عمرو بن عبیدہ پر لعنت کرے کہ
فتح علی الناس الکلام اس نے علم کلام میں اعراض و جواب ہر کی
فی الاعراض والاجسام اصطلاحوں کو استعمال کر کے لوگوں میں
اشرح فقہ اکبر ملا علی قاریؒ ان کی تشہیر کر دی۔

(ص ۴۳)

باقی رہا اس اعتراض کا جواب کہ جب اعراض و جواب ہر کی اصطلاحوں کو
استعمال کرنا ممنوع تھا تو پھر علم کلام کے اکابرین نے عقائد کی کتابوں میں انہیں
کیوں استعمال کیا۔ اس کی اہم وجوہات یہ ہیں۔ علامہ ابوالقاسم قشیریؒ ص ۶۵
لکھتے ہیں :-

”جب اہل ہنوی کا ظہور ہوا اور اہل بدعت مثلاً خوارج جہمیہ۔

معتزلہ۔ قدریہ کی کثرت ہونے لگی اور انہوں نے اپنے نظریات کی

تائید کے لیے فلاسفہ یونان کی اصطلاحوں کو استعمال کر کے، اسلام

کے بنیادی عقائد میں شبہات پیدا کرنے شروع کر دیے تو اہل سنت

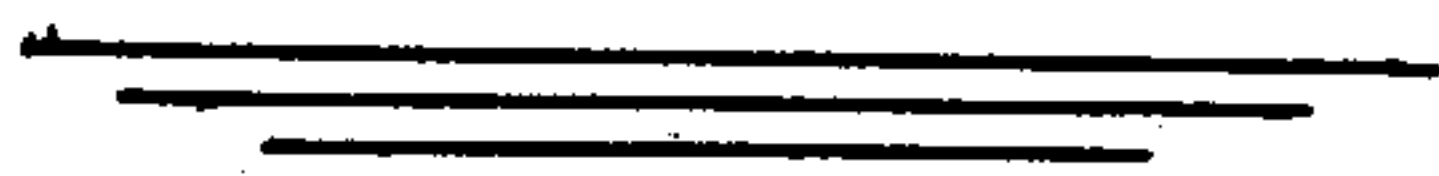
ان کی مخالفت کے لیے آمادہ ہو گئے تاکہ لوگوں پر یہ واضح کر دیں کہ ان کا طریقہ ان کے طریقے سے مختلف ہے۔ اور جب انھیں اس بات کا ڈر ہوا کہ کہیں مسلمانوں کے دلوں میں ان کے شبہات گھر نہ کر جائیں تو انہوں نے ان کی تردید کرنی اور ان کے شبہات کی حقیقت بیان کرنی شروع کر دی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تمام ائمہ متکلمین متفقہ طور پر فرماتے ہیں کہ مکلف کے لیے اپنے پیدا کرنے والے اور معبود کو ان دلائل کے ذریعے سے جو اس نے اپنی توحید پر اور استحقاق تفوق ربوبیت پر قائم کر رکھے ہیں جاننا ضروری ہے ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ عوام متکلمین کے الفاظ مثلاً جوہر اور اعراض استعمال کریں۔ مقصد تو صرف اتنا ہے کہ انھیں ایسی نظر اور استدلال حاصل ہو جائے جس سے وہ اللہ کی توحید کو پہچان سکیں متکلمین نے یہ الفاظ صرف متکلمین کی سہولت کے لیے استعمال کیے ہیں۔“

(الرسائل القشیریہ ص ۳۳)

علامہ قشیری کی عبارت کا آسان مفہوم یہ ہے کہ اہل باطل جب اسلام کے بنیادی عقائد میں شبہات پیدا کرتے تو اپنے نظریات کی تائید کے لیے فلسفیانہ اصطلاحوں کا استعمال کرتے۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ کے عہد میں یوحنا دمشقی حضرت عیسیٰؑ کے غیر مخلوق ہونے کی تائید میں مسیحی فلسفے کی مخصوص اصطلاحیں استعمال کرتا تھا جس کی وجہ سے شام کے بہت سے نو مسلم دوبارہ مسیحیت کی گود میں چلے گئے اور وہ مسلمان جو توحید میں اتنے

پختہ نہ تھے یوحنا و مشقی کے مناظروں کی وجہ سے کافی تذبذب کا شکار ہو جاتے۔ اُس دور کے راسخ العقائد مسلمانوں نے سوچا کہ جب تک ہم مسیحی فلسفے کی اصطلاحوں سے واقف نہ ہوں گے یوحنا و مشق کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے مسیحی فلسفہ چونکہ یونانی فلسفے سے ماخوذ تھا اس لیے انہوں نے ایسی اصطلاحوں سے واقفیت حاصل کرنا شروع کر دیا۔ پھر عہد مامون میں جب یونان کے فلسفے نے اسلام کے ہر بنیادی عقیدے کو مخرج کر دیا تو اکابر ائمہ نے ان کی اصطلاحوں کے ذریعہ ان کا دفاع کرنا شروع کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی اصطلاحوں کا استعمال کرنا صرف مدافعانہ حد تک محدود تھا۔ امام ابن خزمیہ اور امام اعظم کے اقوال میں ان کی تردید کا مقصد یہ ہے کہ توحید و نبوت کی تفہیم کے لیے اعراض و جواہر کی اصطلاحوں کو استعمال نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ جب صحابہؓ نے ان اصطلاحوں کے بغیر توحید و نبوت کے مفہوم کو صحیح طریقے سے حاصل کر لیا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن و سنت کی موجودگی میں ہمارے دور کے مسلمان توحید و نبوت کے عقائد کا صحیح ادراک نہیں کر سکتے۔ مثلاً ذات نبویہ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا اگر عقائد کے لوازم میں داخل ہے تو اس کی تفہیم کے لیے وہی دلائل کافی ہوں گے جن دلائل کے تحت صحابہؓ نے ایسے عقیدہ کو قبول کیا تھا۔ چونکہ یہ عقیدہ عہد صحابہؓ میں موجود نہ تھا اس لیے انہوں نے اس کے لیے ان دلائل سے کام لینا شروع کر دیا جن دلائل کا ثبوت عہد صحابہؓ میں بالکل مفقود ہے۔ جب عقیدہ نبی ہوگا تو اس کے دلائل بھی نئے ہوں گے۔ اس لیے حاضر و ناظر اور حیات بالذات کے عقائد کے حاملین

جب اپنے نظریات کی تشریح کرتے ہیں تو انھیں لامحالہ ابن عربی کے عجمی نظریات وحدۃ الوجود اور حقیقت محمدیہ جیسی اصطلاحوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ہم ارباب حقائق کی خدمت میں اس لیے بار بار التماس کر رہے ہیں کہ اگر آپ ایسے عجمی نظریات کا قلع قمع کر دیں تو ایسے مسالک کی بنیادیں خود بخود متزلزل ہو جائیں گی۔



معیاری کتابت ہر قسم کی بہترین سادہ و رنگین طباعت کتابت شدہ کتابوں کی معیاری کاپیاں جڑوانے سیٹ کرانے کے لیے ہماری خدمات حاصل کریں۔

ابن بیگ پیٹر مغل پرنٹنگ اینڈ کپی معارف
مکتبہ اعلیٰ محلہ تھلہ سادات، بیرون

دہلی گیٹ ملتان

آخری التماس

آخر میں ہم اپنے التماس کو دوبارہ دہراتے ہیں۔ اس تحریر کے آخری ساحل تک جو کچھ ہم نے لکھا ہے اپنی طرف سے نہایت دیانت داری اور پورے اخلاص کے ساتھ لکھا ہے۔ ہماری اس تحریر سے نہ تو کسی محترم ہستی کی ذاتی تحقیر مقصود ہے اور نہ مقصد کہ اغلاط چینی کر کے دوسروں کی اغلاط کی تشہیر کی جائے۔ ہمارے نزدیک اس کائنات میں سب سے زیادہ احترام عظمت توحید اور مقام نبوت کا تحفظ کرنا ہے۔ ہم اپنے فہم میں جس صاحب کی تحریر میں توحید اور نبوت کے خلاف ادنیٰ حرف بھی محسوس کریں گے ہمارے سامنے خواہ کسے باشند اس تحریر پر ضرور گرفت کریں گے۔ دوسرے ہم بھی چونکہ انسان ہیں ہماری طرف سے کسی بات کے مفہوم میں کچھ غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے اس لیے ہم اہل علم حضرات سے التماس کرتے ہیں کہ اگر کوئی صاحب حقائق کی زبان اور اخلاص کے لہجے میں ہمیں کسی لغزش پر آگاہ کر دیں گے تو ہم اس صحیح بات کو ضرور تسلیم کر لیں گے۔ ضد اور عصبیت سے ہم اپنی عاقبت خراب کرنا نہیں چاہتے۔ اسی طرح ہمارے اس مقالے میں جن جن باتوں سے آپ کو اتفاق ہے صاف گوئی سے ان پر بھی اپنی رائے کا اظہار کر دیں۔ ہم آپ کے بے حد ممنون ہوں گے۔

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۳	بریلوی مسلک کی بنیاد حقیقت	۲	حرف اول
۹۳	محمدیہ پر ہے بین الاجمال و التفصیل	۴	نظریہ اصالت اور اس کے ثمرات
۹۵	حاضر و ناظر کا مفہوم	۱۳	حقیقت محمدیہ کے ماخذ
۹۸	حقیقۃ محمدیہ مصدر کائنات روح	۲۳	حقیقت محمدیہ کے قدیم مبادیات
	الاکوان کا مفہوم	۲۴	کی تشریح
۹۹	کائنات میں حقیقت محمدیہ کا تفصیلی تصرف	۲۴	زرتشتی نظریہ
۱۰۵	علم غیب اور حقیقت محمدیہ	۳۲	مجوسیت میں حلول اور منظر کا مفہوم
۱۰۸	رحمۃ للعالمین کا مفہوم	۳۷	مجوسیت میں نبوت کا مفہوم
۱۱۱	رحمۃ للعالمین کی آیت سے	۴۲	مجوسیت اور روحانی توسط کا مفہوم
	بریلویت کے بنیادی اصول	۴۷	مجوسی نظریات کے ساتھ حقیقۃ محمدیہ کی تطبیق
۱۱۵	ایک شبہ کا ازالہ	۵۵	بریلوی مسلک کے بنیادی اصول
۱۱۷	رحمۃ للعالمین کی آیت کو حاضر و ناظر کے فلسفہ کی تشریح	۷۳	بریلویت کے عقائد میں حقیقت محمدیہ کے ثمرات
۱۲۳	وحی سے قبل نبوت کی تشریح	۷۴	بریلوی مسلک کے بنیادی اصول
۱۲۴	ایک شبہ - اس شبہ کا ازالہ	۷۶	مجمع الجہتین کا مفہوم اور حقیقۃ محمدیہ
۱۲۵	ایک یہ کہ - دوسرے یہ کہ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۱۳	نبوۃ کا انقطاع اور اس کا اجراء	۱۲۶	تیسرے یہ کہ
۲۲۵	مجمع التبتین کی ایک نئی تعبیر اور حیات نبویہ	۱۲۷	چوتھے یہ کہ
۲۲۸	خاتم النبوة اور فاح النبوة	۱۲۸	اور کن کو نماز پڑھائی
۲۳۲	تخلیق کائنات کا باعث اور	۱۲۹	پانچویں یہ کہ
	قدیم نبوت	۱۳۰	مقام نبوت اور اکابر علماء دیوبند
۲۳۴	ذاتی ختم نبوت		اکابر علماء دیوبند کا اغلاط سے
۲۳۸	حقیقت محمدیہ کیا ہے۔	۱۳۲	رجوع کرنا
۲۴۲	عہد صحابہ میں ہر خیر موجود تھی	۱۳۳	دیوبندی مسلک کا مفہوم
۲۴۵	تفصیل بین الانبیاء	۱۳۴	روح نبویہ کا مرئی خدا کا اسم علم
۲۴۶	خاتم النبیین کا مفہوم		ہے اور نبوت بالذات کا فلسفہ
۲۵۸	قدم کائنات اور اکابر امت	۱۵۰	نبوت بالذات کے دوسرے
۲۶۰	نبوۃ بالذات کا رد اور قرآن	۱۵۲	شواہد اور ختم نبوۃ کا مفہوم
۲۶۵	یونانی علوم اور مشرکین ہنوکے فلسفہ کا اہل	۱۵۵	مرتبہ ختم نبوۃ کا مفہوم
	کتاب کے فلسفہ سے زیادہ رد کیا جائے۔	۱۶۷	مرتبہ ختم نبوۃ کی مزید تشریح
۲۶۹	مقام رسالت کی اہانت کرنے والے	۱۸۱	حیات انبیاء علیہم السلام کا فلسفہ
	جلدی ختم ہو جائیں گے		علماء دیوبند کے عقائد پر حقیقت
۲۷۲	محمد کو خدا مان لیا	۱۸۹	محمدیہ کے اثرات
۲۹۵	نظر تخلیق پر علم بصیرت خدای کا بنیادی سبب ہے	۱۹۷	حقیقت محمدیہ کی تشریح اور عقیدہ
۳۰۰	توحید رسالت کے مفہوم میں اعراض		حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق
	وجوہ کا استعمال	۲۰۲	میں حقیقت محمدیہ کا تصرف
۳۱۸	آخری التماس	۲۰۳	حیات بالذات کا مفہوم
			مرتبہ نبوۃ سے نبوۃ بالعرض کا اجراء

تبصرہ

از

مولانا اخلاق حسین قاسمی

پاکستان کے ایک عالم نے "نبوت کی عجمی تعبیر" کے نام سے ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے جس کا موضوع یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تکوینی اختیار کے تصور کی تخلیق میں دیوبندی اور بریلوی علماء دونوں شریک ہیں اور اس تصور کی اساس شیخ ابن عربی کے وحدۃ الوجودی عقیدہ پر قائم ہے۔ لیکن مصنف محقق نے اس کی نسبت پورے دیوبندی حلقہ کی طرف کر کے انصاف کا خون کیا ہے۔

کیونکہ اس تصور کا ماخذ دیوبندی اکابر کی کتابوں میں صرف مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی مشہور کتاب "آپ حیات نظر آتی ہے۔

اور بریلوی علماء کی کتابوں میں مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی کتاب "سلطنت المنصف فی ملکوت کل الوری" بنیادی کتاب ہے جس میں خان صاحب نے تمام کائنات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر فرمان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

دونوں کتابوں میں فرق صرف تعبیر و توجیہ کا ہے، مولانا نانوتوی نے علمی اور منطقی استدلال سے کام لیا ہے اور خانصاحب کے ہاں عوامی اسلوب ہے۔

مثلاً آپ حیات میں حضور کے لئے درجہ دوم کی ملکیت کا تصور ہے اور خانصاحب اسے عطائی ملکیت و اختیار کہتے ہیں۔

قرین قیاس ہے کہ مولانا بریلوی کے سامنے مولانا نانوتوی کی آپ حیات ربی ہو کیونکہ خانصاحب کی عمر مولانا نانوتوی کی وفات کے وقت ۲۵ سال کی تھی۔

مولانا نانوتوی کی ولادت ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) اور وفات بعمر ۴۹ سال ۱۲۹۷ھ

(۱۸۸۰ء) اور مولانا بریلوی کی ولادت ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۶ء) اور وفات بعمر ۶۸ سال ۱۳۴۰ھ

(۱۹۲۱ء) ہے۔

خانصاحب نے سلطنت المصطفیٰ کتاب ۱۲۹۷ھ میں لکھی، جب آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ مولانا بریلوی کے عوامی اور عامیانه اسلوب کی ایک مثال یہ دو شعر ہیں جو خانصاحب کے مجموعہ کلام سے نقل کئے جاتے ہیں۔

ان کی نبوت، ان کی

ام ابشر عروس انہیں کے پسر کی ہے !

ظاہر میں یہ ہے پھول باطن میں میرے نخل

اس گل کی یاد میں یہ صد لبو البشر کی ہے

(حدائق بخشش)

آپ حیات کے استدلال کے لئے مولانا نانوتوی نے حسب ذیل آیت کو اساس بنایا ہے:

الْمُسَبِّحَةُ أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (الاحزاب: ۶)

اس کا ترجمہ دیوبندی مسلک کے مشہور راہنما مولانا اثرن علی نقاری نے حسب ذیل

کیا ہے:

”نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔“

اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

”نفس انسانی اگر بُرا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ مومن کا خواہ ہوگا اور اگر اچھا ہے تب بھی وہ زندگی کی بعض مصلحتوں سے بے خبر رہتا ہے اور نبی کو خدا تعالیٰ نے انسانی فلاح و خیر کا ضروری علم عطا فرمایا ہے اس لئے نبی ہر حال میں امت کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔“
(بیان القرآن جلد ۹ ص ۲۷)

مفسرین میں ابن جریر طبری (وفات ۳۱۰ھ) امام فخر الدین رازی (وفات ۶۰۶ھ) علامہ ابن کثیر (وفات ۷۷۴ھ) اور صاحب روح المعانی (وفات ۱۲۷۰ھ) اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی سب نے آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے اور لفظ اولیٰ کو اسی مفہوم میں بیان کیا کہ حضور اپنی امت کے حق میں ان سے زیادہ مہربان ہیں آپ کی اطاعت اپنی خواہش نفس اور اپنے آباد و اجداد کی حکم برداری سے مقدم ہے۔

قاضی صاحب نے متقدمین مفسرین کی عبارتوں کا ان الفاظ میں حاصل نکالا ہے :
اولیٰ فی نفوذ الحکم علیہم ووجوب طاعتہ علیہم فلا یجوز اطاعتہ
الآباء والامہات بمعنی حرص علیکم بالمؤمنین رؤوف رحیم۔
(منہج جلد ۷ ص ۲۰۸)

بعض قرأتوں میں دھو ابّٰ لہم (نبی ان کے باپ ہیں) بھی آیا ہے اس لئے امام مجاہد نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے :

کل نبی اب لامتہ — ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے کیونکہ وہ امت کا مرتی اور مشفق مسلم ہوتا ہے حقیقی باپ جسمانی حیات کا کفیل ہوتا ہے اور نبی کی تربیت سے ابدی حیات حاصل ہوتی ہے۔

پس روحانی باپ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں، البتہ امتہات المؤمنین کا امت کی ماں ہونا خصوصیات میں سے ہے، دوسرے انبیاء کی ازواجِ مطہرات کا یہ درجہ نہیں
(روح المعانی جلد ۷ ص ۱۰۱)

ابن جریر طبری نے ابن زید کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں نبی اور امت کے باہمی تعلق کو آقا و غلام کے تعلق سے تشبیہ دی ہے لیکن وہ آقائی اور غلامی احکام شریعت کے نفاذ و اجداد کے

مذہب میں ہے نہ کہ جسمانی آقاؤں اور غلامی کے مفہوم میں :

النبي اولى كما انت اولى بعبدك ما قضى فيحسم من امر جاز كما كذا

قضيت على عبدك جاز - (ابن جرير جلد ۲۱ ص ۷۰)

علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی تشریح میں آیت فلا ريب لا يؤمنون حتى يحكموا
النساء ۶۵ نقل کی ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ نبی کے حکم سے مراد تشرعی حکم ہے۔ مگر کوئی حکم کہ یہاں کوئی
مفہوم موجود نہیں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ کی یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے۔

ما من مومن الا وازاوي الناس دنيا و آخرت میں ہر مومن کے ساتھ دوسرے

به في الدنيا والاخرة اقربا لوگوں کے مقابلہ میں میرا تعلق زیادہ ہے۔

ان شئتم النبي اولى..... الخ اگر کوئی مسلمان ترکہ چھوڑ کر مرے تو اس ترکہ

کے واسطے اس کے حق دار ہوں گے اور اگر کوئی مسلمان قرنی دار مرے یا بچے چھوڑ کر مرے

تو ان کی کفالت میں کروں گا اور اس کا قرنس میں ادا کروں گا۔

ابن کثیر نے آیت مذکورہ کے چند پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے :

اس میں ایک بحث یہ ہے کہ کیا حضور کو مسلمان مردوں اور عورتوں کا باپ کہنا صحیح ہے ؟

مذہب عائشہؓ اسے درست نہیں سمجھتی تھیں اور امام شافعی کا صحیح قول بھی یہی ہے :

ایک حدیث میں آپ نے اپنے لئے والد کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن وہ معلم اور مربی کے

مفہوم میں ہے — فرمایا :

انما اتاكم بمنزلة الوالد میں تمہارے لئے باپ کی مانند ہوں

اعلمكم..... الخ تمہیں پیشاب پانخانہ کرنے کا طریقہ بھی

سکھاتا ہوں — جس طرح ماں باپ بچوں کو سکھاتے ہیں ۔

حقیقی باپ کے لفظ کی نفی قرآن کریم نے خود کی ہے ، فرمایا :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ

رَجَالِكُمْ (ابن کثیر جلد ۲ ص ۴۰)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ۔

اردو فارسی کے تمام مترجمین نے اولیٰ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے، شاہ ولی اللہ - سرور شاہ عبدالقادر - لگاؤ - شاہ رفیع الدین - شفقت - مولانا مودودی - مقدم - ڈپٹی نذیر احمد - زیادہ حق رکھتے ہیں۔

اولیٰ، ولایت کے ایک معنی حکومت و تسلط کے بھی ہیں جس طرح قرب اور دوستی کے ہیں، لیکن کسی مترجم و مفسر نے اس آیت میں اولیٰ کو حاکمیت و حکومت کے مفہوم میں نہیں لیا۔ مولانا نانوتوی نے آپ حیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت درجہ دوم اور ذاتی حیات کے فلسفہ کی بنیاد اولیٰ کے اسی لغوی مفہوم پر رکھی ہے اور پھر مولانا احمد رضا خالص صاحب نے آپ حیات کی تاویل کی روشنی میں اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

”یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے“ (کنز الایمان صفحہ ۴۹)

تصرف کا لفظ شاہ ولی اللہ نے تشریحی طور پر اس طرح بڑھایا ہے،
”پیغمبر سزاوارتر است بتصرف در امور مسلمین از ذاتہا نے ایشان“ — یعنی حضور مسلمانوں کے معاملات میں تصرف کرنے کا حق خود ان سے زیادہ رکھتے ہیں
پھر اس مفہوم کو ان کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اس طرح واضح کرتے

ہیں:

”نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان و مال میں تصرف نہیں پتا جتنا نبی کا چاہتا ہے“

اپنی جان و ممتی آگ میں ڈالنا روا نہیں اور اگر نبی حکم دے تو فرس ہو جائے۔“

تصرف سے مراد ان حضرات کی تشریعی تصرف ہے، جو بعور نائب خدا کے خدا کے حکم و

ہدایت کے مطابق امت کے دینی معاملات میں جاری ہوتا ہے۔

قرآن و حدیث کے واضح نصوص اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں کہ رسول پاک

صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت خداوندی سے بے نیاز ہو کر تشریعی امور میں دخل دینے کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔

محدثین و فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ جو ہدایات رسول پاک نے ایسی جاری فرمائیں

جن کا ثبوت و ماخذ کتاب اللہ میں واضح نہیں وہ ہدایات وحی خفی سے تعلق رکھتی ہیں انہیں

حضور کی ذاتی ہدایات اور ذاتی احکام قرار نہیں دیا جاسکتا، اسی لئے حقیقی مفہوم میں شریعت
ساز صرف خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے کتاب سنت کے باہمی تعلق پر حجتہ اللہ البالفہم میں تفصیل سے بحث
کی ہے۔ حاصل یہ کہ حضورؐ کا شرعی تصرف بھی نائب خدا کے طور پر ہے، جو رسالت کا حقیقی
مفہوم ہے۔ اس میں کوئی تصرف کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خاص کلامی اجتہاد کی تشریح کے بعد اس حقیقت کو
صاف طور پر بیان کر دیا ہے کہ یہ تصورات جس دلیل پر مبنی ہیں وہ ایک باریک و لطیف شے ہے۔ اس
لئے عام ذہن کی گرفت میں نہیں آسکتی، لکھتے ہیں:

”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل ایمان کے اموال و نفوس میں تصرف کا حق معلوم ہوتا
ہے لیکن چونکہ واسطہ اور وسیلہ کا تعلق ایک لطیف اور مخفی شے ہے جو اہل بصیرت
کے سوا کسی پر واضح نہیں بلکہ قرآن و احادیث کے اشارات سے بھی بدشواری سمجھ میں
آتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے قانون شریعت کے عام قاعدہ کے مطابق آپ
کے لئے نکاح و مہر اور عدل و مساوات کا فریضہ عائد کیا ہے۔“

اگر ملکیت کے اس حق کا لحاظ کیا جاتا تو عام خواتین آپ کے لئے مثل
باندیوں کے حلال ہوتیں لیکن اس سے کم فہم لوگوں کو شہوت پرستی کی تہمت لگانے کا
موقعہ مل جاتا۔“
(آب حیات ص ۲۰۷)

یہی وجہ ہے کہ علمائے دیوبند نے مولانا نانوتوی کے ان اجتہادی اور استنباطی تصورات
کو عوام میں شہرت دینے سے گریز کیا اور عوام میں انہی عقائد کی تبلیغ و تشریح کی جو عقیدہ
توحید کے مطابق تھے۔

آب حیات کے تصورات

ذیل میں آب حیات کے تصورات کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے، یہ حضرت نانوتوی کے
تفردات ہیں، جنہیں جماعت دیوبند کی طرف سے تسلیم کرنے کی کوئی مراحت موجود نہیں ہے۔
مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند (نبیرہ مولانا محمد قاسم صاحب) کی بعض

تحریر میں ان تصورات کی تھلک نظر آتی ہے۔ اور ان کی حیثیت بھی مولانا کے ذاتی تصورات کی ہے۔

مولانا نانو توئی نے آپ حیات میں حضور کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل

یہ ہے :-

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَ زَوَّجَهُ اللَّهُ مَتْلُفًا لَهُمْ (الحزاب) حضور
موت کے روحانی باپ ہیں۔ روحانی باپ کا درجہ جسمانی باپ سے زیادہ ہے، اہل ایمان کی اوج
حضور کی روح پاک سے تخلیق کی گئی ہیں۔

حضور کی حیات ذاتی ہے۔ دوسرے مومنین کی حیات عرضی ہے۔ آپ کی حیات قابل
زوال نہیں۔ البتہ موت کے وقت یہ حیات مستور (پردہ میں) ہو گئی اور اہل ایمان کی حیات زائل
ہو جاتی ہے۔

جیسے سورج گہن میں سورج کی روشنی حجاب (پردہ) میں ہو جاتی ہے، زائل نہیں ہوتی۔
بخلاف چاند گہن کے، اس کی روشنی زائل ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔ حضور کی موت کی مثال جیسے
چراغ پر سر پوش ڈھانپ دیا جائے اور مومنین کی مثال جیسے چراغ کو بجھا دیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے درمیان اتحاد و اشتراک اور مشیت کا تصور غلط
ہے۔ اگرچہ شکل و صورت و احکام جسمانی مثلاً کھانے پینے وغیرہ میں مماثل کہا جائے۔۔۔۔۔
قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ جس طرح آفتاب اور اس کی شعاعوں میں مشیت ذاتی نہیں
بلکہ آسمان و زمین کا فرق ہے۔ لاکھوں عکس بھی مثل آفتاب نہیں ہو سکتے، اگرچہ صورت اور رنگ
میں نور آفتاب اور اصلی آفتاب میں مشابہت ہے لیکن برابری کا خیال باطل ہے۔

ازواج مطہرات آپ کی باندیاں تھیں، ان پر حضور کا حق مامکت ایمانکم سے
زیادہ تھا۔ مالک کی ملک عارضی ہوتی ہے، آزاد کرنے یا فروخت کرنے سے زائل ہو جاتی
ہے مگر اقیوں پر آپ کا جو حق ہے وہ کبھی زائل نہیں ہوتا کیونکہ ارواح مومنین حضور کی
روح سے پیدا کی گئی ہیں۔

حقیقی مالک تو خدا ہے لیکن دوسرے درجہ میں رسول پاک کی ملکیت کو سمجھئے کیونکہ
حضور تمام عام کے لئے وسیلہ اور واسطہ فی العروج میں جیسے ہاتھ اور قلم اصل میں حرکت ہاتھ

کو لاحق ہوتی ہے، قلم کی حرکت ہاتھ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پس ہر کمال میں حضور واسطہ ہیں۔
خاص کر ارواحِ مومنین کے لئے۔

آخرت میں آپ کو مقامِ وسیلہ کا دیا جانا اسی طرف اشارہ ہے، والعاقل یکفیه
الاشارة — عجب نہیں کہ یہ روایت صحیح ہو۔

لَوْلَا لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ — اگر اے نبی! تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا
نہ کرتا، مضمون تو اس کا صحیح ہے۔ اس لئے مومنین کی ارواح کی قدر و قیمت اور فضیلت ایک
حیثیت سے عرشِ اعظم سے بھی زیادہ ہے۔ (آپ حیات ۲۲۴)

مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے نزدیک حضور علیہ السلام کی حیات "حیاتِ برزخی"
ہے جو حیاتِ جسمانی سے زیادہ قوی التأثير ہے، لیکن حضرت نانوتوی کے فلسفہ کے مطابق وہ حیات
حقیقی ہے یعنی جسم روحانی تعلق کے ساتھ حیات ہے۔

دیوبند کے مشہور محدث مولانا انور شاہ صاحب کے نزدیک حیاتِ انبیٰ کا مفہوم یہ ہے
کہ آپ کی روحانی توجہات امت کی طرف مبذول ہیں، اُسی کا اثر ہے کہ یہ امت بحیثیت مجموعی
ہدایت پر قائم ہے۔

ماہر القادری نے اسی مفہوم کو اس شعر میں بیان کیا ہے
کبھی کا کاروانِ کیف وستی لٹ چکا ہوتا یہاں سب سو رہے ہیں ایک تُو بیدار ساقی
شہدا دنی سبیل اللہ کی حیات کے بارے میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ یہ حیات بھی
حیاتی اثرات و اعمال کے مفہوم میں ہے، جس کی طرف قرآن کریم نے — یُرْزِقُونَ —
(وہ رزق دیئے جاتے ہیں) سے اشارہ کیا ہے۔

اوپر علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے لکھا گیا ہے کہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ حرمتِ نکاح کا
تعلق، مقامِ نبوت کی عظمت و حرمت سے ہے، جو جمہور کا مسلک ہے اور آپ حیات کے
فلسفہ کے مطابق اس حرمت کا تعلق حضور کی حیاتِ حقیقی سے ہے۔

ہمارے اکابر دیوبند مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے
کہ آپ پر محبتِ نبوی کا غلبہ تھا، اسی محبت کا اثر تھا کہ آپ تواضع و مسکنت کا پیکر نظر آتے
تھے، آپ کے شیخ حضرت امداد اللہ صاحب مہاجر مکی آپ کو نصیحت کرتے تھے کہ مولانا

قاسم صاحب! علم کے وقار کا خیال رکھو — یعنی اتنی تواضع اختیار نہ کرو کہ علم کی توہین ہونے لگے۔ مولانا نانوتوی کا لباس، ایک کھدر کا موٹا تہبند، ایک کھادی کی نیم اسٹین — نہ چغلا، نہ عبا، اور عصا کے تکلفات —

آپ کے مقابلہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (جو آپ کے ساتھی اور پیر بھائی بھی تھے) کی شان دوسری تھی، آپ پر اتباع سنت کا رنگ غالب تھا، آپ قرآن و حدیث کے واضح نصوص کی پیروی کو ضروری سمجھتے تھے، جس میں محدثانہ اور فقیہانہ احتیاط ہے اور عام مسلمانوں کے لئے یہی راہ نجات کی راہ ہے۔

حضرت حاجی صاحب کے ہفت مسئلہ سے آپ نے اتفاق نہیں کیا اور جب حاجی صاحب سے کہا گیا کہ مولانا گنگوہی کو ہفت مسئلہ سے اتفاق نہیں ہے تو آپ نے فرمایا: ”وہ بڑے عالم ہیں“

مولانا نانوتوی نے آپ حیات میں آپ کے لئے رونقِ طریقت اور زیبِ شریعت کے الفاظ استعمال کئے ہیں، جماعت دیوبند کا مسلک جن اکابر کے افکار پر قائم ہے۔ مولانا گنگوہی ان میں امام کی حیثیت رکھتے ہیں — مولانا محمد قاسم صاحب عاشقِ رسول کے طور پر مشہور ہیں، جماعت دیوبند کے عظیم فقیہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سے کسی نے ایک سوال میں مختلف مصالح کے تحت بدعی افکار و اعمال کی ترویج پر فتویٰ طلب کیا، مفتی صاحب نے احتیاط کی بنا پر تفصیل میں جانے کے بجائے اختصار کے طور پر یہ لکھا:

”آہ! یہ سوال بہت پیچیدہ اور تفصیل طلب ہے، میں سر دست اس کے جواب میں صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں اور وہ یہ ہے۔“

میں دارِ سندی کہ راہِ صفا تو اس رفتِ جزِ برے مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم تسبیحا کثیرا — محکم کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(کفایت المفتی جلد ۱ ص ۱۴۹)

جماعت دیوبند میں حضرت مفتی اعظم محمد کفایت اللہ علم حدیث و فقہ اور عملی تقویٰ اور احتیاط اور دانش مندی میں اپنی مثال آپ سمجھے جاتے تھے۔

مقام نبوت کی عجیبی تعبیر

از: خالد مسعود مدیر "تدبیر"

مصنف: علامہ ابوالخیر اسدی مجلس نشر السنۃ مخدوم رشید ملتان

یہ کتاب نہایت علمی تحقیق پر مبنی ہے۔ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہمارے ملک کے بڑے فرقے مقام نبوت کے بارے میں اپنا جو عقیدہ ظاہر کرتے ہیں وہ سراسر عجیبی فلسفہ سے ماخوذ ہے۔ اس کی جو تعبیر کی جاتی ہے اس سے نہ صرف مرتبہ نبوت محجور ہوتا ہے بلکہ اس سے توحید کی بنیادیں بھی متزلزل ہو جاتی ہیں۔ جس طرح اہل تصوف نے دین کو مسخ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اسی طرح مقام نبوت کی غلط تعبیر پھیلانے میں بھی ان کا بڑا ہاتھ ہے۔

فاضل مصنف کی تحقیق کی رو سے مجوسیوں کے چند عقائد خاص تھے۔ وہ یزدان (خدا) کو ہر چیز میں موجود مانتے تھے۔ وہ اس کو پوجنے کے لیے مجسمہ تراشنے کے خلاف تھے کیونکہ ان کے نزدیک اس سے خدا کا عقیدہ ثابت ہوتا تھا۔ تناسخ اور حلول کے عقائد مجوسی نقطہ نظر کا شاخسانہ تھے۔ مجوسیوں کا

دوسرا ہم عقیدہ یہ تھا کہ وہ نبی کے لئے بشری عوارض سے پاک ہونا ضروری سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک کوئی بشر نبی نہیں ہو سکتا تھا۔ الہی صفات سے متصف روحانی طاقتیں ہی نبوت کے منصب پر فائز ہو سکتی تھیں اور خدا کا تقرب حاصل کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ان روحانی طاقتوں کو وسیلہ بنایا جائے یہ روحانی وسیلے خدا سے الہی اختیارات حاصل کر لیتے اور بندے اپنی حاجات کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے مجوسیوں کے نزدیک خدا اگرچہ واحد ہے لیکن اپنے مظاہر کی وجہ سے وہ کثیر ہے۔ اس کی یہ کثرت آسمان کے ستاروں کی تعداد کے بقدر ہے کائنات کا وجود روحانی وسیلوں کا مجموعہ منہ منت ہے

فاضل مصنف کے نزدیک مذکورہ بالا مجوسی عقائد کو اہل تصوف نے بالعموم اور ابن عربی نے بالخصوص اپنے نظریات میں سمویا۔ اس نے نظریہ وحدت الوجود کی واضح پیل ڈالی۔ اس میں خدا کو ہر شے میں موجود مانا گیا۔ اماموں اور صوفیاء میں خدا کا حلول تسلیم کیا گیا۔ روحانی وسیلوں کے لئے تعینات کی اصطلاح استعمال کی گئی جس وسیلے سے کائنات وجود میں آئی اس کے لئے تعین اول یا حقیقت محمدیہ کی اصطلاحیں وضع کی گئیں۔ چنانچہ کائنات کا بسڈر اول حقیقت محمدیہ کو قرار دیا گیا اور جب وہ مبداء اول ہے تو یہ ماننا لازم ہوا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کے تصرف میں ہے اور اسی پر اسی کا حکم چلتا ہے۔

علامہ صاحب کی تحقیق میں نور افلاطونی فلاسفہ کی عقل اول اور عیسائی

متکلمین کی کلمہ (Logic) کی اصطلاحوں اور حقیقت محمدیہ کی اصطلاح میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے اور ابن عربی کا فلسفہ انہی سے ماخوذ ہے۔ اس کی کوئی بنیاد کتاب و سنت میں نہیں ہے۔

ہمارے ملک کے دو بڑے مسلک بریلوی اور دیوبندی مسلک ہیں فاضل مصنف نے ان دونوں مسالک کے نمائندہ علماء کی تحریروں سے یہ واضح کیا ہے کہ دونوں نے ابن عربی کے فلسفے کو حرزِ جاں بنالیا ہے اور ان کے مقامِ نبوت کے عقائد اسی سے مستعار ہیں۔

بریلوی مسلک میں ذاتِ نبویہ کی دو جہتیں مانی جاتی ہیں۔ ایک جہت کو ذاتِ الہی کا جامع مظہر مان کر اس کے لئے تمام صفاتِ الہیہ بطور ثبابت تسلیم کی گئی ہیں اور اس کا نام حقیقتِ محمدیہ رکھا گیا ہے۔ جب کہ دوسری جہت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عنصری وجود کے باعث بشری جہت ہے۔ پہلی جہت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبدوء کائنات اور اس کا مختارِ کل مانا جائے۔ گویا آپ کے ہاتھوں میں کائنات کا کمال انتظام ہے۔ اس ذمہ داری سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حضور کو عالمِ ماکان و مایکون ماضی و مستقبل کے تمام حالات کا عالم، اور کائنات میں ہر جگہ موجود مانا جائے یہی عقیدہ حاضر و ناظر کہلاتا ہے۔ بریلوی علماءِ علمِ غیب، نورِ نبوت اور آنحضرتؐ کی رحمتِ عالمینی کی تشریح اسی بنیاد پر کرتے ہیں۔ فاضل مصنف نے جناب احمد رضا خاں بریلوی، علامہ سعید احمد کاظمی اور

مفتی احمد یار خان کی کتابوں سے طویل اقتباسات نقل کر کے اپنے دعویٰ کو ثابت کیا ہے۔

علمائے دیوبند بھی خدا کے بعد عقل اول یعنی حقیقت محمدیہ کا درجہ مانتے ہیں۔ ان کے ہاں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ذاتی ہے جبکہ دوسرے تمام انبیاء کی نبوت عرضی ہے۔ ان انبیاء میں جو خصوصیت نظر آتی ہے وہ ان کا ذاتی کمال نہیں بلکہ وہ ظل اور عکس محمدی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اصل میں اور ساری کائنات ان کی فرع۔ درخت کی جڑ نہ ہو تو اس کی شاخیں بھی باقی نہیں رہ سکتیں۔ لہذا اگر آپ کی ذات زندہ نہ ہو تو کائنات کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔ آنحضرت تمام علوم سابقہ و لاحقہ کے جامع ہیں اور اس کی تائید تعین اول صفت علم سے ہوتی ہے۔ فاضل مصنف نے مولانا محمد قاسم نالوتوی، مولانا مدنی، مولانا محمد منظور نعمانی، محمد طاہر فاضل اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی کتابوں سے اقتباسات پیش کر کے اپنے اس دعویٰ پر دلیل فراہم کی ہے کہ یہ تمام افکار ابن عربی سے ماخوذ ہیں۔

بریلوی اور دیوبندی مسالک میں مقام نبوت کی اس تشریح کے نتیجے میں فاضل مصنف نے چند نتائج اخذ کئے ہیں مثلاً یہ کہ اصل چونکہ اپنی فرع سے مقدم ہوتی ہے اس لیے آنحضرتؐ کائنات میں شامل نہیں ہو سکتے چونکہ تمام انبیاء آپؐ کی فرع ہیں اس لیے ان کی نبوت پر حقیقی نبوت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ آپؐ کا عنصری وجود چونکہ نسل آدم میں ظاہر ہوا، اس لیے اس کو جو نبوت ملی وہ بھی حقیقت محمدیہ کی ایک فرع ہے حقیقت

محمدیہ کا فیض چونکہ باقی ہے تو جب تک فیض کا یہ مرکز بند نہیں ہوگا نبوت کے اجراء پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔ کائنات کی اصل ہونے کی وجہ سے جس طرح آپ کی حقیقت سے اسلام کا صدور ہوگا۔ اسی طرح اس سے کفر کا صدور بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس طرح اسلام اور کفر کے درمیان حقیقی امتیاز قائم ہو جاتا ہے۔

فاضل مصنف نے بڑی تحدی کے ساتھ یہ کہا ہے کہ بریلوی اور دیوبندی مسلک کتاب و سنت پر نہیں بلکہ ابن عربی کے فلسفہ پر مبنی ہیں اور ابن عربی سے قبل کے اسلاف کی تحریروں میں ان عقائد کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ اس فلسفہ میں استعمال کردہ اصطلاحات اور تعبیر کی دلیل اگر کوئی شخص ابن عربی سے پہلے کے مصنفین کی کتابوں میں دکھا دے تو وہ اپنی تحقیق سے دستبردار ہونے کو تیار رہیں۔ اس فلسفہ میں حدیث لولاک یا اس قبیل کی جن روایات سے استدلال کیا گیا ہے وہ تمام تر موضوعات ہیں جن سے استشہاد کرنا ایک معصیت ہے۔

کتاب چونکہ ایک فلسفہ کو زیر بحث لائی ہے اس لیے یہ عام فہم نہیں اور خود مصنف نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ یہ احقاق حق کی خاطر علماء کے لیے لکھی گئی ہے۔ مصنف نے اس میں یہ خبر دی ہے کہ وہ اس کا دوسرا حصہ در مقام نبوت کی اسلامی تعبیر کے نام سے لکھ رہے ہیں۔ معلوم نہیں یہ تصنیف مکمل ہوئی ہے یا نہیں۔ یہ کتاب ان لوگوں کے لیے نہایت بیش قیمت ہے جو بریلویت اور

دیوبندیت کی علمی بنیاد کو سمجھنا چاہتے ہوں اس لحاظ سے اس کو مذہبی طبقوں
 میں بڑی پذیرائی ملنی چاہیئے لیکن چونکہ مصنف نے دونوں حریف مسالک
 کے موقوف کو غلط ثابت کیا ہے اس لئے ہمیں خدشہ ہے کہ قیمتی تحقیق
 کہیں نظر انداز نہ کر دی جائے یا مصنف کو پرویزیوں کے عجیب سازش کے
 نظریہ کا خوشہ چین نہ بتا دیا جائے۔ بہر حال ہم اس کتاب کے مطالعہ کی
 پُر زور سفارش کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ تصوف نے ہمارے
 دین میں کس طرح نقب لگائی ہے اور کتنے علامہ و فہامہ اس کی ترک تازیوں
 کا شکار ہوئے ہیں۔